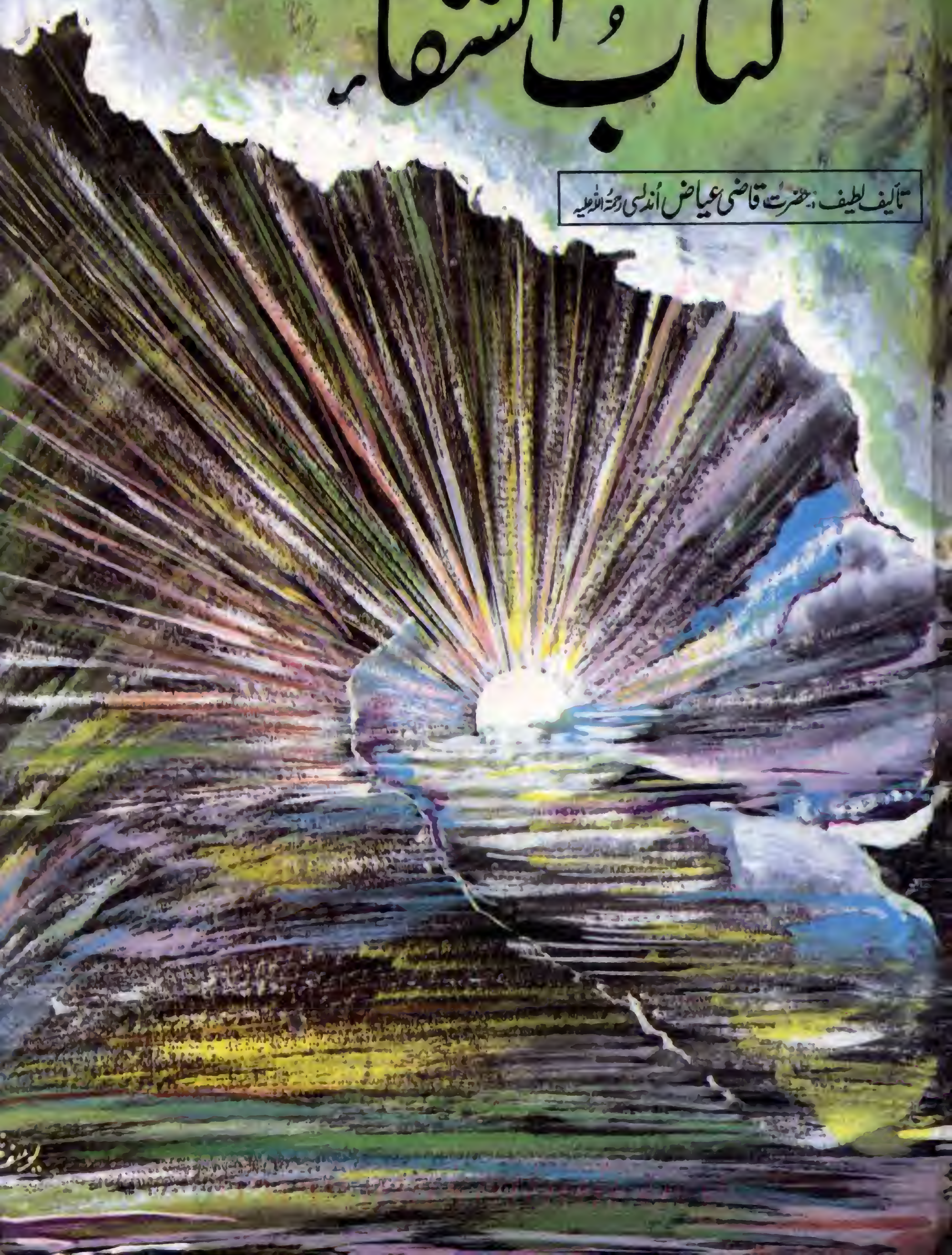
سیرت طیبہ پر ایک بیمثال کتاب

کتاب الشفاء

تالیف لطیف: حضرت قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ





کتاب الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اوّل

تالیف: قاضی عیاض مالکی اُندلسی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: مولانا عبدالحکیم صاحب اختر شاہجہانپوری

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

نام کتاب ——— کتاب الشفاء بتعریف حقوقِ مصطفیٰ

مصنّف ——— قاضی عیاض مالکی اندلسی رحمہ اللہ

مترجم ——— مولٰنا عبدالحکیم صاحب اختر شاہجہانپوری

موضوع ——— مقامات و کمالاتِ مصطفیٰ

سال طباعت اردو ——— سنہ ۱۹۹۷ء / سنہ ۱۴۱۸ھ

ضخامت ——— ۱۸×۲۳/۸ ۵۶۲ صفحات

طباعت ——— آفسٹ

طابع ——— قومی پریس، 50 لوئر مال لاہور

قیمت ——— ۱۵۰/۰۰ روپے

ناشر

مکتبہ نبویّہ — گنج بخش روڈ — لاہور

فہرست عنوانات کتاب الشفا جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت قاضی عیاض مالکی قدس سرہ العزیز

بارگاہِ رسالت میں مدح وثنا اور عقیدت ومحبت کے گلدستے پیش کرنے کی تاریخ اتنی ہی طویل ہے جتنی کائنات کی زندگی طویل ہے نعت اور ستائش کے جس قدر رنگا رنگ پھول حبیبِ خدا، سرورِ ہر دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں پیش گئے وہ اور کسی مخلوق کے حصے میں نہیں آئے حقیقت یہ ہے کہ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر جانِ ایمان اور آبروئے ایمان ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ
اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف شمائل وخصائل بیان کرنے والوں کی صفِ اوّل میں حضرت علامہ قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ دکھائی دیتے ہیں جن کی تمام زندگی احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صورت مبارکہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے بیت گئی، بلاشبہ ان کا علم وفضل قابلِ صد رشک اور ان کی بابرکت زندگی رشک صد چمن تھی۔

ولادت ونسب | حافظ الحدیث امام علامہ قاضی ابو الفضل عیاض

بن عمرو بن یحصبی[1] ۶ ۷۴ھ[2] / ۱۰۸۳ء میں بمقام سَبْتَہ پیدا ہوئے، آپ کا خاندان اندلس کا رہنے والا تھا، آپ کے جدِ امجد پہلے فاس میں منتقل ہوئے۔ پھر سَبْتَہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔[3]

اکتساب علم حضرت علامہ نے ابتداءً بتیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث قاضی ابو علی غسانی صدفی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔ ان کے وصال کے بعد آپ اندلس تشریف لے گئے اور اجلہ علماء سے اکتساب فیض کیا اور جواہر علم و حکمت کا ذخیرہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں محمد بن حمدین ابو علی بن سکرہ، ابو الحسین سراج، ابو محمد بن عثمان، ہشام بن احمد، اور ابو بحر بن العاص وغیرہم مشاہیر شامل ہیں۔ فقہ میں ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی اور قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المسبل سے استفادہ کیا۔[4] علامہ ذہبی نے آپ کے اساتذہ میں ابو محمد بن عتاب کا بھی ذکر کیا ہے[5] حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی نے آپکے اساتذہ میں ابن ارشد اور ابن الحاج کا شمار کیا ہے[6]۔ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں۔

---

[1] یحصب (صاد پر تینوں حرکتیں پڑھی جا سکتی ہیں)، حمیر کا ایک قبیلہ ہے بستان المحدثین، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ص ۳۴۶۔

[2] حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے آپ کا سن ولادت ۴۹۶ھ لکھا ہے (بستان المحدثین ص ۳۴۶) امام نووی نے ۴۹۶ھ نصف شعبان میں ولادت بیان کی ہے (تہذیب الاسماء واللغات، الجزء الثانی من القسم الاول، مطبوعہ بیروت ص ۴۴) حضرت ملا علی قاری نے شرح شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ۴۷۶ھ ہی سن ولادت لکھا ہے۔ [3] سَبْتَہ، مغرب کا ایک شہر (بستان المحدثین، ص ۳۴۶۔ [4] شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی (م ۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد دکن) ج ۴ ص ۹۶۔ [5] الذہبی الامام: تذکرۃ الحفاظ، ج ۴، ص ۹۶۔ [6] ایضاً۔ العرفی جرمن نمبر (مطبوعہ کویت ۱۹۶۳ء) ج ۴، ص ۱۲۲۔ [7] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ بستان المحدثین ص ۳۴۶

ابوالقاسم بن بشکوال "کتاب الصلہ" میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض طلب علم کے لئے اندلس تشریف لائے تو انہوں نے قرطبہ میں علماء کی ایک ..... سے علم حاصل کیا، اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا، حدیث شریف کی طرف اُن کی بہت توجہ تھی اور حدیث کے جمع و ضبط کا بڑا اہتمام کرتے تھے، وہ علم میں حدِ یقین کو پہنچے ہوئے تھے۔[۱] اعلیٰ درجہ کی ذکاوت و فطانت اور بلند فہم و فراست کے مالک تھے مسائل فقہیہ میں حضرت امام مالک کے مقلد تھے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں

وَالقاضی عیاضُ بن موسیٰ بن عیاض، العلامۃ ابوالفضل الیحصبیُّ السّبتی المالکی الحافظُ احد الاعلام[۲]

منصب قضا | ایک مدت تک سَبْتَہ میں پھر غرناطہ میں قاضی رہے۔[۳] آپ کے شاگرد ابن بشکوال فرماتے ہیں۔ قرطبہ میں تشریف لائے تو ہم نے ان سے اکتساب فیض کیا، فقیہ محمد بن حمادہ سبتی فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض اٹھائیس ۲۸ سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور پینتیس سال کی عمر میں منصب قضا پر فائز ہوئے۔[۴]

تلامذہ | حضرت قاضی عیاض قدس سرہٗ سے اَن گنت علماء نے علم و فضل حاصل کیا۔ چند شاگردوں کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ عبداللہ بن احمد العصیری ۔ ۲۔ ابوجعفر بن القصیر الغرناطی ۔ ۳۔ ابوالقاسم خلف بن بشکوال[۵]۔

---

[۱] محمد فرید وجدی : دائرہ معارف القرن الرابع عشر (دار المعرفہ، بیروت) ج ۶ ص ۷۹۴

[۲] الذہبی: العبر، ج ۴ ص ۱۲۲ ۔ [۳] ایضاً ص ۱۲۲ ۔ [۵] ایضاً تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۶، ۹۷ [۶] ص ۹۸ ۔

حافظ الحدیث، فقیہ ابو محمد الاُشیری عبداللہ بن محمد المغربی[1]، ابو بکر عبداللہ بن طلحہ بن احمد بن عطیہ المحاربی الغرناطی المالکی[2]

شعر و شاعری حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں چونکہ حضرت قاضی عیاض، علوم حدیث، فقہ، نحو، کلام عرب اور عرب کے ایام و انساب کی معرفت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اس لئے بڑے دلآویز شعر کہتے تھے[3]

چند اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں قرطبہ سے روانگی کے وقت فرمایا

اَقُوْلُ وَقَدْ جَدَّ ارْتِحَالِیْ وَغَرَّدَتْ حُدَاتِیْ وَزُمَّتْ لِلْفِرَاقِ رَکَائِبِیْ

میں یہ اشعار اس وقت کہہ رہا ہوں جب کوچ کا عزم مصمم ہو گیا ہے، میرے حُدی خواں نغمہ سرا ہو چکے ہیں اور فراق کیلئے میری سواریوں کو نکیل ڈالی جا چکی ہے۔

وَقَدْ غَمَشَتْ مِنْ کَثْرَۃِ الدَّمْعِ مُقْلَتِیْ

وَصَارَتْ ھَوَاءً مِنْ فُؤَادِیْ تَرَائِبِیْ

میری آنکھیں کثرت گریہ کے سبب بینائی کھو چکی ہیں اور فرطِ غم سے خانۂ دل اس طرح ویران ہوا کہ ساتھیوں کا خیال بھی میرے دل سے محو ہو گیا ہے

وَعَی اللّٰہُ جِیْرَانًا بِقُرْطُبَۃَ الْعُلٰی وَسَقٰی رُبَاھَا بِالْعِھَادِ السَّوَاکِبِ

اللہ تعالیٰ قرطبہ عالیہ کے ہمسایوں کی حفاظت فرمائے اور اُس کے ٹیلوں کو مسلسل بارش سے سیراب فرمائے۔

غَدَوْتُ بِھِمْ مِنْ بِرِّھِمْ وَاحْتِفَائِھِمْ کَاَنِّیْ فِیْ اَھْلِیْ وَبَیْنَ اَقَارِبِ[4]

---

[1] الذہبی: العبر ص ۱۷۵ - [2] ایضاً: ص ۳۰۳

[3] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین، ص ۳۴۶

[4] ایضاً، ص ۳۴۷

ان کی نیکی اور ہمدردی کے سبب مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اعزہ و اقربا میں ہوں۔

ایک دفعہ حضرت قاضی عیاض ایک کھیت کے پاس سے گزرے جس میں گُلِ لالہ کے چند پودے لہلہا رہے تھے انہوں نے برجستہ ایک قطعہ کہا جس میں عجیب تشبیہ بیان فرمائی

اُنْظُرْ اِلَی الزَّرْعِ وَ خَامَاتِہٖ
تَحْکِیْ وَ قَدْ مَاسَتْ اَمَامَ الرِّیَاحْ
کَتِیْبَۃً خَضْرَاءَ مَھْزُوْمَۃً
شَقَائِقُ النُّعْمَانِ فِیْھَا جِرَاحْ

کھیتی اور اس کے پودوں کی قد و قامت کو دیکھو جن کے سُرخ پھول زخموں کی مانند ہیں اور جو ہواؤں کے سامنے خم کھاتے ہوئے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے سبز پوش لشکر شکست کھا کر (اور زخمی ہو کر) بھاگ رہا ہو۔

تصانیف فقیہ محمد بن حماد سبتی فرماتے ہیں:۔

حضرت قاضی عیاض کے زمانہ میں سبتہ میں اُن سے زیادہ کثیر التصانیف کوئی نہ تھا . . . . . انہوں نے اپنے شہر میں وہ بلندی اور برتری حاصل کی جس تک ان کے شہر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا . مگر علم و فضیلت نے ان میں تواضع اور خشیتِ الٰہیہ کو اور زیادہ کر دیا۔ [۱]

ابنِ خلکان فرماتے ہیں:۔

قاضی عیاض ؒ حدیث اور علوم حدیث، نحو، لُغت، کلام عرب اور اُنکے

---

[۱] الذہبی : تذکرۃ الحفاظ ج ۴، ص ۹۷

ایام وانساب میں اپنے وقت کے امام تھے[۱]

آپ کی تصانیف مبارکہ کے نام ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)[۲]

(۲) ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک

(۳) العقیدہ۔

(۴) شرح حدیث ام زرع (حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس کا نام "بغیۃ الرائد لما تضمنہ حدیث ام زرع من الفوائد" بیان کیا ہے)

(۵) جامع التاریخ اندلس اور مغرب کے بادشاہوں کی تاریخ جس میں سبتہ کی تاریخ اور وہاں کے علماء کا تذکرہ بھی ہے۔

(۶) مشارق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار، موطا امام مالک، بخاری شریف اور مسلم شریف کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۷) اکمال المعلم فی شرح مسلم، امام ابوعبداللہ محمد بن علی المازری (م ۵۳۶ھ) کی شرح مسلم "المعلم بفوائد کتاب مسلم" کا تکملہ ہے۔

(۸) التنبیہات المستنبطۃ فی شرح مشکلات المدونۃ والمختلطۃ، فوائد حدیث پر مشتمل ہے، اس میں امام ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم (۱۹۱ھ) کی تصنیف المدونۃ فی فروع المالکیۃ" پر معروضات بھی ہیں[۳]

---

[۱] المصطفیٰ، ابن خلکان وفیات الاعیان (مطبوعہ دار الثقافۃ، بیروت) ج ۳ ص ۴۸۳

[۲] علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کا نام "الشفاء فی شرف المصطفیٰ" نقل کیا ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۵۲ میں "الشفاء فی تعریف (بتعریف) حقوق المصطفیٰ" نقل کیا ہے۔

[۳] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۶۴۴

یہ کتاب "تنبیہات" کے نام سے مشہور ہوئی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، فرماتے ہیں۔ اس فن میں اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی[1]

(۹) الاعلام بحدود قواعد الاسلام۔

(۱۰) الغنیہ اپنے مشائخ کا تذکرہ۔

(۱۱) الالماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع۔

(۱۲) المعجم فی شرح ابن سکرۃ، حضرت شیخ ابو علی الحسین بن محمد السرقسطی الاندلسی الصدفی (م ۵۱۴ھ) اور ان کے مشائخ کا تذکرہ[2]۔

(۱۳) نظم البرہان علی صحۃ جزم الاذان۔

(۱۴) مقاصد الحسان فی ما یلزم الانسان۔

(۱۵) غنیۃ الکاتب وبغیۃ الطالب[3]

(۱۶) العیون الستۃ فی اخبار سبتۃ[4]

(۱۷) الاجوبۃ المخیرہ عن الاسئلہ۔ المحیرۃ۔

(۱۸) اخبار القرطبیین۔

(۱۹) السیف المسلول علی من سب اصحاب الرسول۔

(۲۰) الصفا بتجریر الشفاء

(۲۱) مطالع الافہام فی شرح الاحکام[5]

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: بستان المحدثین ص ۳۴۵

[2] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲ ص ۱۷۳۶

[3] شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: بستان المحدثین ص ۳۴۵

[4] عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین (مکتبۃ المثنی، بیروت)، ج ۸، ص ۱۶

[5] اسماعیل باشا البغدادی: ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنی بغداد) ۱۲/۱، ص ۸۰۵

(۲۲) غریب الشہاب[1]

وصال | حضرت امام علامہ قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام زندگی دین متین اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمات جلیلہ انجام دینے کے بعد ۵۴۴ھ ۱۱۴۹ء میں مراکش میں داخلِ انعام جنت ہوئے۔ آپ کے فرزندِ ارجمند ابو عبداللہ محمد بن عیاض قاضی دابنہ کا بیان ہے کہ اِن کا وصال ۹ جمادی الاخریٰ بروز جمعہ، نصف شب کے وقت ہوا[2]۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انھیں ایک یہودی نے زہر دیا تھا جس کے اثر سے ان کی وفات ہوئی۔

شفاء شریف

امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصانیف بیش بہا خزانہ ہیں، علماء وفضلاء نے انہیں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے، امام علامہ محی الدین بن شرف النووی، شرح مسلم میں جگہ جگہ ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں اور حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جا بجا ان سے فوائد ونکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث جہاں "قال القاضی" کہتے ہیں۔ وہاں قاضی عیاض ہی مراد ہوتے ہیں لیکن سب سے زیادہ مقبولیت ان کی تصنیف مبارک "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی محققین

بقیہ حاشیہ ص: اسمٰعیل باشا البغدادی: ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنیٰ، بغداد) ج ۱ ص ۸۰۵

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۲۰۷۔ [2] مقدمہ شفا شریف معہ حاشیہ علامہ شمنی مطبوعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر (بحوالہ الدیباج المذہب، للعلامۃ برہان الدین ابن فرحون المالکی) ص

محدثین نے اس سے استناد کیا اور مابعد کے سیرت نگاروں نے اسے ماخذ کی حیثیت دی، بلاشبہ یہ کتاب دلوں کا نور اور ایمان کی رونق ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل صحیح اور مستند احادیث سے بیان کئے گئے ہیں۔

بارگاہِ رسالت میں شفا شریف کی مقبولیت کسی کتاب کی مقبولیت کے لئے اِس سے بڑھ کر کیا مقبولیت ہوسکتی ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت میں مقبول ہوجائے شفا شریف کے لئے سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ ایک دفعہ آپ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہوگئی حضرت قاضی عیاض قدس سرہٗ نے ان کی حالت کو محسوس کیا اور فرمایا: بھتیجے! میری کتاب شفا کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اُسے اپنے لئے دلیلِ راہ بناؤ، گویا یہ اشارہ تھا کہ مجھے یہ منصب و کرامت اس کتاب کی بدولت ملی ہے[1]۔

علماء اسلام نے نظم و نثر میں اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ہے شہرۂ آفاق مؤرخ علامہ مصطفٰے ابن عبداللہ المشہور بہ حاجی خلیفہ فرماتے ہیں۔

وہو کتاب عظیم النفع کثیر الفائدۃ، لم یؤلف مثلہ فی الاسلام شکر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سعی مؤلفہ وقابلہ برحمتہ وکرمہ[2]۔

اس کتاب کا نفع عظیم اور فائدہ بہت زیادہ ہے تاریخ اسلام میں اس جیسی کتاب کوئی نہیں لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے رحم و کرم سے نوازے۔

---

[1] الذہبی: تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۴۔ ص ۹۸

[2] حاجی خلیفہ: کشف الظنون۔ مطبوعہ مکتبہ المثنیٰ، بغداد، ج ۲، ص ۱۰۵۳

لسان الدین خطیب تلمسانی فرماتے ہیں۔

شِفَاءُ عِیَاضٍ لِلصُّدُوْرِ شِفَاءٌ　　　وَلَیْسَ لِلْفَضْلِ قَدْ حَوَاہُ خَفَاءٌ

شفاء قاضی عیاض دلوں کی شفاء ہے۔ اور جس فضیلت پر یہ مشتمل ہے وہ مخفی نہیں

ھَدِیَّۃُ بِرٍّ لَمْ یَکُنْ لِجَزِیْلِھَا　　　سِوَی الْاَجْرِ وَالذِّکْرِ الْجَمِیْلِ کَفَاءٌ

یہ ایک نیک شخصیت کا ہدیہ ہے جس کی عظمت کا بدلہ صرف ثواب اور ذکر جمیل ہے

وَفٰی لِنَبِیِّ اللہِ حَقَّ وَفَائِہٖ　　　وَاَکْرَمُ اَوْصَافِ الْکِرَامِ وَفَاءٌ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کا حق ادا کر دیا۔ اور کریموں کا بہترین وصف وفا ہی ہے۔

وَجَاءَ بِہٖ بَحْرًا یَّفُوْقُ لِفَضْلِہٖ　　　عَلَی الْبَحْرِ طَعْمٌ طَیِّبٌ وَّصَفَاءٌ

وہ ایسا سمندر لائے ہیں جو اپنی برتری کے اعتبار سے پانی کے سمندر پر فائق خوش مزہ اور صاف ہے۔

وَحَقُّ رَسُوْلِ اللہِ بَعْدَ وَفَاتِہٖ　　　رَعَاہُ وَاِغْفَالُ الْحُقُوْقِ جَفَاءٌ

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کے حق کی رعایت کی ہے اور آپ کے حقوق سے غفلت جفا ہے۔

ھُوَ الْاَثَرُ الْمَحْمُوْدُ لَیْسَ یُنَالُہٗ　　　دُثُوْرٌ وَلَا یُخْشٰی عَلَیْہِ عَفَاءٌ

وہ ایسی یادگار ہے جو پرانی نہیں ہوتی اور اس کے فنا ہونے کا خوف بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حَرَصْتُ عَلَی الْاِطْنَابِ فِیْ نَشْرِ فَضْلِہٖ وَتَمْجِیْدِہٖ لَوْسَاعَدَتْنِیْ وَفَاءٌ[1]

اگر وفا نے میری ہمنوائی کی تو میں اسکی فضیلت اور بزرگی کو بھرپور طریقے پر پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

[1] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: بستان المحدثین، ص ۲۴۳، ۲۴۴

حضرت علامہ ابو الحسین زیدی فرماتے ہیں ۔

کِتَابُ الشِّفَاءِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ قَدِ ائْتَلَفَتْ شَمْسُ بُرْهَانِهٖ

کتاب شفا (بلاشبہ) دلوں کی شفاء ہے جس کے برہان کا سورج پوری طرح جگمگا رہا ہے۔

فَأَكْرِمْ بِهٖ ثُمَّ أَكْرِمْ بِهٖ وَأَعْظِمْ مَدَى الدَّهْرِ مِنْ شَانِهٖ

تو اس کی عزت و تکریم کرتا رہ اور زندگی بھر اس کی عظمت و شان بیان کرتا رہ

إِذَا طَالَعَ الْمَرْءُ مَضْمُوْنَهٗ رَسٰی فِی الْهُدٰی أَصْلُ إِيْمَانِهٖ

جب کوئی اس کے مضمون کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے ایمان کی جڑ ہدایت میں مضبوط ہو جاتی ہے ۔

وَجَاءَ بِرَوْضِ التُّقٰی نَاشِقًا اَرِیْجُ اَزْهَارِ اَفْنَانِهٖ

وہ تقویٰ و نظافت کا ایسا باغ لائے ہیں جس کی شاخوں کے پھولوں کی خوشبوئیں مہکتی رہتی ہیں ۔

وَنَالَ عُلُوْمًا تُرَقِّيْهِ فِيْ ثُرَيَّا السَّمَاءِ وَكَيْوَانِهٖ

انہوں نے ایسے علوم پا لئے جو انہیں آسمان کے ثریا اور زحل تک لے جاتے ہیں ۔

فَلِلّٰهِ دَرُّ أَبِی الْفَضْلِ إِذْ جَرٰی فِی الْوَرٰی نَيْلُ إِحْسَانِهٖ

حضرت ابو الفضل (قاضی عیاض) کی خوبی خدا کے لئے جن کا فیضِ احسان تمام مخلوق میں جاری ہے ۔

يُقَرِّرُ قَدْرَ نَبِيِّ الْهُدٰی وَخَيْرِ الْأَنَامِ بِتِبْيَانِهٖ

وہ اپنے مدلل بیان سے نبی ہدایت اور افضل الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان بیان کرتے ہیں ۔

فَجَازَاهُ رَبِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ وَجَادَ عَلَیْهِ بِغُفْرَانِہٖ

میرا رب انہیں بہترین جزا عطا فرمائے اور انہیں اپنی مغفرت سے نوازے۔

وَمِنْهُ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْمُجْتَبٰی وَاَصْحَابِہٖ ثُمَّ اَعْوَانِہٖ

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب ترین ہستی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب ومعاونین پر رحمت کاملہ نازل ہوتی رہے۔

مَدَی الدَّھْرِ لَا یَنْقَضِیْ دَائِمًا وَلَا یَنْتَھِیْ طُوْلَ اَزْمَانِہٖ[1]

جو آخر زمانہ تک کبھی ختم نہ ہو اور طویل زمانہ تک اس کی انتہا نہ ہو۔

حضرت مُلّا علی قاری فرماتے ہیں۔

لَمَّا رَاَیْتُ کِتَابَ الشِّفَاءِ فِیْ شَمَائِلِ صَاحِبِ الْاِصْطِفَاءِ

بعض ادبار نے کہا۔

عُوِّضْتَ جَنَّاتِ عَدْنٍ یَا عِیَاضُ عَنِ الشِّفَاءِ الَّذِیْ اَلَّفْتَہٗ عِوَضٗ

جَمَعْتَ فِیْہِ اَحَادِیْثًا مُصَحَّحَۃً فَھُوَ الشِّفَاءُ لِمَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٗ[2]

اے قاضی عیاض! آپ کو شفاء کی تالیف کے عوض جنات عدن دی جائیں۔ آپ نے اس میں صحیح حدیثیں جمع کی ہیں، اس لئے وہ ہر اس شخص کے لئے عین شفاء ہے جس کے دل میں مرض ہے۔

علامہ یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْھُمْ مَنْ تَوَسَّطَ وَکَانَ مَذْھَبُہٗ حُسْنُ الْاِقْتِصَاد

فَمِنَ الْمُخْتَصِرِیْنَ الْاِمَامُ الْبَارِعُ الْقَاضِیْ عِیَاض

وَحَسْبُکَ بِکِتَابِہٖ الشِّفَاءِ الَّذِیْ سَارَ فِی الْاٰفَاقِ

---

[2] حاجی خلیفہ: کشف الظنون ج ۲، ص ۱۰۵۵

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: بُستان المحدثین، ص ۳۴۴-۳۴۳

وَوَقَعَ عَلیٰ قبولہ الاتفاق الانوار المحمدیہ مِنَ المواھب اللدنیہ ص۷ الجلد الاول ۔مطبوعہ مکتبہ الشیق ترکی

بلند پایہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ سیرت پاک پر کتاب لکھی۔ مشہور آفاق اور بالاتفاق مقبول کتاب شفا پڑھنے والے کے لئے بہت کافی ہے۔

اَجْمَعَ مَا صُنِّفَ فِی بَابِہٖ مُجْمَلاً مِّنَ الْاِسْتِیْفَاءِ لِعَدَمِ اِمْکَانِ الْوُصُوْلِ اِلَی اِنْتِھَاءِ الْاِسْتِقْصَاءِ فَقَصَدْتُّ اَنْ اَخْدِمَہٗ بِشَرْحٍ ؎۱

جب میں نے منتخب ترین ہستی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے شمائل کے بیان میں کتاب شفاء دیکھی جو اس موضوع پر اجمالاً احاطہ کرنے والی کتابوں میں سے جامع ترین ہے۔ کیونکہ کما حقہٗ احاطہ تک تو رسائی ممکن ہی نہیں۔ تو میں نے شرح کے ساتھ اس کی خدمت کا ارادہ کیا۔

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں۔

وَاِسْمُہٗ مُوَافِقٌ لِّمُسَمَّاہُ فَاِنَّ السَّلَفَ الصَّالِحِیْنَ قَالُوْا اِنَّہٗ جُرِّبَ قِرَاءَتُہٗ لِشِفَاءِ الْاَمْرَاضِ وَفَكِّ عُقَدِ الشَّدَائِدِ وَفِیْہِ اَمَانٌ مِّنَ الْغَرَقِ وَالْحَرْقِ وَالطَّاعُوْنِ بِبَرَکَتِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِذَا صَحَّ الْاِعْتِقَادُ حَصَلَ الْمُرَادُ ؎۲

شفاء شریف کا اسم اس کے مسمّٰی کے موافق ہے کیونکہ سلف الصالحین فرماتے

؎۱ علی بن سلطان محمد القاری الامام: شرح شفاء (برحاشیہ نسیم الریاض) مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۲
؎۲ احمد شہاب الدین الخفاجی الامام العلامہ: نسیم الریاض مطبوعہ بیروت، ج ۱ ص ۵۲

ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں کی شفا اور مشکلات کی گرہوں کے کھولنے میں مجرب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اس میں ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی مصیبتوں سے امان ہے۔ اور اگر اعتقاد صحیح ہو تو مراد حاصل ہوجاتی ہے۔

شفا شریف کا ماخذ اور جرح و تعدیل

علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ شفا شریف کا مأخذ شفا ابن سبع ہے۔ اس کی اتباع میں شفا قاضی عیاض میں بھی بعض ضعیف حدیثیں آگئی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے انھیں موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفا" میں ان تمام حدیثوں کی نشاندہی کی ہے۔ ایسے مقامات پر ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کی قاری کو ضرورت ہو۔[۱]

مضامین شفا

شفا شریف چار قسموں پر مشتمل ہے۔

قسم اول: اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول و فعل کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبۂ عظیمہ کی عظمت کا اظہار۔

اس قسم میں چار باب ہیں۔

پہلا باب: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثنا جمیل۔

اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

دوسرا باب: اللہ تعالیٰ نے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کی تکمیل فرمائی۔ اس باب میں ستائیس ۲۷ فصلیں ہیں۔

تیسرا باب: احادیث صحیحہ جن سے بارگاہ الٰہی میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت شان کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں بارہ فصلیں ہیں۔

چوتھا باب: وہ آیات و معجزات جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک

---

[۱] احمد شہاب الدین الخفاجی الامام العلامہ: نسیم الریاض ج ۱ ص ۴

پر ظاہر فرمائے۔ اس باب میں تئیس فصلیں ہیں۔

قسم ثانی : نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ حقوق جو تمام مخلوق پر واجب ہیں۔ اس قسم میں چار باب ہیں۔

پہلا باب : حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت فرض ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

دوسرا باب : محبوب رب ذو الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ سے اخلاص لازم ہے۔ اس باب میں چھ فصلیں ہیں۔

تیسرا باب : حضور سید العالمین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر لازم ہے۔ اس باب میں فصلیں ہیں۔

چوتھا باب : نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا حکم اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

قسم ثالث : وہ امور جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جائز ہیں اور وہ امور جو ممتنع ہیں، یہ قسم کتاب کی جان اور پہلے ابواب کا نتیجہ ہے اور پہلے ابواب تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم میں دو باب ہیں۔

پہلا باب : امور دینیہ ہیں۔ اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

دوسرا باب : امور دنیاویہ ہیں۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

قسم رابع : سرور ہر دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرنے یا گالی بکنے والے کا حکم۔ اس قسم میں تین باب ہیں۔

پہلا باب : وہ امور جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں نقص اور سبّ (گالی) ہیں۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

دوسرا باب : بارگاہِ اقدس کے گستاخ کا حکم اور اس کی سزا۔

تیسرا باب: بارگاہِ الٰہی جل مجدہٗ، رسولانِ گرامی، ملائکہ، کتب سماوی، اہلِ بیت کی شان میں گالی بکنے والے کیلئے حکم، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔[1]

شروح و تعلیقات شفا شریف کی مقبولیت عامہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ افاضل کی بہت بڑی جماعت نے اس پر شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کا شمار ہی مشکل ہے۔ ذیل میں کشف الظنون کے حوالے سے شروح اور تلخیصات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) شیخ محمد بن احمد اسنوی شافعی (م ۷۶۳ھ) نے شفاء کا اختصار کیا۔

(۲) شیخ استاذ ابو عبداللہ محمد بن حسن بن مخلوف الراشدی المعروف بابرکان نے تین شرحیں لکھیں، بڑی شرح "الغنیہ" دو جلدوں میں "الغنیۃ الوسطیٰ"، اور چھوٹی شرح ایک ایک جلد میں لکھی۔

(۳) حافظ عبداللہ بن احمد بن سعید بن یحییٰ الزموری نے شرح لکھی۔

(۴) ابو عبداللہ محمد بن علی بن ابی الشریف الحسنی التلمسانی نے بہترین شرح "المنہل الاصفیٰ فی شرح ماتمس الحاجۃ الیہ من الفاظ الشفاء" لکھی، یہ شرح مذکور الصدر دوسری اور تیسری شرح سے ماخوذ تھی اور ۱۴ صفر ۹۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

(۵) شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافعی العثمانی (م ۹۴۷ھ) نے "الاصطفا لبیان معانی الشفاء" کے نام سے شرح لکھی اور ۱۲ شوال ۹۳۵ھ میں مکمل کی۔

(۶) امام ابوالحسن علی بن محمد بن القفر بن الشافعی نے ۸۶۲ھ میں شرح لکھی۔

(۷) عمر العرضی نے چار جلدوں میں شرح لکھی۔

(۸) ابو ذر احمد بن ابراہیم الحلبی (م ۸۸۴ھ) نے شرح لکھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، ج ۲ ص ۱۰۵۳۔

(۹) امام ابوالمحاسن عبدالباقی الیمانی نے الاکتفا فی شرح الفاظ الشفا" لکھی۔

(۱۰) علامہ جلال الدین سیوطی نے "مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء" لکھی۔

(۱۱) حافظ برہان الدین ابراہیم محمد الحلبی (م ۸۴۱ھ) نے "المقتفی فی حل الفاظ الشفاء" لکھی۔

(۱۲) علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی (م ۸۷۳ھ) نے "مزیل الخفا عن الفاظ الشفاء" کے نام سے حاشیہ لکھا اور (۸۴۷ھ) میں مکمل کیا۔

(۱۳) محمد بن خلیل بن ابوبکر، ابوعبداللہ الحلبی المعروف القباقبی الحنفی نے "زبدة المقتفی فی تحریر الفاظ الشفا" ۸۴۹ھ میں لکھی۔ نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۲ دونوں شرحیں علامہ برہان حلبی کی شرح سے ماخوذ ہیں۔

(۱۴) علامہ شہاب الدین احمد بن حسین بن رسلان الرملی الشافعی (م ۸۴۴ھ) نے حاشیہ لکھا۔

(۱۵) عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل بن ابراہیم بن جماعۃ الکنانی القدسی (م ۸۶۱ھ) نے بعض الفاظ کی شرح لکھی۔

(۱۶) سید قطب الدین عیسٰی الصفوی۔ ان کی شرح بطریق مزج ہے۔

(۱۷) علامہ زین الدین بن الاشعاقی الحلبی۔

(۱۸) علامہ رضی الدین محمد بن ابراہیم المعروف بابن الحنبلی الحلبی نے "موارد الصفا و موائد الشفا" لکھی۔

(۱۹) قطب الدین محمد ابن محمد بن الحیضری (م ۸۹۴ھ) نے "الصفا بتحر الشفاء" لکھی۔

(۲۰) امام ابوالمحاسن عبدالباقی الیمانی (م ۷۴۳ھ) اسنے الاکتفا فی شرح الفاظ الشفاء" لکھی۔[1]

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون ج ۲ ص ۵-۱۰۵۴

(۲۱) علامہ یوسف بن ابی الفتح الدمشقی الامام السلطانی المعروف بالسفیفی (م ۱۰۵۷ھ)
(۲۲) محمد بن عبد السلام البنانی نے "نداء الحیاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض" لکھی۔
(۲۳) الحاج نجیب العینتابی، مدرس مدینہ منورہ (سنہ ۱۲۱۹ھ) [1]
(۲۴) الشیخ حسن العدوی الحمزاوی "المدد الفیاض" لکھی [2]
(۲۵) علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی نے "نسیم الریاض فی شرح الشفاء القاضی عیاض" لکھی۔
(۲۶) علامہ علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی قاری) نے شرح شفاء لکھی۔

اس وقت آخری دو شرحیں مقبول اور متداول ہیں، شرح الشفاء حضرت ملا علی قاری "نسیم الریاض" کے حاشیہ پر چھپی ہوئی چار جلدوں میں دستیاب ہے۔

شفاء شریف ۱۲۷۶ھ میں مصر میں پتھر پر چھپی۔ اس کے حاشیہ پر علامہ سیوطی کی شرح "مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء" اور علامہ حسن العدوی الحمزاوی کی شرح "المدد الفیاض" چھپی، ۱۲۹۰ھ میں پہلی جلد مطبع خلیل آفندی میں اور دوسری جلد ۱۳۱۲ھ میں مطبع عثمانیہ میں چھپی اور فاس میں بالترتیب ۱۳۰۵ھ اور ۱۳۱۳ھ میں چھپی [3]۔ اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ مطبع مصطفٰے البابی الحلبی، مصر سے علامہ شمنی کے حاشیہ کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ پاکستان میں بھی المصری ایڈیشن کا عکس چھپ چکا ہے۔

اردو میں شفاء شریف کے متعدد تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت

[1] اسماعیل باشا البغدادی: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون (مکتبۃ المثنیٰ بغداد) ج ۲ ص ۵۲۔ [2] یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ (مکتبۃ المثنیٰ بغداد) ج ۲ ص ۱۳۹۷۔ [3] ایضاً۔

مولانا علامہ معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ترجمہ ہمارے سامنے ہے جو انہوں نے ادارۂ سوادِ اعظم لاہور کی طرف سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔

مکتبہ نبویہ لاہور کے باہمت اراکین کی پیہم کوششیں لائق صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے مختصر عرصہ میں اہلِ سنّت و جماعت کا بیش قیمت لٹریچر، بڑی مقدار میں دیدہ زیب انداز میں پیش کیا ہے۔ اور اب شفاء شریف کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ پہلی جلد کا ترجمہ مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری مدظلہٗ نے اور دوسری جلد کا ترجمہ مولانا علامہ محمد اطہر نعیمی دام ظلہٗ خطیب جامع مسجد آرام باغ، کراچی (خلفِ رشید حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرّہٗ) نے کیا ہے۔ یہ دونوں صاحب علم و قلم حضرات علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ترجمہ کی عمدگی کے لئے ان دونوں شخصیتوں کا نام ہی ضمانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو بھی اصل کی طرح شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اور ترجمہ و اشاعت میں حصہ لینے والے مخلصین کو دُنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

بحرمتِ سیدُ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ
۱۵ فروری ۱۹۷۹ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

کتاب الشفاء





حرفِ آغاز

(از مصنف رحمۃ اللہ علیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلِّمۡ ۔ فقیہ قاضی امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الحصبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ سب تعریفیں اُسی اللہ جل مجدہٗ کے لئے ہیں جو اپنے بلند نام میں یکتا ہے ۔ جو اپنے بلند مقام کے ساتھ مخصوص ہے ۔ وُہی ذات جس کے سوا کوئی منتہٰی نہیں اور اُس کے سوا کوئی مقصود اصلی نہیں ۔ وہ ظاہر ہے کوئی خیالی یا وہمی ہستی نہیں ۔ وُہ تقدس کی وجہ سے باطن ہے ۔ معدوم ہونے کی وجہ سے نہیں ۔ ہر چیز اس کی رحمت اور اس کے علم میں ہے ۔ اُسی نے اپنے پیاروں کو بے حساب نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور اُن میں سے ایک ایسے رسُول کو مبعوث فرمایا ۔ جو عرب و عجم سب سے عالی نسب ہے ، حسب و نسب اور اصالت میں سب سے پاکیزہ ہے ۔ عقلمندی اور بُردباری میں سب سے بڑھ کر ہے ۔ اُس کے پاس علم و فہم کی دولت سب سے زیادہ ہے اور یقینِ محکم اور عزمِ مصمم میں سب سے قوی ہے ۔ لوگوں پر شفقت اور مہربانی فرمانے میں اُن سب سے آگے ، رُوحانی اور جسمانی لحاظ سے پاکیزہ اور عیوب و نقائص سے دُور رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے حکمت و حکم (نبوت) سے نوازا اور اُس کے ذریعے اندھی آنکھوں ، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا ۔ اُس رسول پر وہی لوگ ایمان لائے اور اُس کی تعظیم و توقیر کرتے رہے اور تائید و نصرت میں ثابت قدم رہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سعادت مندی مقدر فرمائی تھی اور اس کی ایسے لوگوں نے تکذیب کی اور اس کے معجزات کو نظر انداز کیا ۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے بدبختی مسلط کر دی تھی ۔ جو شخص اس رسول کی جانب سے اس دُنیا میں اندھا رہا ۔ وہ آخرت میں بھی اندھا اُٹھے گا ۔ اللہ رب العزت کی جانب سے اُس پر

درود و سلام ہو۔ ایسی رحمت جو ہمیشہ پھلتی پھولتی ہے اور اس کے آل واصحاب پر کامل سلام ہو۔

امّا بعد۔ اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے دل کو نورِ یقین سے منوّر فرمائے اور مجھ پر اور آپ پر لطف وکرم فرمائے جو اپنے پرہیزگار دوستوں پر کرتا ہے۔ جنھیں اللہ ربُّ العزت نے اپنی مقدس مہمانی سے مشرف فرمایا اور جنھیں اپنا شیدائی بنا کر مخلوق کی محبت سے بے نیاز کر دیا نیز اُنھیں اپنی معرفت، ملکوت کے عجائب اور اپنے آثارِ قدرت کے مشاہدہ کے لئے خاص فرما لیا۔ پھر اُنھیں اپنی ہی ذات کا غم دیا۔ جس کے باعث انھوں نے دین و دُنیا میں اپنے نظارۂ جمال کے سوا کسی سے سروکار نہ رکھا۔ وُہ اُسی ذاتِ واحد کے مشاہدۂ جمال وجلال میں مگن اور اُسی کے آثارِ قدرت وعجائبِ عظمت میں سرگرداں ہیں۔ اُن کا اعزاز یہی ہے کہ اُسی ذات سے لَو لگائے ہیں۔ اُسی پر توکل کرتے ہیں۔ اور اس کے اس سچے ارشاد کے شیدائی ہیں ؎

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ○ ؎	فرما دیجئے اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ کہو پھر اُنھیں ان کی بیہودگی میں کھیلنا چھوڑ دیجئے!

احباب نے مجھ سے بار بار فرمائش کی ہے کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دوں جو سرورِ کون ومکان، احمدِ مجتبےٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حقوق اور آپ کی تعظیم وتکریم کے وجوب پر مشتمل ہو۔ اور ان لوگوں کا شرعی حکم بھی بیان کروں جو اس واجبُ التعظیم منصبِ عُلیہ کے مقام سے ناواقف ہیں۔ اور جلیل القدر منصب کے حقوق کی ادائیگی سے سرِ مُو قاصر ہیں نیز یہ کہ اپنے اکابر اور آئمہ کے اقوال کو تمثیل کے طور پر بیان کروں۔

جاننا چاہیئے (اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا محبوب بنائے) کہ جو کام مجھے تفویض کیا گیا ہے وہ بہت ہی مشکل ہے۔ اس دشوار گزار منزل کو عبور کرنے سے میرا دل دہلتا ہے کیونکہ

موضوع کا تقاضا تو یہ ہے کہ گفتگو اُصولی ہو، بیان جامع و مانع ہو جس کے ذریعے علمی حقائق کے رموز و کنایات اور اس کے غوامض و دقائق واضح طور پر بیان کیے جائیں اور واضح کیا جائے کہ آپ کی جانب کس چیز کی نسبت کرنا جائز ہے اور کس چیز کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز نبی و رسول، نبوت و رسالت اور محبت و خلت کے مراتبِ عالیہ کی خصوصیات کی واضح پہچان کروا دی جائے۔

یہی وہ دشوار گزار وادی ہے جس میں قطا جیسا سُبک رفتار اور تیز بین پرندہ بھی ٹھٹک کر رہ جاتا ہے۔ اس وادی کی سمت اُٹھنے سے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، عقل پراگندہ اور بے خبر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر علم و فکر پر حفاظتِ خداوندی کا پہرہ نہ ہوتا تو قدم لڑکھڑانے لگتے۔ اور جو تائیدِ ایزدی سے محروم اور توفیق توکل سے عاری ہو وہ پھسل کر رہ جاتا ہے۔

میں اس مبارک ارادے پر آپ کے اور اپنے لئے مغفرت و اجر کا امیدوار ہوں۔ کیونکہ یہ مبارک اقدام صفت و ثنائے مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے منصبِ عالی، خُلقِ عظیم، خصائص اور حقوق کا بیان ہے، جو اس سے پہلے کسی مخلوق میں جمع نہیں ہوئے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقوق کا علم حاصل کرنا ایسی اطاعت ہے جس کا درجہ تمام حقوق سے زیادہ ہے تاکہ اہل کتاب کو بھی یقین کی دولت حاصل ہو۔ ان حقائق کو لوگوں کے سامنے واضح طور پر بیان کرنا چاہیئے اور کتمانِ حق کو بالکل راہ نہ دی جائے (جیسا کہ روزِ میثاق عہد لیا گیا تھا)

اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے کوئی دینی بات پوچھی گئی اور اُس نے جاننے کے باوجود اُسے چھپایا تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اُس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا۔

حدیثِ بالا کی وعید کے خوف سے میں ایسے نکات جمع کرنے پر مستعد ہو گیا جن سے

منزلِ مقصود ہاتھ آجائے اور مقصد کو جلد از جلد حاصل کرنے کی خاطر اپنے رہوارِ قلم کو سرپٹ دوڑایا۔ کیونکہ انسان اپنے اُن گھریلو معاملات سے، جو اُس پر لازم کئے گئے ہیں کبھی بے فکر نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کے حصُول میں سرگرداں رہتا ہے اور کتنے ہی ایسے اشخاص ہیں جو اِنکے باعث فرائض و نوافل سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں انسانی شکل میں ہوتے ہُوئے مقامِ انسانیّت سے لڑھک کر بہت نیچے چلے جاتے ہیں۔

لیکن اللہ ربُّ العزت اپنے جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو قُدرت اس کی چارہ سازی اور کارسازی خود فرماتی ہے۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کی تعریف کی جائے گی اور اُنھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی جبکہ اس روز (راحتِ جنت اور عذابِ جہنّم) کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ اپنی جان کو عذاب سے بچائے یعنی بُرائیوں سے محفوظ رکھے۔ اور نیک کاموں میں مشغول ہو کر میدانِ انسانیت میں اپنا مقام پیدا کرے۔ یاد رہے کہ علم وُہی مفید ہے جس سے انسان خود نفع حاصل کرے اور دُوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی شکستگی دُور فرمائے، گناہوں سے درگزر فرمائے۔ ہماری ہر کدو کاوش کو بہترین توشۂ آخرت بنائے، ہمیں ایسے مشاغل کی توفیق بخشے جو ذریعۂ نجات ہوں۔ اپنے قربِ خاص سے نوازے اور اپنے رحم و کرم کے پردے میں ہمیں چھپا لے۔ آمین۔

جب میں نے اس کتاب کو ترتیب دینے کا ارادہ کیا اور اسے ابواب اور اصولوں پر مرتّب کیا، تفصیلات معیّن کیں اور اس کے حصر و تحصیل میں مشغول ہُوا تو میں نے اس مجمُوعے کا نام :۔ "الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفٰی" رکھا اور اسے چار اقسام پر منقسم کیا ہے :۔

قسم اوّل :۔ اس میں اُن ارشاداتِ الٰہیہ کا بیان ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے خود

اپنے قول و فعل سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت افزائی فرمائی۔ اس میں چار ابواب ہیں:۔

باب اوّل[۱]:۔ ـــــــ اس میں آپ کی اس صفت و ثنا کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اس قدر و منزلت کا ذکر ہے۔ جو بارگاہِ خداوندی میں آپ کو حاصل ہے۔ اس باب کی دس فصلیں ہیں۔

باب دوم[۲]:۔ ـــــــ اس میں اُن کمالاتِ عالیہ کا بیان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی صورت و سیرت میں جمع فرما دیئے تھے یعنی تمام دینی و دنیاوی فضائل کا آپ کو مجموعہ بنا دیا تھا۔ اس باب کی ستائیس فصلیں ہیں۔

باب سوم:۔ ـــــــ اس میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن سے بارگاہِ خداوندی میں آپ کی قدر و منزلت کا پتہ لگتا ہے اور آپ کے دینی و دنیاوی خصائص معلوم ہوتے ہیں۔ اس باب میں بارہ[۱۲] فصلیں ہیں۔

باب چہارم:۔ ـــــــ اس میں ان نشانیوں اور معجزات کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں ظاہر فرمائے۔ نیز وہ مخصوص عز و شرف جس سے صرف آپ کو نوازا گیا۔ اس میں تیرہ[۱۳] فصلیں ہیں۔

قسم دوم:۔ ـــــــ اس میں اُن حقوق کا بیان ہے جن کا ادا کرنا اُمت پر لازم ہے اس میں چار باب ہیں۔

باب اوّل:۔ ـــــــ اس بیان میں ہے کہ آپ پر ایمان لانا فرض ہے نیز آپ کی اطاعت اور سنت کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ اس کے اندر پانچ فصلیں ہیں۔

باب دوم:۔ ـــــــ اس بارے میں ہے کہ آپ سے محبت رکھنا اور سچی عقیدت کا دم بھرنا ضروری ہے۔ اس باب میں چھ[۶] فصلیں ہیں

باب سوم:۔ ـــــــ میں اس امر کا بیان ہے کہ آپ کے حکم کی عظمت کو پہچاننا

جائے۔ نیز اُمت پر آپ کی تعظیم و توقیر اور خیر خواہی لازم ہے۔ اس باب میں ساتؔ فصلیں ہیں۔

باب چہارم:۔ صلوٰۃ و سلام کے حکم اور فرضیت کے بارے میں ہے۔ نیز درود شریف کی فضیلت کا بیان ہے۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

قسم سوم:۔ اس میں ان امور کا بیان ہوگا کہ:۔

۱۔ کون سی باتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں محال ہیں۔

۲۔ کونسے امور آپ کے لئے جائز ہیں۔

۳۔ کونسی باتیں آپ کے حق میں ممتنع ہیں۔

۴۔ کن بشری امور کی نسبت آپ کی جانب درست ہے۔

اللہ تعالیٰ تمھیں اعزاز بخشے، یہ قسم اس کتاب کا راز اور جملہ ابواب کا خلاصہ ہے۔ اور جو کچھ اس سے پہلے ہے وہ دلائل کے اُن نکات و بیّنات کی جو اس میں وارد ہوئے بنیاد اور تمہید مانند ہیں۔ اور یہی قسم اپنے مابعد کے لئے بھی حاکم ہے۔ اور اس تالیف کی غرض کو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، پورا کرنے والی یہی قسم ہے۔ پس جب یہ وعدہ پورا ہو جائے گا یعنی قسم سوم کی تکمیل سے فارغ ہو جاؤں گا تو لعنت کے مارے دشمنوں (گستاخانِ رسول)، کے سینے حسد کی آگ سے جل اُٹھیں گے اور مومن کا دل یقین کی دولت سے ایسا مالا مال ہوگا کہ یقین کی روشنی سے اُس کا سینہ پُرنور ہو جائے گا۔ اور اس صورت میں صاحب عقل و دانش اپنے آقائے محتشم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا حق ادا کر سکے گا۔ اور اس کلام کو ہم نے دوؔ ابواب میں پیش کیا ہے:۔

باب اوّل:۔ اس میں وہ امورِ دینیہ مذکور ہوں گے جو آپ کے ساتھ خاص ہیں۔ اور عصمتِ انبیاء کے عقیدے کو خوب ثابت کیا جائے گا۔ اس باب میں سولہؔ فصلیں ہیں۔

بابِ دوم: ـــــ اس میں ان دُنیاوی احوال کا ذکر ہے، جن کا بشریت کے باعث آپ سے واقع ہونا جائز ہے اور اس باب میں نو فصلیں ہیں۔

قسم چہارم: ـــــ اس میں نبیِ اکرم، نُورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کرنے والے اور (نعوذ باللہ) آپ کو گالی دینے والے کے احکام کی وجوہات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس موضوع کو ہم نے دو بابوں میں تقسیم کر دیا ہے:-

بابِ اوّل: ـــــ اس میں ان امور کا بیان ہے کہ اگر صراحتہً یا اشارۃً ان کی نسبت آپ کی طرف کی جائے تو سب و شتم اور توہین و تنقیص کا حکم رکھتے ہیں۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

بابِ دوم: ـــــ اس میں آپ کے دُشمن، ایذا دینے والے اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا بیان ہے۔ اور ایسے لوگوں کی توبہ، نمازِ جنازہ اور وراثت کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

یُوں تو اس کتاب کو ہم نے باب سوم پر ختم کیا ہے لیکن اس حصہ کو ہم نے زیرِ بحث مسئلہ کا تکملہ (ضمیمہ) بنایا ہے یعنی قسم چہارم کے دونوں ابواب میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسُولوں، اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں اور آل و اصحابِ پیمبر کو گالی دے (نعوذ باللہ)۔ ان کے احکامات کو اختصار کے ساتھ پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس حصے کے پُورا ہونے پر کتاب کے جُملہ ابواب و اقسام کی تکمیل ہو جائے گی جس سے ایمان کی پیشانی پر نور کا ٹکڑا جگمگانے لگے گا اور تاجِ تراجم میں ایسا دُرِ شہوار چمکے گا، جو ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دور کر کے اہلِ ایمان کے سینوں کو شفا بخشے گا اور حق کو ظاہر کرے گا جبکہ جہلا سے اعراض کرے گا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب گار ہوں جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں۔

قسمِ اوّل

اس میں سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی اُس عظیم الشان قدر و منزلت کا بیان ہے جو اللہ رب العزت نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے — فقیہ قاضی امام ابو الفضل عیاض (مصنفِ کتاب) نے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے توفیق بخشے اور راہِ راست پر گامزن رکھے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دولتِ علم سے کچھ حصہ یا تھوڑی بہت سوجھ بُوجھ مرحمت فرمائی ہے، اُس پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمارے نبی محتشم سیدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور آپ کو ایسے فضائل و مناقب و محاسن سے نوازا ہے جو صرف آپ ہی کا حصہ ہیں اور اُن کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کے مقامِ عظیم الشان کو اس درجہ بلند فرمایا گیا ہے اور نہ بانیں اور قلمیں اُس کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔

فضائل و خصائصِ مصطفےٰ سے بعض وہ امور ہیں جن کی اللہ رب العزت نے اپنی کتاب (قرآنِ کریم) میں تصریح فرمائی ہے اور اس جلیل نصاب میں جن سے خبردار کیا ہے اور جن اخلاق و آداب کے باعث آپ کی تعریف و توصیف کی ہے اور اپنے بندوں کو اُن کے التزام و اتباع پر اُبھارا ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس فضل و کرم کے باعث ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی، مقدّم و ممتاز کیا، پاک صاف فرمایا، پھر آپ کی مدح و ثنا بیان کی، پھر آپ کو کامل جزا عطا فرمائی کیونکہ اوّل و آخر فضل و کمال کا مالک وہی اللہ ربّ العزت ہے اور دُنیا و آخرت میں حقیقی حمد و ثنا اُسی ذات کے لئے ہے۔

فضائلِ مصطفےٰ میں بعض وہ چیزیں ہیں جن سے آپ کو پورے جلال و کمال کے

ساتھ مزیّن ومخصوص کرکے اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا اور محاسن جمیلہ واخلاق حمیدہ، کرامت والے دین اور بے شمار فضائل سے آپ کو خصوصیت بخشی نیز ظاہر معجزات، واضح براہین اور نمایاں بزرگی کے ساتھ آپ کی تائید فرمائی، جن کا آپ کے معاصرین نے مشاہدہ کیا جنھیں دیکھنے والوں نے دیکھا اور بعد میں آنے والوں تک جن کا یقینی علم پہنچا، یہاں تک کہ اس کی حقیقت کا علم ہم تک پہنچا اور اُن کے انوار کا ابر کرم ہم پر بھی برسا۔ اُس محبوب پر اللہ تعالیٰ کے بیشمار درود ہوں۔

مصنّف رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور براق پیش کیا گیا جو لگام اور زین سے مزیّن تھا۔ سواری کے وقت براق اُچھلنے کودنے لگا (یہ اظہارِ مسرت کے طور پر تھا) تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُس سے فرمایا اے بُراق! تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایسی حرکت کر رہا ہے۔ حالانکہ تیری پیٹھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہُوا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے معظّم ومکرّم ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ اتنا سُنتے ہی بُراق پسینہ پسینہ ہو گیا۔

باب اوّل

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو مدح وثنا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی جو عظیم الشان قدر ومنزلت ہے، اس باب کا وہی نفسِ مضمون ہے ——— قرآنِ مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکرِ جمیل پر مشتمل اور آپ کے محاسن ومحامد تعظیم اور قدر ومنزلت کو بیان کرتی ہیں۔ ہم نے اُن آیات ہی پر انحصار کیا ہے۔ جن کا مفہوم ظاہر اور مراد واضح ہے۔ اس باب کو ہم نے دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

(وباللہ التوفیق)

فصل (۱)

اس فصل میں اُن آیات کا ذکر ہے جو حضور پُر نور علیہ الصلوات والتسلیمات کی مدح وثنا اور آپ کے محاسن عالیہ کے بارے میں وارد ہیں جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(پارہ ۱۱، سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸)

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال

(فقیہ ابو اللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بعض قاریوں نے اس آیت کے لفظ اَنْفَسِکُمْ کے فا کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ جمہور کی قرأت ضمہ (پیش) کے ساتھ ہے۔

فقیہ قاضی ابو الفضل (قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ) توفیق الٰہی سے فرماتے ہیں :۔ جاننا چاہیئے کہ یہاں خطاب مومنینؒ سے ہے یا اہلِ عربؒ سے یا اہلِ مکہ سے، یا تمام انسانوں سے، جیسا کہ اس خطاب کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، یعنی اس عظیم الشان رسول کو اُن میں مبعوث فرمایا جس کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں، ان کے مقام و منصب کو جانتے، اُن کے صدق و امانت کو دیکھتے اور کذب و عدم خیر خواہی سے انھیں متہم نہ کر پائے حالانکہ وہ خود اُن میں سے ہیں اور عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کے نزدیک ارشاد باری تعالیٰ:۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سے یہی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن میں سب سے اشرف، ارفع اور افضل ہیں۔

اگر (اَنْفَسِکُمْ کے فا کو) فتح یعنی زبر کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ مدح و ثنا کی انتہا ہے پھر اس وصف کے بعد اور اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے اور محامد کثیرہ کے ساتھ آپ کی تعریف کی اور بتایا کہ اُنھیں اس بات کی بڑی حرص ہے کہ لوگ رُشد و ہدایت سے بہرہ مند ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں اور ہر وہ بات اُن پر گراں گزرتی ہے جو لوگوں کے لئے دُنیا اور آخرت میں ضرر رساں ہے۔ ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی، نیز ہمیشہ مسلمانوں پر آپ کی چشمِ عنایت اور نگاہِ کرم رہتی ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اسمائے حسنیٰ (رؤف اور رحیم) اپنے محبوب علیہ الصلوات والتسلیمات کو مرحمت فرمائے ہیں۔

یہ مضمون دوسری آیت میں یوں بیان ہوا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ؎۱	بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

ایک اور آیت میں یوں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ؎۲	وُہی (خدا) ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنھیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بیشک وُہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس بارے میں یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ ؎۳	جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں ایک رسُول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمھیں وہ تعلیم فرماتا ہے جسکا تمھیں علم نہ تھا۔

؎۱ پارہ ۴، سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۶۴ ؎۲ پارہ ۲۸ سورۃ الجُمعہ آیت ۲

؎۳ پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۱ ۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادِ باری تعالیٰ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے بارے میں فرمایا کہ یہ حسب و نسب اور سسرال کے متعلق ہے، کیونکہ میرے آبا و اجداد میں حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر اب تک کوئی بھی زنا کے ذریعے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب نکاح کے ذریعے عالمِ وجود میں آئے — ابن الکلبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پانچ صد امہات کے حالات میں نے معلوم کئے لیکن کسی میں زنا اور جاہلیت کا کوئی اثر نہ پایا۔ (سبحان اللہ)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشادِ خداوندی تَقَلُّبَكَ فِی السَّاجِدِیْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مِنْ نَبِیٍّ اِلٰی نَبِیٍّ حَتّٰی اَخْرَجْتُكَ نَبِیًّا۔ یعنی آپ ایک نبی سے دوسرے نبی کی جانب منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک اے محبوب تمہیں مبعوث فرمایا گیا۔

حضرت جعفر بن محمد یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی اطاعت سے عاجز دیکھ کر اس بات کی معرفت عطا فرمائی تاکہ وہ سمجھ پائیں کہ خدمت کے ذریعے وہ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو اپنے اور ان کے درمیان اپنی تخلیق کے شاہکار کو واسطہ بنایا جو صورت کے لحاظ سے خود اُن کی جنس میں سے ہے اور جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ سراپا رافت و رحمت ہے اُسے مخلوق کی جانب ایسا مکمل سفیر اور نمائندہ بنا کر بھیجا کہ اُس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اُس کی موافقت کو اپنی موافقت قرار دیتے ہوئے اللہ ربّ العزت نے فرمایا:۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۸۰) جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے :۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[1] اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہانوں کے لیئے۔

حضرت ابُوبکر محمد بن طاہر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت کی زینت سے سراپا مزیّن فرمایا ہے۔ آپ کو رحمت کا ایسا پُتلہ بنایا گیا ہے جس کے جُملہ شمائل وصفات مخلوقِ خُدا کے لیئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اِس بارگاہ سے جس کو رحمت کی تھوڑی سی بھیک بھی مل گئی وہ دونوں جہانوں کی کامیابی وکامرانی حاصل کر گیا اور ہر بُرائی سے محفوظ ہو گیا۔ اور دونوں جہانوں میں اپنی مُراد پا گیا۔ اے مخاطب! کیا تیری اس بات پر نظر نہیں ہے کہ اُن کے متعلق اللہ ربّ العزت نے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فرمایا ہے۔ پس اُس کی حیات بھی رحمت ہے اور اُن کی وفات بھی رحمت ہے جیسا کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میری حیات بھی تمہارے بہتر ہے اور میرا وصال فرما جانا بھی تمھارے لئے بہتر ہے —— کیونکہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی اُمت پر رحم فرمانا چاہتا ہے تو اُمت کی موجودگی میں نبی کی رُوح قبض کر لیتا ہے تو وہ نبی اپنی اُمت کے لئے بخشش کا مقدمہ اور نجات کا ذخیرہ بن جاتا ہے

امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "رحمۃ للعلمین" کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ تمام جنّات اور انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ دُوسرا قول یہ ہے کہ آپ ساری مخلوق کے لئے رحمت ہیں۔ مومن کے لئے اس لحاظ سے رحمت ہیں کہ اُنھیں ہدایت آپ کے سبب ملی۔ منافقوں کے لئے بایں وجہ رحمت ہیں کہ انہیں

---

[1] پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷

آپ کے صدقے قتل سے امان ملی، کافروں کے لئے یوں رحمت ہیں۔ کہ آپ کے باعث اُن کے لئے عذاب مؤخر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۶۸ھ) نے فرمایا ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب مومنوں اور کافروں کیلئے رحمت ہیں۔ جب اس بات کو سامنے رکھا جائے کہ اپنے انبیاء کو جھٹلانے والی امتوں پر کیسے کیسے عذاب آئے تھے تو اس وقت فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رحمۃً للعالمین ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جائے گا۔

حکایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ میری رحمت سے کیا تمہیں بھی کچھ حصہ ملا ہے؟ روح الامین عرض گزار ہوئے، ہاں یا رسول اللہ! میں اپنی عاقبت کے بارے میں لرزاں و ترساں رہتا تھا لیکن اب مطمئن ہوں کہ آپ کی قدمبوسی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس نسخہ کیمیا (قرآنِ کریم) میں میری تعریف فرمائی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ [1]

جو قوت والا ہے، مالک عرش کے حضور عزت والا، وہاں اُس کا حکم مانا جاتا ہے پھر امانت دار ہے۔

گلشنِ اہلِ بیت کے نخلِ سدا بہار یعنی امام جعفر صادق بن امام محمد باقر علیہما الرحمۃ الغفار نے ارشادِ باری تعالیٰ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ [2] (تو اے محبوب! تم پر سلام داہنی طرف والوں سے) کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! تمہارے صدقے داہنی طرف والوں پر سلامتی ہے ——

---

[1] پارہ ۳۰، سورۃ التکویر، آیت ۲۰، ۲۱۔ [2] پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۹۱

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں یوں بھی فرمایا ہے :۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ۱؎

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اسکے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے، موتی سا چمکتا، روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے، جو نہ مشرق کا نہ مغرب کا، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے۔ اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس کی تفسیر کے بارے میں حضرت کعب اور ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے :۔

المراد بالنور الثانی ھھنا محمدٌ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قولہ تعالیٰ مثل نورہٖ ای نور محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳؎

یہاں دوسرے لفظ نور سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ارشادِ باری تعالیٰ، اُس کے نور کی مثال سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کی مثال مراد ہے۔

۱؎ پارہ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۳۵

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آسمان و زمین والوں کو ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے پھر فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نور جب اصلاب میں تھا تو اس کی مثال طاق کی طرح تھی، جس کی صفت ایسی ہی تھی اور مصباح یعنی چراغ سے آپ کا قلب اطہر مراد ہے۔ زجاجہ یعنی شیشہ آپ کا سینہ مبارک ہے گویا وہ ایک روشن ستارا ہے کیونکہ اُس کے اندر ایمان و حکمت کا خزانہ ہے۔ شجرِ مبارک سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نور مراد ہے جس کی شجرِ مبارک سے مثال دی ہے اور یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت (آثارِ نبوت) اُن کے کلام سے پہلے لوگوں پر ظاہر ہو گی، جیسا کہ یہ زیتون۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کے علاوہ اور کئی مواقع پر نور کہا اور سراجِ منیر قرار دیا ہے چنانچہ نعتِ حبیب کہتے ہوئے اللہ ربُّ العزّت نے فرمایا ہے:-

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ ؎۱	بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ اور روشن کتاب۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:-

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ ؎۲	بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر، خوشخبری اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب

اور اسی بارے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝ الَّذِیْٓ	کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ اور تم پر تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس

؎۱ پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵ ؎۲ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۶

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ [1]

نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی۔ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ تو بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ کا شرحِ صدر اسلام کے ساتھ ہُوا ہے۔ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نورِ رسالت کے ساتھ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے قلب مبارک کو اس درجہ علم و حکمت سے بھر دیا گیا تھا کہ وسوسوں کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے معنی میں یہ بھی قول ہے کہ کیا ہم نے تمہارے قلبِ مبارک کو اتنا پاک نہیں کر دیا ہے کہ تمھیں وسوسے اذیت نہ پہنچا سکیں اور تمہارے اُوپر سے وہ بوجھ اُتار لیا ہے جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بوجھ سے مُراد زمانۂ نبوّت سے پہلے کی لغزشیں ہیں ایک قول میں ایامِ جاہلیت کا بوجھ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسالت کی ذمہ داری کا بوجھ ہے جو تبلیغ کے باعث اُٹھ گیا ہے۔ اس قول کو ماوردی اور سلمی رحمۃ اللہ علیہما نے حکایت کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے تمھیں بچا لیا ہے ورنہ (قبل زمانہ نبوت) کی لغزشیں تمہارے لئے بارِگراں ثابت ہوتیں۔ اِس قول کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر میں یحییٰ بن آدم علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہم نے نبوت کے ساتھ تمہارا بول بالا کر دیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب میرا ذکر ہوگا تو ساتھ تمہارا ذکر بھی ہوگا۔ جیسا کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا جاتا ہے

[1] پارہ ۳۰، سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذان کے ذریعے تمہارے ذکر کو بلند کیا گیا ہے۔

فقیہ قاضی ابوالفضل (قاضی عیاض مالکی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ عزّ و جلّ کی جانب سے اس امر کی تقریر ہے کہ اللہ جلّ اسمہٗ کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نہائت ہی قدر و منزلت ہے اور خالق و مالک کے نزدیک آپ کا رُتبہ بہت بلند ہے اور آپ اُس کے نزدیک بہت بزرگ ہیں۔ اسی لئے آپ کے قلب مبارک کو ایمان اور ہدایت کے لئے کھول دیا گیا۔ اور حفظِ علم اور ضبطِ حکمت کے لئے اُسے کشادہ کر دیا گیا اور امورِ جاہلیت کا بوجھ آپ کے اُوپر سے ہٹا دیا اور جہالت کی عادتوں کو آپ کے نزدیک مبغوض ٹھہرا دیا گیا۔ اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا اور نبوت و رسالت کے تحمل کی تکلیف کو آپ سے دُور کر دیا گیا ہے۔ بایں وجہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا وہ آپ نے لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔

یہ سُورت اس امر پر واضح دلالت کرتی ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا جلیل القدر مقام اور رُتبہ عالی اور ذکرِ گرامی بہت بلند ہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کے نام نامی کو اپنے اسمِ گرامی سے ملایا ہے۔ (صلی اللّٰہ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو دُنیا اور آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ پس کوئی خطیب، کوئی مؤذّن اور کوئی نمازی ایسا نہیں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت نہ دیتا ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کر دیا گیا ہے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ (جبرئیل علیہ السلام نے کہا: رب فرماتا ہے کہ) جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو میرے ساتھ

تمہارا ذکرِ جمیل بھی کیا جاتا ہے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیک یارسول اللہ)۔

ابنِ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر میں) کہا ہے کہ میں (اللہ عزّوجلّ) نے ایمان کی تکمیل کو اس بات پر موقوف رکھا ہے کہ میرے ساتھ تمہارا (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ذکر بھی کیا جائے۔ نیز میں نے تمہارے ذکر کو اپنے ذکر کا حصّہ قرار دیا ہے۔ پس جس نے تمہارا ذکر کیا گویا اُس نے میرا ہی ذکر کیا ہے۔

جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما (امام جعفر صادق) نے (رفعتِ ذکر کے بارے میں) فرمایا ہے کہ جو شخص بھی مجھے ربوبیّت کے ساتھ یاد کرے گا وہ تمہارا رسالت کے ساتھ ذکر کرے گا اور بعض عُلماء نے اس کی تفسیر میں شفاعت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے (کیونکہ اُس وقت آپ کی رفعتِ شان سب کے سامنے ہوگی اور دوستوں معتقدوں کے علاوہ منکرین و حاسدین و زبان دَرازیاں کرنے والے بھی اس امر کا اعتراف کیئے بغیر کوئی راہ نہ پاسکیں گے[ع]) اور اس کی تفسیر میں کہ رب تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ بلند کیا ہے یہ پہلو بھی داخل ہے کہ اللہ رب العزّت نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ اور آپ کے نامِ نامی کو اپنے اسمِ گرامی سے ملایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

ع مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شانِ مصطفےٰ کی اس جلوہ گری کے بارے میں لکھا ہے:

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مُجدّدِ مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں منکرین کو یُوں سمجھایا ہے:۔

آج لے اُن کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

وَ اَطِیْعُوااللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ ؕ[1] اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ[2] پس ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر۔

اِن دونوں مقامات پر اللہ ربُّ العزت نے اپنے حبیب کے منصب رسالت کو اپنے ساتھ واؤ عاطفہ کے ذریعے جمع کیا ہے جو شرکتِ ذکر کے لیئے ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ایسی شرکت کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔

ہم سے شیخ ابو علی حسین بن حافظ محمد جیانی رحمۃ اللہ علیہما نے حدیث بیان کی اور اُس کی اجازت مرحمت فرمائی اور اُن سے اِس کی قرأت ثقہ ہے۔ وُہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی ابو عمر نمری نے، اُن سے ابو محمد بن عبدالرحمٰن نے، اُن سے ابو بکر بن داسہ نے، اُن سے ابوداؤد سجزی نے، اُن سے ابوالولید طیالسی نے، اُن سے شعبہ نے، اُنھوں نے منصور سے، انھوں نے عبداللہ بن یسار سے، انھوں نے حذیفہ سے اور اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ نے فرمایا:۔

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَلٰکِنْ مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ[3] (ص ۱۶)

کوئی یہ نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے پھر فلاں چاہے (یعنی واؤ عاطفہ کی جگہ ثُمَّ ہونا چاہیئے)۔

---

[1] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۳۲۔ [2] پارہ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۵۸۔

[3]۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ یُوں نہ کہو اللہ اور فلاں چاہے گا بلکہ یوں کہو کہ:

خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ بارگاہ خداوندی کا ادب سکھایا ہے کہ مشیت ایزدی کو دوسروں کی مشیت پر مقدم رکھا کریں۔

بقیہ حاشیہ ص۲۱ :- اللہ چاہے گا پھر فلاں چاہے گا، کیونکہ واؤ عاطفہ کے ذریعے اشتراک پایا جاتا ہے اور خدا کی مرضی کے ساتھ دوسرے کی مرضی کو مشترک نہ کیا جائے بلکہ دوسرے کی مرضی کو علیحدہ بیان کیا جائے یعنی یوں کہہ سکتا ہے کہ اللہ چاہے گا پھر اس کا رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا ــــــ اللہ چاہے پھر اس کا رسول چاہے تو میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

اِس مسئلے میں بھی امام الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) نے بڑی دھاندلی اور رسول دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ انھوں نے اپنی خلافِ دین و ایمان کتاب تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا کہ :ــــــ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۰۷) ــــــ اپنے اس فیصلے کو موصوف نے اِس حدیث سے مؤکد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے :ــــــ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ ــــــ امام الوہابیہ کی یہ المناک بددیانتی ہے کیونکہ اوّلاً تو حدیث منقطع ہے۔ ثانیاً تقویۃ الایمان میں یہ اشارۃً تک نہیں کیا گیا کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ ثالثاً اسی مشکوٰۃ شریف کی جس غیر منقطع حدیث کے ضمن میں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے اس میں مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ کہنے کی تعلیم دی گئی ہے، اس کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ اس سے آنکھیں بند کر کے بے خبر لوگوں کی آنکھوں میں دِل کھول کر دُھول جھونکی ہے۔ رابعاً جب اصل حدیث میں مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ موجود ہے تو اس مضمون کو شرکیات میں بیان کرنا کس درجہ ستم ظریفی اور حدیثِ رسول پر ظلم ہے۔ خامساً غیر منقطع حدیث کو چھوڑ کر منقطع حدیث سے استناد کرنا اور غیر منقطع حدیث کے مضمون کو شرک بنانا نری بددیانتی ہے یا رسول دشمنی بھی؟

ہاں دوسروں کی مشیت کو ثُمَّ کے ساتھ ملا سکتے ہیں جو ترتیب اور تراخی کے لئے آتا ہے جبکہ واوٴ عاطفہ اشتراک کے لئے موضوع ہے۔

بقیہ حاشیہ صد ۲۲ سادساً غیر منقطع حدیث کی تعلیم مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ کو چھپانا اور منقطع حدیث کے الفاظ وَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کو پیش کرنے کا باعث رسول دشمنی ہے عشقِ رسول؟ یہ اطاعت ہے یا بغاوت؟ یہ شرافت ہے یا شرارت؟ یہ توحید بیان کی ہے یا تلبیس؟ یہ ولی اللہی ہے یا بولہبی؟

من آنچہ شرطِ بلاغ ست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

سنے مجدد مائیہ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام الوہابیہ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی اس شرارت کو دریا بُرد کرنے اور اس کی حقیقت اہل علم پر واضح کرنے کی غرض سے امام الوہابیہ کی صریح خیانت وعیاری سرخی قائم کر کے اس کے تحت فرمایا ہے:— اقول وباللہ التوفیق اولاً:— وہی قدیم لت، وُہی پُرانی علت کہ دعوے کے وقت آسمان نشین اور دلیل لانے میں اسفل السافلین۔ حدیث میں ہے تو اتنا کہ یوں نہ کہو، وہ شرک کا حکم کدھر گیا؟ ثانیاً:— سخت عیاری ومکاری کی چال چلا۔ مشکوٰۃ شریف کے باب مذکور میں حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں مذکور تھی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَلٰکِنْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ۔ نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں بلکہ یُوں کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔ مشکوٰۃ شریف میں اسے مسند امام احمد وسنن ابی داؤد شریف کی نسبت کر کے فرمایا وَفِیْ رِوَایَۃٍ مُنْقَطِعًا اور ایک روایت منقطع یعنی جس کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہیں، یوں آئی ہے۔ یہاں وہ روایت شرح السنہ ذکر کی۔ ہوشیار عیار نے دیکھا کہ اصل حدیث تو اس کے دعوئی شرک کو

(بقیہ حاشیہ ہذا صد ۲۴ پر ملاحظہ)

اسی کے مثل ایک حدیث اور بھی ہے کہ کسی خطیب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور خطبہ پڑھا اور اس میں یہ بھی کہا مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

بِئْسَ خَطِیْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ قُمْ ۱۶ — تو قوم کا برا خطیب ہے، کھڑا ہو جا۔

اس میں اختلاف ہے کہ آخری لفظ قُمْ (کھڑا ہو جا) یا اِذْھَبْ (یہاں سے چلا جا) فرمایا گیا۔ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ نے اس امر کو پسند نہیں فرمایا تھا کہ اس نے دونوں اسماء کو بطور کنایہ (ھما کی ضمیر میں) جمع کر دیا تھا۔ کیونکہ جمع کر دینے میں برابری پائی جاتی ہے اور باقی حضرات اس جانب گئے ہیں کہ آپ نے یَعْصِھِمَا پر وقف کر دینے کو ناپسند فرمایا تھا، لیکن حضرت ابو سلیمان علیہ الرحمہ کا موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث صحیح میں یہ وارد ہوا ہے کہ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی اور مَنْ یَّعْصِھِمَا پر وقف کرنا مذکور نہیں ہوا ——— مفسرین حضرات اور اصحابِ معانی کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ارشادِ خداوندی :

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب

بقیہ حاشیہ صہ ۲۳ : واخل جہنم کیے دیتی ہے، اسے صاف الگ اڑا لے گیا اور فقط یہ منقطع روایت نقل کر لایا۔ کیا یہ سمجھا تھا کہ مشکوٰۃ اہلِ علم کی نظر سے نہاں ہے؟ نہیں نہیں خوب جانتا تھا کہ مبتدی طالبِ علم حدیث میں پہلے اسی کو پڑھتا ہے مگر اسے تو بیچارے عوام کو چھلنا مقصود تھا جنھیں علم کی ہوا نہ لگی۔ سمجھ لیا کہ ان پر اندھیری ڈال ہی لوں گا۔ اہلِ علم نے اور کونسی مانی ہے کہ اسی پر معترض ہوں گے۔ (الامن والعلی مطبوعہ لاہور ۱۲۹۵ھ، ص ۲۱۳، ۲۱۴) لے پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶۔

سلام بھیجو۔

میں یُصَلُّوْنَ کا مرجع اللہ تعالیٰ اور ملائکہ دونوں ہیں یا نہیں ـــــــ

بعض علمائے کرام نے اِسے دونوں جانب جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض حضرات ایسا کہنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اِسے دونوں جانب راجع ماننے سے شرکت لازم آتی ہے اور انھوں نے اس ضمیر کو فرشتوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور وہ اس آیت میں یوں مقدر مانتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ (یُصَلِّیْ) وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض پیش کی کہ یا رسول اللہ! آپ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [1] — جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

اور اِس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ [2] — اے محبوب تم فرما دو، لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھیگا اور تمھارے گناہ بخشدیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو بعض کفار نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ ہم اُنھیں اپنا رب مان لیں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا خدا بنالیا ہے۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ

---

[1] پارہ ۵، سورۃ النساء آیت ۱۹ ۔ [2] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱۔

آیت نازل فرمائی :۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ؀ [1]

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ پھر اگر وُہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

منکرین شانِ رسالت کو رُسوا کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اطاعت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ مِلا کر بیان کیا ہے۔ مفسّرین حضرات کے درمیان ام الکتاب یعنی سورۃ الفاتحہ میں مذکورہ :۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ؀ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ [2]

ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔ راستہ اُن کا جن پر تُو نے احسان کیا۔

میں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے مراد کیا ہے؟ ابو العالیہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰ھ) اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خیارِ اہل بیت اور صحابۂ کرام مراد ہیں۔ اس قول کو مذکورہ دونوں حضرات سے امام ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) نے نقل کیا ہے۔ اور امام مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِن کے مانند حکایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں بزرگ ساتھی حضرت ابوبکر (المتوفی ۱۳ھ) اور حضرت عمر (المتوفی ۲۴ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہیں۔

اِسی کے مثل امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۷۲ھ) نے صراطِ مستقیم کی تفسیر میں حکایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ تفسیر

---

[1] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۲۔ [2] سورۂ الفاتحہ، آیت ۵، ۶

میں حکایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ تفسیر امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوئی تو انھوں نے فرمایا، خدا کی قسم (ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے) سچ کہا اور خیر خواہی کی ہے ـــــ امام ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تفسیر کو عبد الرحمن بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا ہے اور ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ارشادِ باری تعالیٰ ـــــ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى کی تفسیر میں بعض عارفین سے حکایت کیا ہے یعنی وہ فرماتے ہیں کہ عُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب توحید کی گواہی دینا ہے نیز ارشادِ باری تعالیٰ :-

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط [1] — اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے :-

نِعْمَتُهٗ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ (ص۱۸) — خدا کی نعمت سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ [2] — اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور جنھوں نے تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔

اکثر مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں جبکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ صَدَّقَ بِهٖ سے بھی آپ ہی مراد ہیں اور بعض قاریوں نے صَدَقَ کو تخفیف

---

[1] {پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۳۴ / پارہ ۱۴، سورۂ النحل، آیت ۱۸} [2] پارہ ۲۴، سورۂ الزمر، آیت ۳۳

کے ساتھ یعنی صَدَّقَ بِہٖ پڑھا ہے۔ دیگر علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صَدَّقَ بِہٖ سے مراد اہلِ ایمان ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ صَدَّقَ بِہٖ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ بعض نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مراد لیئے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے علاوہ بھی اقوال منقول ہیں ———

ارشادِ خداوندی:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1] سُن لو، اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے

کی تفسیر میں حضرت ابو الحجاج مجاہد بن جبیر تابعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳ھ) سے مروی کہ ذِكْرُ اللّٰهِ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں۔

فصل (۲)

آیاتِ قرآنی میں سرکارِ دوعالم کی تصدیق وشہادت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا[2]

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

---

[1] پارہ ۱۳، سورۂ الرعد، آیت ۲۸۔ [2] پارہ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۴۵، ۴۶

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب کے عظیم الشان منصب اور اوصافِ جمیلہ کی تعریف میں بہت سی باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت کے لئے آپ کو شاہد یعنی گواہ بنایا ہے کہ خالق و مالک کے جو احکامات مخلوقِ خدا تک پہنچانا آپ کی ذمہ داری تھی وہ آپ نے پہنچا دیئے ہیں (اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر خود آپ کا خدا کی جانب سے گواہ ہونا)، یہ بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے۔

نیز جو آپ کی اطاعت کریں اُن کے لیے خوشخبری دینے والا اور جو آپ کی نافرمانی کریں اُنھیں عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا بنایا ہے اور آپ توحید وعبادت کی جانب بُلانے والے ہیں اور آپ کو ایسا چمکدار سُورج بنایا ہے جس کے ذریعے راہ ہدایت کا پتہ چلتا ہے۔

ہم سے حدیث بیان کی ابو محمد عتاب نے، اُن سے ابوالقاسم حاتم بن محمد نے، اُن سے ابوالحسن قابسی نے، اُن سے ابو زید مروزی نے، اُن سے ابوعبداللہ محمد بن یوسف نے، اُن سے بخاری نے، اُن سے محمد بن سنان نے، اُن سے فلیح نے، اُن سے ہلال نے عطاء بن یسار کے ذریعے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رحمۃ اللہ علیہ سے ملا۔ اور اُن سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح وثنا میں کچھ سنایئے۔ اُنھوں نے میری اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللّٰہِ إِنَّہٗ لَمَوْصُوْفٌ فِی التَّوْرٰاۃِ بِبَعْضِ صِفَتِہٖ فِی الْقُرْاٰنِ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّحِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ اَنْتَ

خدا کی قسم توریت میں بھی آپ کی اُن بعض صفات کا ذکر ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ (توریت میں یہ مضمون ہے) اے غیب کی خبریں دینے بیشک ہم نے

عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ سَمَّیْتُكَ الْمُتَوَکِّلُ لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِیْظٍ وَلَا صَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا یَدْفَعُ بِالسَّیِّئَةِ وَلٰکِنْ یَّعْفُوْا وَیَغْفِرُ وَلَنْ یَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یُقِیْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَآءَ بِاَنْ یَّقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ یَفْتَحُ بِهٖ اَعْیُنًا عُمْیًا وَّ اٰذَانًا صُمًّا وَّ قُلُوْبًا غُلْفًا (ص ۱۹)

تمھیں بھیجا ہے حاضر وناظر، خوشخبری دیتا ڈرسناتا ان پڑھوں کی حفاظت کرنے والا تم میرے بندے اور رسول ہو میں نے تمھارا نام متوکل رکھا ہے تم نہ بداخلاق ہو نہ سنگ دل، نہ بازاروں میں چلّانے والے ہو اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہو بلکہ معاف کر دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسوقت تک اُن کی رُوح قبض نہیں کریگا جبتک اُن کے ذریعے بگڑی ہوئی ملت کو دُرست نہ کر لے اور جب تک وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اُن کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھول دے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس کے مثل منقول ہے اور بعض دیگر طرق میں بھی۔ ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

وَلَا صَخِبَ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَیِّنٍ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوَّالٍ لِّلْخَنَا اُسَدِّدُهٗ لِکُلِّ جَمِیْلٍ وَّ اَهَبُ لَهٗ کُلَّ خُلُقٍ کَرِیْمٍ وَ اَجْعَلُ السَّکِیْنَةَ

(میرا محبوب) بازاروں میں چلّانے والا نہیں اور نہ وہ فحاشی کو زینت دینے والا ہے نہ کوئی بیہودہ بات کہنے والا میں ہر جمیل قول وفعل سے اُسے آراستہ کر دوں گا اور اُسے خلقِ کریم عطا

لِبَاسَهٗ وَالْبِرَّ شِعَارَهٗ وَالتَّقْوٰى
ضَمِيْرَهٗ وَالْحِكْمَةَ مَعْقُوْلَهٗ
وَالصِّدْقَ وَالْوَفَآءَ طَبِيْعَتَهٗ
وَالْعَفْوَ وَالْمَعْرُوْفَ خُلُقَهٗ
وَالْعَدْلَ سِيْرَتَهٗ وَالْحَقَّ
شَرِيْعَتَهٗ وَالْهُدٰى اَمَامَهٗ
وَالْاِسْلَامَ مِلَّتَهٗ وَ اَحْمَدَ
اِسْمُهٗ اَهْدِيْ بِهٖ بَعْدَ
الضَّلَالَةِ وَاُعَلِّمُ بِهٖ بَعْدَ
الْجَهَالَةِ وَاَرْفَعُ بِهٖ بَعْدَ
الْخَمَالَةِ وَاُسَمِّيْ بِهٖ بَعْدَ
النُّكْرَةِ وَاُكَثِّرُ بِهٖ بَعْدَ
الْعِلَّةِ وَاُغْنِيْ بِهٖ بَعْدَ
الْعَيْلَةِ وَ اَجْمَعُ بِهٖ بَعْدَ
الْفُرْقَةِ وَاُوَلِّفُ بِهٖ بَيْنَ
قُلُوْبٍ مُّخْتَلِفٍ وَ اَهْوَآءٍ
مُّتَشَتِّتَةٍ وَ اُمَمٍ مُّتَفَرِّقَةٍ
وَ اَجْعَلُ اُمَّتَهٗ خَيْرَ
اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔

(١٩ ، ٢٠)

عطا فرماؤں گا۔ میں سکینہ کو اُس کا
لباس، بھلائی کو اُس کا شعار، تقویٰ
کو اس کا ضمیر، حکمت کو اس کا پیکر، صدق
و وفا کو اُس کی طبیعت، عفو و احسان
کو اُسکا خلق، عدل کو اسکی سیرت اور
حق کو اس کی شریعت بناؤں گا ہدایت
اُس کے آگے ہے، اسلام اُسکی
ملت ہے اور اُس کا اسم گرامی احمد ہے
میں گمراہی کے بعد اُس کے ذریعے
مخلوق کو ہدایت دوں گا، جہالت
کے بعد اُس کے ذریعے علم پھیلاؤنگا
پستی کے بعد اس کے ذریعے بلند
کروں گا، گمنامی کے بعد اُس کے
ذریعے مشہور کرونگا۔ قلت کے بعد
اُس کے ذریعے کثرت کروں گا محتاجی
کے بعد اُس کے ذریعے فارغ البالی
عطا فرماؤں گا منتشر ہونے کے بعد
لوگوں کو اس کے ذریعے اکٹھا کروں
گا۔ بکھرے ہوئے دلوں منتشر خواہشوں
اور فرقوں میں بٹی ہوئی اُمتوں کو اس
کے ذریعے اکٹھا کروں گا اور اس

کی امت کو مخلوقِ خدا کی بھلائی کے
لئے سب امتوں سے بہتر بناؤں گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی
کہ توریت میں آپ کی توصیف میں یہ بھی ہے:۔

عَبْدِیْ اَحْمَدُ الْمُخْتَارُ مُوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ وَمُهَاجِرُہٗ بِالْمَدِیْنَۃِ اَوْقَالَ طَیْبَۃَ اُمَّتُہُ الْحَمَّادُوْنَ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ (ص۲۰)

میرا خاص الخاص بندہ احمد مختار ہے اس کی جائے پیدائش مکہ معظمہ ہجرت کی جگہ مدینہ منورہ یا طیبہ ہے اس کی اُمت ہر حالت اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کرنے والی ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ط فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ انھیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں اُن کے لئے حلال فرما دے گا اور گندی چیزیں انھیں حرام کرے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے، جو ان پر تھے، اُتارے گا۔ تو وہ جو اُن پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اُسے مدد دیں اور اُس

مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ [1]

نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وُہی بامراد ہوئے۔ تم فرماؤ، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا رسُول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی معبُود نہیں۔ جلائے اور مارے۔ تو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول، بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اُس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان غلامی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توصیف میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ [2]

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم اُن کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تُند مزاج سخت دِل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔ تو تم اُنھیں معاف فرماؤ اور اُن کی شفاعت کرو اور کاموں میں اُن سے مشورہ کرو۔ اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ

[1] پارہ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۵۷۔ [2] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۵۹

نے اپنی مخلوق کو یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اُس نے اپنے حبیب یعنی سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا بنایا ہے کہ وہ مسلمانوں پر بہت ہی مہربانی اور شفقت فرمانے والے ہیں، ہر کسی کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرتے ہیں ـــــ اگر اُنھیں بد خُلق یا سخت دل بنایا جاتا تو یقیناً لوگ ان کے گرد جمع نہ ہوتے بلکہ متنفّر ہو کر دُور رہتے۔ لیکن اُنھیں درگزر فرمانے والا، سخی، نرم دل، خوب صورت، خوب سیرت، نیکوکار، اور لطف وکرم فرمانے والا بنایا ہے۔ (اس آیت کی تفسیر میں) ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اسی کے مثل ہے۔

اللہ جلّ مجدہٗ نے اپنے حبیب کی شان میں یہ بھی فرمایا ہے :۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ [1]	اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب اُمتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ اور رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت اور اُمّتِ محمدیہ کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔ دوسری آیت میں اس امر کو یوں تصریحاً بیان کیا ہے :۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ [2]	اللہ تعالیٰ نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمھارا نگہبان و گواہ ہو اور تم اور لوگوں پر گواہی دو۔

اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

---

[1] پارہ ۲، سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۳ [2] پارہ ۱۷، سورۂ الحج، آیت ۷۸

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؁ۘ[1]

تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں اُن سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

مذکورہ بالا آیت میں لفظ وَسَطًا سے مراد عَدْلًا خِيَارًا (عادل، پسندیدہ) ہے اس آیت سے یہ معنی مراد ہیں کہ جس طرح ہم نے تمھیں ہدایت دی ہے اسی طرح مخصوص فرمایا اور تمام امتوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ تمھیں بہترین اور عادل اُمّت بنایا ہے تاکہ تم انبیاء علیہم السّلام کے اُن کی اُمتوں کے خلاف گواہ بن جاؤ اور تمہارا عظیم الشان رسول تمہارے صدق وصفا کی گواہی دے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ جل جلالہٗ دیگر انبیائے کرام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے احکامات میری مخلوق تک پہنچا دیئے تھے؟ تو وہ اثبات میں جواب دیں گے۔ اُن میں سے ہر ایک کی اُمت کہے گی کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر ونذیر (نبی)، آیا ہی نہیں تھا۔ اُس وقت اُمّتِ محمدیہ بارگاہِ خداوندی میں انبیائے کرام کے بیان کی تصدیق کرے گی اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی گواہی کو درست قرار دے کر جملہ انبیائے کرام کے دامنوں کو (مذکورہ الزام) سے پاک کر دیں گے۔

مذکورہ آیت کے معنی میں ایک قول یہ ہے کہ تم اپنے جملہ مخالفین پر حجّت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے اوپر حجّت ہیں۔ اس قول کی حکایت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ[2]

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ اُن کیلئے اُن کے رب کے پاس سچ

---

[1] پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۴۱۔ [2] پارہ ۱۱، سورۃ یونس، آیت ۲

کا مقام ہے۔

حضرت قتادہ (المتوفی ۱۱۷ھ)، حضرت امام حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ)
اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قَدَمَ صِدْقٍ کی تفسیر میں فرمایا
ہے :-

هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ (م۲۱) | وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو شفاعت فرمائیں گے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا اس کی تفسیر میں یہ قول بھی ہے کہ قَدَمَ صِدْقٍ
سے مراد وہ صدمہ ہے جو عشاق کو اُن کی جدائی میں برداشت کرنا پڑتا ہے
—— حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت
ہے کہ یہ (قَدَمَ صِدْقٍ) شفاعت ہے جو ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے اور اپنے رب کے حضور وہ سچے شفیع ہیں۔
—— سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ رحمت
ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں ودیعت فرمائی گئی
ہے —— محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۵۵ھ) کا قول ہے کہ وہ
سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو صادقین و صدیقین کے امام، شفیع
و مطاع اور بارگاہِ خداوندی کے ایسے سائل ہیں جن کا سوال ضرور پورا فرمایا جاتا

ع مسلمانوں کا عقیدہ تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفیع المذنبین
ہیں لیکن امام الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے
اپنی رسوائے زمانہ اور خلافِ دین و ایمان کتاب، تقویۃ الایمان میں عقیدۂ شفاعت کا
مذاق اڑاتے ہوئے شانِ رسالت میں گستاخانہ کلمات لکھتے ہوئے کہہ دیا کہ گویا وہ
چوروں کے تھانگی ہیں —— اللہ تعالیٰ ایسے دشمنانِ رسول کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین

ہے۔ اُن کے اِس قول کی سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت کیا ہے۔

فصل ۳

قرآن پاک میں حضور اکرم کو خطابات

خاص لطف و کرم کی مظہر آیات میں سے ایک آیۂ کریمہ یہ ہے :۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ ؎	اللہ تمھیں معاف کرے، تم نے اُنھیں کیوں اِذن دے دیا، جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس بیان کا افتتاح ایسا ہے جس طرح ابتدائے کلام میں (سلاطین اپنے امیروں وزیروں سے) کہتے ہیں کہ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ وَ اَعَزَّكَ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تیری اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ تجھے عزت و آبرو سے رکھے (گویا کلام سے پہلے ایسے کلمات کہنا جو دُعا کے قبیل سے ہوں ایسے الفاظ سے مخاطب کرنے والے کی شفقت اور جس کو مخاطب کیا جا رہا ہے اُس کے قربِ خاص و علوِ منصب کا پتہ لگتا ہے)۔

عون بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ کی ظاہری بھول کا ذکر کرنے سے پہلے معافی کا مژدہ سُنا دیا ہے ـــــ امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں بعض حضرات سے حکایت کی ہے کہ :۔

؎ پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۴۳۔

عَافَاكَ اللّٰهُ يَا سَلِيْمَ الْقَلْبِ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ۔ (پ ۲۲) | اے سلیم القلب! اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف فرما دیا۔ تم نے انھیں اجازت ہی کیوں دی؟

یہی امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابتدائے کلام میں یہ کہہ دیا جاتا کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (تم نے انھیں اجازت ہی کیوں دی)، تو یہ اندیشہ تھا کہ کلام کی ہیبت سے کہیں آپ کا سینۂ مبارک چاک نہ ہو جائے، اسی لیئے خدائے ذو المنن نے بڑے لطف وکرم کے ساتھ پہلے آپ کو عفو و درگزر کا مژدہ سنایا جس سے آپ کو سکونِ قلب حاصل ہو گیا۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ۔ انھیں پیچھے رہنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے عذر کی سماعت فرماتے اور ہر ایک کا جھوٹ سچ ظاہر ہونے دیتے (تاکہ اُن کے میلے بہانوں کا راز کھل جاتا)۔

اس طرزِ کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ عظیم الشان مقام ہے جو کسی صاحبِ عقل و دانش پر پوشیدہ نہیں اس آیۂ مبارکہ کے ذریعے اللہ جل شانہٗ کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وہ لطف وکرم ثابت ہوتا ہے جس کی نہایت معلوم کرنے سے انسان عاجز ہے

امام ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن محمد نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے حالانکہ دامنِ مصطفٰے اس الزام سے بالکل پاک ہے کیونکہ آپ کو اس فیصلے کا اختیار

ع۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نام نہاد مسلمانوں سے چشم پوشی کرنا یا اُن کی دلجوئی کرنا اچھا نہیں بلکہ اُن کی اسلام دشمنی کا راز طشت از بام کرنا موجبِ رضائے الٰہی ہے۔ ہندوؤں اور کمیونسٹوں کے یاروں اور پیاروں سے مسلمانوں کو خبردار رہنا چاہیئے۔

دیا گیا تھا۔ (بات تو صرف اتنی ہے) کہ جب فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقین کو پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ منافقین کو اگر اجازت نہ ملتی تب بھی انھوں نے اپنے نفاق کے باعث گھروں میں بیٹھنا تھا اور اب جبکہ اجازت دے دی تو یہ بھی برا نہیں کیا ہے۔

فقیہ ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ) توفیق الٰہی سے فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے اور وہ اس طرح کہ اپنے کردار و اطوار کی باگ شریعت مطہرہ کو بنائے، اپنے اخلاق کو قرآنی آداب سے مزین کرے، قول و فعل اور معاملہ و محاورہ میں بھی قرآنی ادب جلوہ گر نظر آئے یہی چیز حقیقی معارف کا عنصر اور دینی و دنیاوی آداب کا گلستان ہے۔

چاہیئے کہ رب کائنات سے سوال کرتے وقت اُس عجیب لطف و کرم کو (جس کا ذکر سطور بالا میں لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ کے تحت ہو چکا ہے) یاد رکھے اور اس میں غور کرے، حالانکہ سب پر انعامات کی بارش برسانے والی اُسی کی ذات ہے وہ سب سے مستغنی ہے اور ان فوائد میں بھی غور کرے کہ اُس تبارک و تعالیٰ نے کلام کی ابتدا کس طرح فرمائی کہ عتاب سے پہلے اکرام اور ذنب کے ذکر سے پہلے عفو و درگذر سے مانوس کیا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ایسا کرنا کسی بھی مرحلے پر ذنب شمار کیا جا سکتا ہو —— یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ ۱	اور اگر ہم تمھیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم اُن کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔

بعض متکلمین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ تعالیٰ

---

۱ پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۴

علیہم پر لغزشوں کے بعد خطاب فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لغزش سے واقع ہونے سے پہلے ہی عتاب فرمایا گیا تاکہ اس کے باعث وہ لغزش سے کوسوں دور رہیں اور شرائطِ محبت کی پوری طرح حفاظت کر سکیں ـــــ یہ بات انتہائی نگاہِ عنایت کی غماز ہے غور تو فرمایئے کہ اللہ جلّ مجدہٗ نے پہلے آپ کے ثبات وسلامتی کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد اُس امر کا ذکر فرمایا جس پر عتاب کیا جا رہا ہے اور جس کی جانب مائل ہونے کا خدشہ ہو سکتا تھا (سبحان اللہ!) اثنائے عتاب میں خود آپ کی برأت کا اعلان کیا جا رہا ہے اور وادیٔ تخویف میں آپ کو محفوظ و مامون اور سلامت باکرامت رکھا جا رہا ہے ـــــ اسی کے مثل ارشادِ خداوندی یہ بھی ہے :-

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ؎	ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وُہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اُس چیز کے منکر ہیں جو آپ ہمارے پاس لے کر (قرآنِ کریم) آئے ہیں اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ نازل فرمائی تھی۔

یہ بھی روایت ہے کہ جب قوم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو ان کے اِس طرزِ عمل سے آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ اُس وقت آپ کی بارگاہ میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے :- یا رسول اللہ!

؎ پارہ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۳۳۔

آپ کو کس بات سے دُکھ پہنچا ہے؟ ــــ فرمایا، میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے ــــ یہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! کیا واقعی وہ جانتے ہیں کہ آپ سچے رسول ہیں؟ ــــ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی تھی۔

(قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لئے بڑا لطیف طریقہ اختیار فرمایا ہے اور بڑے لطف و کرم سے مخاطب کیا ہے کیونکہ آپ کا صادق ہونا تو کفار کے نزدیک بھی مسلمہ ہے لہٰذا وہ اس امر کو جھٹلا نہیں سکتے جبکہ آپ کے صدق کا وہ اپنی زبانوں سے اقرار کرتے اور دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ حتّٰی کہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کو وہ امین تسلیم کرتے اور اس صفت سے موصوف ٹھہراتے رہے ہیں ــــ اس تقریر سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دلی صدمہ کو رفع فرما دیا جو کفار کے کذب و افترا کے باعث پیدا ہو گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان دیدہ دانستہ انکار کرنے والوں کو ظالم قرار دیتے ہوئے فرما دیا وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ اور ادھر آپ کو الزامات سے بری کیا تو ادھر آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرنے والوں کی گردنوں میں عناد کا طوق ڈال دیا کیونکہ حقیقت میں ایسا کرنا بہت بڑا ظلم ہے کہ ایک چیز کا علم رکھتا ہو اور جان بوجھ کر اس کا انکار کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط [1]	اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے۔

---

[1] پارہ ۱۹، سورۂ النمل، آیت ۱۴

پھر اس موقع پر گزشتہ انبیائے کرام کا ذکر کر کے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی و تشفی دی ہے اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ میں ہے :-

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے صبر کیا اُس جھٹلانے پر اور ایذائیں پانے پر، یہاں تک کہ انھیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمھارے پاس رسولوں کی خبریں آ ہی چکی ہیں۔

جنھوں نے یُکَذِّبُوْنَكَ کو ذال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اُن کے نزدیک اِس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہُوا کہ وہ لوگ تمھیں جھوٹا نہیں پاتے اور امام فرا و امام کسائی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اے حبیب! وہ کب کہتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو —— یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ نہ تمھارے جھوٹ پر وہ استدلال کر سکتے ہیں اور نہ کوئی ایسی بات ثابت ہی کر سکتے ہیں —— جن حضرات نے یُکَذِّبُوْنَكَ کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اُن کے نزدیک معنی یہ ہے کہ وُہ جھوٹ کی جانب تمھاری نسبت تو نہیں کرتے۔ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وُہ تمھارے کذب کا عقیدہ تو نہیں رکھتے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو خصائص بیان ہوئے اور جن کے

۵؎ پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۳۴

ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معزز و مکرم فرمایا ہے اُن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے نام لے کر مخاطب کیا ہے یعنی فرمایا :- یَآ اٰدَمُ ــــ یَآ نُوحُ ــــ یَآ اِبْرٰھِیْمُ یَآ مُوْسٰی ــــ یَآ دَاوٗدُ ــــ یَآ عِیْسٰی ــــ یَآ زَکَرِیَّا ــــ یَآ یَحْیٰی لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب نہیں کیا مگر القاب کے ساتھ یعنی یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ ــــ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ ــــ یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ

فصل (۴)

قرآن پاک میں حضور کی زندگی کی قسم

چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

لَعَمْرُكَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَكْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ۝ [۱]

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدت حیات کی قسم یاد فرمائی گئی ہے۔ عُمر کا عین اگرچہ اصل میں مضموم ہوتا ہے لیکن کثرتِ استعمال کے باعث مفتوح ہوگیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اے محمد! تمہاری بقا کی قسم ــــ اور یہ بھی کہا

[۱] پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۷۲

گیا ہے کہ تمہارے موجود ہونے کی قسم ——— اور یہ بھی قول ہے کہ تمہاری حیات کی قسم ——— یہ تعظیم کا انتہائی درجہ اور غایت اعزاز و اکرام ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی پیدا نہیں فرمائی جو اُس کے نزدیک سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ معزز و مکرم ہو اور میں نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی دُوسرے کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔

ابوالجوزا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی کیونکہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری مخلوق سے بزرگ تر ہیں ——— اور یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ جلّ شانہٗ ہے :۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ [1]

یٰسٓ ۔ حکمت والے قرآن کی قسم۔ بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

لفظ یٰسٓ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایۃً بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے دس نام ہیں، جن میں سے دو [2]

---

[1] پارہ ۲۲، سورۂ یٰسین، آیت ۱ تا ۴۔

[2] لیکن امام الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی رسول دشمنی ملاحظہ ہو کہ ان کے نزدیک چمار ساری مخلوق سے معزز و مکرم ہے اور ساری مخلوق وہ چھوٹی ہو یا بڑی خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ موصوف کے اپنے لفظ یہ ہیں :۔ "اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے"۔ (تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۴۳)

نام طٰہٰ اور یٰسین ہیں۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۱۲ھ) نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت کی ہے کہ لفظ یٰسینؔ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا سید کہہ کر خطاب کرنا مراد ہے ـــــ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس لفظ کے ذریعے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا ہے کہ اے انسانِ کامل! ـــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک ہے ـــــ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے یا محمد مراد ہے ـــــ بعض نے فردِ اکمل اور کسی نے انسانِ کامل بھی معنی بتایا ہے۔ امام محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یٰسین کا معنی یا محمد ہے۔

کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لفظ یٰسین قسم ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قسم کھائی تھی کہ محمد! بیشک تم زمرۂ مرسلین سے ہو اور اس کے بعد فرمایا کہ حکمت والے قرآن کی قسم، تم ضرور گروہِ مرسلین سے ہو۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ لفظ اسماء النبی سے ہے یا اس کا قسم ہونا درست مان لیا جائے، دونوں صورتوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ تعظیم پائی جاتی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور دوسری قسم کا اس پر معطوف ہونا قسم کو مزید مؤکد کر رہا ہے اور اگر اسے نداء کے لئے مانا جائے تب بھی اس کے بعد قسم موجود ہے جس سے آپ کی رسالت کا تحقق ہو رہا ہے اور آپ کے ہادیٔ برحق ہونے کی شہادت دی جا رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسمِ گرامی اور آپ کی کتاب مقدس کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ تم ضرور گروہِ مرسلین سے ہو اور وحیِ الٰہی کو اس کے بندوں تک

پہنچاتے ہو اور اپنے پیغمبرانہ ایمان کے ذریعے صراطِ مستقیم پر ہو یعنی ایسے راستے پر ہو جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ حق سے عدول پایا جاتا ہے۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کی رسالت پر اپنی کتاب میں قسم نہیں کھائی اور اس میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غایت کی غایت درجہ تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے۔

اور اس تاویل کا تو کہنا ہی کیا، جو کہا گیا ہے کہ لفظ یٰسٓ سے مراد یا سید ہے اس میں تو آپ کی صریح تعظیم موجود ہے جیسا کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا ——— یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ [1]

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمھارے باپ ابراہیم کی قسم اور اُس کی اولاد کی کہ تم ہو۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمھارے چلے جانے کے بعد میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا۔ اس معنی کی حکایت امام مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں لَا زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجھے اس شہر کی قسم اور تمھیں اس شہر میں رہنا حلال ہے یا جو کچھ تم اس شہر میں کرو وہ حلال ہے ——— اور دونوں تفسیروں کے مطابق اُس شہر سے مراد مکہ معظمہ ہے۔

امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تمھارے اُس شہر کی قسم یاد فرماتا ہوں جسے تم اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازو گے اور اپنی حیات و ممات

[1] پارہ ۳۰، سورۃ البلد، آیت ۱ تا ۳۔

کی برکت سے جسے مشرف کر دیگے۔ اُس شہر سے مراد مدینہ منورہ ہے ــــــ (قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، پہلا قول زیادہ صحیح ہے (یعنی اُس شہر سے مراد مکہ معظمہ ہے) کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور اس کے بعد والا کلام جلّ بِهٰذَا الْبَلَدِ قولِ اوّل کی تصحیح کر رہا ہے ــــــ اور اسی کے مثل ارشادِ باری تعالیٰ؛ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنَ کی تفسیر میں ابنِ عطا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اقامت و تشریف کے باعث آپ کی جائے قیام کو امان والی بنا دیا۔ جہاں آپ تشریف فرما ہوں وہی جگہ امان والی ہے کیونکہ یہ وابستہ ہے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ــــــ اس کے بعد وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ؁ فرمایا ہے۔ جس نے والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد لئے ہیں تو یہ (حضرت ابوالبشر کی) عمومِ ابوّت کے باعث ہے اور بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور وَمَا وَلَدَ سے انشاء اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

اس سورت (البلد) میں دو مقام پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قسم کا ذکر ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ؁

الٓمّٓ۔ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں، اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ (الٓمّٓ) حروفِ اقسام سے ہیں۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ اِن

؁ پارہ پہلا، سورۃ البقرہ۔ آیت ۱، ۲۔

کے اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے اور اقوال بھی اس کی تفسیر میں ہیں
حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، لام سے جبرئیل علیہ السلام اور میم سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی حکایت کی ہے لیکن انھوں نے حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب اسے منسوب نہیں کیا ہے اور یہ معنی بتائے ہیں کہ اللہ عزوجل نے جبرئیل امین کے ذریعے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس قرآنِ کریم کو نازل کیا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

وجہ اوّل کے لحاظ سے کہ اس میں قسم کا احتمال ہے، مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب (قرآنِ کریم) حق ہے، جس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے (وجہ دوم کے لحاظ سے) اس میں یہ فضیلت پائی جاتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب کے نام کو ملایا ہے، جس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ[1] کی تفسیر میں کہا ہے کہ قسم ہے مجھے اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوتِ قلب کی، جس نے اپنے پروردگار کے خطاب اور مشاہدے کا تحمل کیا[ع] اور اپنے حال کی بلندی کے باعث بے حال نہ ہوئے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ (قٓ) قرآنِ کریم کا ایک نام ہے —— یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے —— یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ

[1] پارہ ۲۶، سورۂ قٓ، آیت پہلی۔

ع اسی لئے تو کہا گیا ہے:۔ موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

ایک پہاڑ ہے جس نے ساری زمین کو گھیرا ہوا ہے ـــــ اس کی تفسیر میں ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی[1] کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اَلنَّجْمِ سے مراد حضرت رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے اور هَوٰی سے مراد اس کا انوارِ الٰہیہ سے بھر جانا ہے اور بعض نے کہا کہ غیر اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَالْفَجْرِ ۝ وَلَیَالٍ عَشْرٍ[2] ۝ کی تفسیر میں ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اَلْفَجْرِ سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ایمان کے چشمے آپ سے پھوٹتے ہیں

فصل ۵

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے نام کی قسم کھاتا ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی	چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝	ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ
وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝	چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بیشک پچھلی
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ	تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور

[1] پارہ ۲۷، سورۂ النجم، آیت پہلی۔ [2] پارہ ۳۰ سورۂ الفجر، آیت ۲، ۱۔

فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ [1]

بیشک قریب ہے تمہارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اُس نے تمھیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ اور تمھیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔ تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اس سورت کے سبب نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی عُذر کے باعث قیام لیل ترک کیا ہوا تھا تو اس موقع پر کسی شخص نے اس بارے میں پھبتی ہوئی بات کہہ دی ایک قول یہ ہے کہ چند روز وحی بند رہی اور اس کے پیش نظر مشرکین طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، جن کی زبان بندی کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور قدر و منزلت کو چھ وجہ سے ظاہر کیا ہے :۔

وجہ اوّل :۔ اللہ تعالیٰ نے حالتِ محبوب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا :۔ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ یعنی دوپہر اور رات کے رب کی قسم یا دوپہر جیسے چمکتے ہوئے روشن چہرے والے اور رات کی طرح سیاہ زلفوں والے محبوب کے رب کی قسم۔ (باری تعالیٰ کے اپنی قسم کھا کر یقین دلانے میں، نبی کریم صلی اللہ

---

[1] پارہ ۳۰، سورہ والضحیٰ۔

تعالیٰ علیہ وسلم کی غایت درجہ فضیلت وکرامت ظاہر ہوتی ہے۔
وجہ دوم۔ بارگاہ خداوندی میں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عظیم منصب اور انتہائی قدر و منزلت ہے اس کو مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ سے ظاہر کیا کہ نہ تمہیں خدا نے چھوڑا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمہیں ساری مخلوق سے چن لینے کے بعد کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔
وجہ سوم۔ ارشاد باری تعالیٰ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ کی تفسیر میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آخرت میں تمہارا مقام دنیاوی منصب کی نسبت اظہار کرامت و بزرگی کے باعث زیادہ معظم ہوگا — حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چونکہ آخرت میں شفاعت و مقام محمود کو تمہارے لیئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس لئے دنیاوی زندگی سے تمہاری اُخروی زندگی زیادہ بہتر ہوگی۔
وجہ چہارم۔ فرمان خداوندی ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ یہ آیت کریمہ وجوہ کرامت، انواعِ سعادت اور دونوں جہانوں کے انعامات کثیرہ کی جامع ہے — ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دُنیا میں تمہیں کامیابی دے کر اور آخرت میں ثواب دے کر راضی کر لیا جائے گا — بعض کا قول ہے کہ شفاعت و حوضِ کوثر مرحمت فرما کر راضی کر لیا ہے۔
فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض شہزادوں سے روایت ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیت سے بڑھ کر ڈھارس بندھانے والی آیت اور کوئی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز راضی نہیں ہوں گے اگر آپ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہ گیا۔
وجہ پنجم۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہاں تک اپنے ان انعامات اور

لطف و کرم کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کی آپ پر بارش ہوتی رہی۔ اس کے آگے عظیم الشان منصب تک پہنچانے اور آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت دینے کا ذکر ہے (جیسا کہ ان کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں)۔ نیز اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ کے پاس مال نہ تھا۔ تو مال دے کر غنی کر دیا یا آپ کے قلبِ مبارک کو قناعت استغنا سے بھر پور کر دیا اور آپ کو یتیم پایا تھا تو آپ کے چچا (جناب ابوطالب) کو آپ پر مہربان کر کے اُن کے پاس ٹھکانا مرحمت فرما دیا

اِس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ:۔

اَلَمْ یَجِدْكَ نَهْدِیْ بِكَ ضَآلًّا وَّ اَغْنٰی بِكَ عَآئِلًا وَّ اٰوٰی بِكَ یَتِیْمًا۔ (ص ۲۹)

کیا تمھیں ایسی حالت میں نہ پایا کہ تمھارے ذریعے گمراہ کو ہدایت دی، کنگال کو غنی کیا اور یتیم کو ٹھکانا بخشا۔

یہ بات تفاسیر سے معلوم ہو چکی ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اُن کے بچپن میں بے یار و مددگار نہ چھوڑا، جو بظاہر کس مپرسی اور یتیمی کا زمانہ تھا، تو ساری مخلوق سے چُن لینے اور اپنا حبیب بنا لینے کے بعد کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے۔

وجہ ششم۔ اللہ جلَّ مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جن انعامات سے تمھیں نوازا گیا ہے، ان کا اظہار کرو اور جس عالی منصب پر تمھیں فائز کیا ہے، اس کی شکر گزاری کے طور پر لوگوں میں خوب نشر و اشاعت کرو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ کیونکہ نعمت کا بیان کرنا بھی شکر گزاری ہے۔ یہ امر حضور علیہ السلام کے لئے خاص اور امتِ محمدیہ کے لئے عام ہے —— نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذکورہ فضیلت کے اظہار میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ
وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ
شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍؕ فَاسْتَوٰى ۝
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ
مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا
يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا
جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى
السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ
الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى
مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ [1]

اس پیارے چمکتے تارے محمدؐ کی قسم، جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے، نہ بے راہ چلے۔ اور اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔ انھیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمانِ بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔ تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انھوں نے تو جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی، بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

---

[1] پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۱ تا ۱۸

ارشاد باری تعالیٰ وَالنَّجْمِ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے ۔۔۔۔۔ ایک قول یہ ہے کہ نجم اپنے ظاہری معنی میں ہے ۔۔۔۔۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآنِ کریم مُراد ہے کیونکہ یہ بھی نَجْمًا نَجْمًا (آہستہ آہستہ) نازل ہُوا تھا ۔۔۔۔۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں ۔۔۔۔۔ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد قلبِ مصطفیٰ ہے ۔۔۔۔۔ اور ارشاد باری تعالیٰ :۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ٥ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ٥ میں بھی نجم سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات مراد ہے ۔ اس قول کی حکایت امام ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ۔

یہ آیات (سورۃ النجم کی) فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتنے فضائل و کمالات بیان کر رہی ہیں ۔ جن کا تفصیلی شمار زبان و بیان کی طاقت سے باہر ہے اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہادی ہونے کی قسم یاد فرمائی ہے نیز آپ کے نفسانی خواہشات سے پاک اور صدق و امانت سے مالا مال ہونے پر قسم کھائی اور ذکر فرمایا کہ جو کچھ یہ تلاوت کرتے ہیں وہ یقیناً وحیِ الٰہی ہے ۔ جبرئیل علیہ السلام نے جو بڑی قوت و امانت والے ہیں اس کلام کو اللہ رَبُّ العزت کی طرف سے اِن تک پہنچایا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبیِ آخر الزمان ، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس فضیلت کا ذکر فرمایا جو آپ کو معراج و اسریٰ کے ذریعے عطا فرمائی تھی اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا ذکر فرمایا ۔ نگاہِ مصطفیٰ کی شایانِ شان داد دی اور حبیبِ پروردگار نے دستِ قدرت کے جن کمالات اور نشانات کا معائنہ کیا ، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ۔۔۔۔۔

۔۔اس واقعۂ معراج کے ابتدائی حالات سورۂ بنی اسرائیل میں بھی مذکور ہوئے ہیں ۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عالمِ جبروت سے جو کچھ منکشف ہوا۔ اور عالمِ ملکوت کے جن عجائبات کا آپ نے مشاہدہ فرمایا زبان وقلم اُن کے احاطے سے قاصر ہیں اور عقلیں ان کے سننے اور سمجھنے سے عاجز ہیں اسلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا ذکر اشارے کنائے کے طور پر فرمایا ہے جو فخامت اور عظمتِ امر کی دلیل ہے۔ اسی لئے تو ارشادِ خداوندی ہوا:۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۝ ــــ اس قسم کے کلام کو اہلِ فصاحت وبلاغت نے وحی واشارہ سے موسوم کیا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کلام ایجاز کے میدان میں سب سے بلیغ شمار ہوتا ہے ــــ فرمانِ خداوندی:۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ یعنی آپ کی جانب وہ باتیں وحی فرمائی گئیں جن کے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہیں اور آپ نے قدرتِ الٰہیہ کی ان بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا جن کو سمجھتے وقت عقل کے پلّے سوائے حیرت کے کچھ نہیں پڑے گا۔

ابو الفضل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ اس سیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سائرِ لامکان شہنشاہِ دوجہاں حبیب الرحمٰن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علیٰ وجہ الکمال تزکیہ فرمایا اور اس کی جملہ آفات سے آپ کو محفوظ ومامون رکھا اور آپ کے قلبِ اطہر، زبان مبارک اور جوارح مقدسہ کا تزکیہ بھی فرمایا تھا، جیسا کہ قلبِ انور کے متعلق فرمایا ہے:۔ ــــ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اور زبانِ مصطفٰے کے بارے میں فرمایا:۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ ــــ نگاہِ مصطفٰے کے بارے میں ارشاد ہے:۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ ــــ توصیفِ مصطفٰے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدھے

الْكُنَّسِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ الرَّجِيْمٍ ۝

چلیں، تھم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے حضور عزّت والا۔ وہاں اُس کا حکم مانا جاتا ہے۔ امانت دار ہے اور تمھارے صاحب مجنون نہیں۔ اور بیشک انہوں نے اُسے روشن کنارا پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہُوا نہیں۔

لَآ اُقْسِمُ سے مراد ہے کہ میں قسم یاد فرماتا ہُوں کہ ایسے ممتاز پیغام رساں کا پہنچایا ہُوا کلام ہے جو باری تعالیٰ کے نزدیک منصب رفیع پر فائز ہے اور وحیِ الٰہی کو پہنچانے کی ذمہ داری کا بار اٹھانے کی پوری پوری طاقت رکھتا ہے اور اپنے رب کے حکم سے ایک اعلیٰ مقام پر حکم کے انتظار میں قیام پذیر رہتا ہے سماوی مخلوق اُس کی اطاعت گزار ہے اور وحی کے معاملے میں وہ انتہائی ذمہ دار اور امین ہے۔

حضرت علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں، لہٰذا آگے جتنے بھی اوصاف مذکور ہُوئے ہیں وہ سب سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب ہی راجع ہوں گے ــــ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں تو اس بناء پر جتنے اوصاف

آگے بیان ہوئے ہیں وہ سب ان کی جانب منسوب ہوں گے —— اور
وَلَقَدْ رَاٰہُ کی تفسیر میں دو قول ہیں :۔

قِیْلَ رَاٰی رَبَّهٗ وَ قِیْلَ رَاٰی جِبْرِیْلُ فِیْ صُوْرَتِہٖ (ص ۳۲)

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِظَنِیْنٍ ۝ سے مراد یہ ہے کہ میرا حبیب غیب کے بارے میں متہم نہیں ہے اور جس نے اس لفظ (بِضَنِیْنٍ) کو ضاد کے ساتھ (بِضَنِیْنٍ) پڑھا ہے کہ حبیبِ خدا غیبی علوم واحکام کی تعلیم وتذکیر میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے اور اس بات پر جملہ مفسیرین کا اتفاق ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی گئی ہے توصیفِ مصطفٰے میں یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

نٓ ۝ وَالْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔ تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔ بیشک تمہارا رب

ف۔ یعنی اُن پر چھپا رکھنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ جن علومِ غیبیہ کا تعلق بتانے سے ہے اُنکے بتانے میں وہ کسی بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ شب و روز دوسروں کو اُن پر مطلع کرتے رہتے ہیں۔

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ [1]

خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے۔ تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا، ذلیل، بہت طعنے دینے والا، بہت ادھر اُدھر کی لگاتا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، درشت خو۔ اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہتا ہے کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

سورت کی ابتدا میں یہ اللہ جل مجدہٗ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکدامنی پر عظیم قسم یاد فرمائی ہے۔ کفار چونکہ آپ کی جانب بعض عیوب کی نسبت کر کے تکذیب و تحقیر اور دل آزاری کیا کرتے تھے۔ لہٰذا یہاں رضائے محبوب کی خاطر حسنِ خطاب اور کمالِ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ یہ کلام بلحاظ مخاطبہ محبت سے لبریز اور محاورے کی رُو سے ادب و احترام کا آخری درجہ ہے۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۷ تا ۱۴

اس کے بعد اللہ رب العزت نے اُن دائمی نعمتوں اور غیر منقطع ثواب کا ذکر فرمایا۔ جن سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ممتاز فرمایا ہے اور جو حدو شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے باوجود منعمِ حقیقی نے اپنے محبوب پر احسان نہیں جتلایا۔ بلکہ مزید مژدۂ جانفزا سُناتے ہوئے فرمایا :- اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ٥ پھر ان انعامات کے ذریعے آپ کی تعریف و توصیف فرمائی۔ اپنے انعامات کی وُسعت اور مقامِ محبوب کی عظمت کا مکمل اظہار کرنے کی غرض سے اِسے دو حرفوں سے مؤکد کرکے فرمایا :- اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ٥

بعض حضرات نے اِس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آپ کا اخلاق قرآن کریم ہے، جبکہ بعض نے اِس کی تفسیر فطرتِ سلیمہ سے کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی منزلِ مقصود اللہ رب العزت کی ذات ہے —— امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس طرح انعاماتِ الٰہیہ کی قدر کی، اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی توصیف کی اور اس عظیم الشان شکر گزاری کے سبب آپ کو دوسروں پر فضیلت دی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ خُلقِ عظیم کو آپ کی سرشت بنا دیا گیا تھا۔

پاکی ہے اُس محسنِ حقیقی کے لئے جو خود ہی لطف و کرم فرماتا، احسان اکرام سے نوازتا، نیکی کو اپنے بندے کے لئے آسان کرکے اُس کی جانب راغب کرتا ہے اور پھر نیکی کو اختیار کر لینے پر اپنے بندے کو بہتر جزا عطا فرماتا اور تعریف کرتا ہے۔ پاک اور قابلِ حمد و ستائش ہے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں کو اتنا عام اور اپنے فضل و کرم کو اس درجہ وسیع کر دیا ہے۔ اس کے بعد اپنا وعدہ پورا کر دکھانے کی تسلی دی جو انجام کار آپ کی کامیابی اور کفار کے عذاب کے بارے میں تھا، چنانچہ فرمایا :- فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ٥

اِن تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے توصیفِ مصطفےٰ بیان کر کے ساتھ ہی دشمنِ مصطفےٰ کی مذمت فرمائی اور اُس کی بد خُلقی کا ذکر فرمایا ہے۔ بارگاہِ رسالت کے گُستاخ کے عیوب بیان کر کے پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کی تعریف کی اور آپ کے فضل و کمال کا اظہار فرمایا۔ اِس مقام پر دس سے زیادہ بُری عادتوں کے ساتھ اُس گستاخ (ولید بن مغیرہ) کی مذمت کی گئی ہے۔ اس (مذمت والے) بیان کی ابتدا فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ سے ہوتی ہے اور انتہا، اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر۔ پھر اس سلسلے کو اس کی بدبختی اور بُرے خاتمے کی سچّی وعید پر ختم کرتے ہُوئے فرمایا:

۱۔ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ۔

اللہ جلّ مجدہٗ کا آپ کی مدد کرنا سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خود اپنی مدد سے زیادہ اہم و اتم ہے اور اللہ ربّ العزت نے جو گستاخِ رسول کا رد فرمایا، یہ اُس ردّ و تردید سے زیادہ بلیغ و اہم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود کرتے کیونکہ اس سے آپ کی کتابِ فضل و کمال میں ایک نرالے باب کا اضافہ ہُوا ہے (کہ بندے کا دفاع مالک نے خود فرمایا)۔

فصل - ۴ - اپنے حبیب پر شفقت و اکرام کا اظہار کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

طٰهٰ ۝ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝ [۱]	اے محبوب! ہم نے یہ قرآن اس لیے تم پر نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

اِس (طٰهٰ) کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء سے ایک اسم ہے۔۔۔۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ہے۔۔۔۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یَا رَجُلُ ہے۔۔۔۔ چوتھا

---

[۱] پارہ ۱۶، سورۂ طٰهٰ، آیت ۲۔

قول یہ ہے کہ اس سے یا اِنسان مُراد ہے ـــــ پانچواں قول یہ ہے کہ یہ حروفِ مُقطّعات سے ہے، جن کے معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا رسُول (جلّ جلالہٗ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اِس سے یا طَاھِرُ یا ھَادِیُ مراد ہے (یہ چھٹا قول ہُوا ـــــ ساتواں قول یہ ہے کہ وَطئی سے امر کا صیغہ ہے اور ھَا کنایہ ہے زمین سے، تو مطلب یہ ہُوا کہ زمین پر دونوں قدم رکھ کر (قیامِ لیل میں) کھڑے ہُوا کرو اور ایک قدم پر کھڑے رہ کر اپنی جان کو مشقّت میں نہ ڈالو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○

اِن آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب بیداری اور قیام لیل میں بڑی محنت ومشقت سے کام لے رہے تھے، اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں ـــــ قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے قاضی ابو الولید الباجی علیہ الرحمۃ سے اجازت لی اور اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ ہم سے حدیث بیان کی حافظ ابو ذر نے، اُن سے ابو محمد حموی نے، اُن سے ابراہیم بن خریم شاشی نے، اُن سے عبد بن حمید نے، اُن سے ہاشم بن قاسم نے، اُنھوں نے جعفر بن ربیع سے سُنی اور اُنھوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قیام فرمایا کرتے تو ایک پیر پر کھڑے رہتے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی کہ اے حبیب! اپنے دونوں قدموں سے زمین کو مشرّف فرمایا کرو۔ ہم نے تم پر اس لئے قرآن کریم نازل نہیں کیا ہے کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس اکرام اور حسنِ معاملہ کا اظہار فرمایا ہے وہ ظاہر و باہر ہے، قطعاً پوشیدہ نہیں۔ اگر ہم لفظ طٰہٰ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی سے شمار کریں جیسا کہ مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے یا اس کو قسم شمار کریں تو پھر بھی یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کی بات ہوئی۔ —— ایسی ہی شفقت کا مظاہرہ قرآنِ کریم کی اس آیۂ مبارکہ میں ہے :۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ [1]

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے، اُن کے پیچھے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں، غم سے۔

ایسا ہی یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ [2]

کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اُن کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔

اور اُن تکذیب کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۝ [3]

اگر ہم چاہیں تو آسمان سے اُن پر کوئی نشانی اتاریں کہ اُن کے اونچے اونچے اُس کے حضور جھکے رہ جائیں۔

اور اسی تسلی و دلجوئی کے باب سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے :۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ

تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ الکہف، آیت ۶ ۔ [2] پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۳

[3] پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۴ ۔

اَلْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اِنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۝ [1]

ہے اور مشرکوں سے مُنہ پھیر لو بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں، تو اب جان جائیں گے اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ اُن کی باتوں سے تم دِل تنگ ہوتے ہو، تو اپنے رب کو سراہتے ہُوئے اُس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔

اور اسی طرح یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ [2]

اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا، تو وہ جو اُن سے ہنستے تھے اُن کی ہنسی انھیں کو لے بیٹھی۔

امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس طرح تسلی دے کر اور دلجوئی کر کے اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ جو مشرکین کی ایذاء اور تمسخر کے باعث فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر پڑتا رہتا تھا۔ اور ساتھ ہی آپ پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اگر یہ لوگ بغض عناد کے باعث اِسی ڈگر پر چلتے رہے تو ان پر بھی اُسی طرح عذاب آسکتا ہے۔ جس طرح پہلی اُمتوں پر عذاب نازل ہُوا —— اور اسی تسلّی کے قبیل سے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

[1] پارہ ۱۴، سورۃ الحجر، آیت ۹۴ تا ۹۹۔ [2] پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۱۰

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ[1]
اور اگر یہ تمھیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے۔

اور اس آیۂ کریمہ میں بھی ایسی ہی دلجوئی فرمائی گئی ہے:۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ[2]
یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُمم سالقہ کے تلخ جوابات اور ناز یبا گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے اپنے انبیائے کرام کو بھی اسی طرح تنگ کیا جاتا تھا۔ لہٰذا کفّارِ مکہ کا یہ سلوک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پھر آپ کے دل کو خوش کرنے کی غرض سے آپ کی جانب سے عذر بیان کرتے ہوئے فرمادیا کہ:۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۟[3]
تو اے محبوب تم اُن سے مُنہ پھیر لو، تم پر کچھ الزام نہیں۔

یعنی تم اِن کافروں کی جانب سے اعراض فرمالو اور احکامِ الٰہیہ پہنچانے کی تمھاری جو ذمہ داری ہے جب تم سے اپنے فرض کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی واقع نہیں ہوئی۔ تو تمھیں کوئی ملامت کر ہی نہیں سکتا۔ ___ اور اِسی طرح کی دلجوئی میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ۔[4]
اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت

---

[1] پارہ ۲۲، سورۂ فاطر، آیت ۴ [2] پارہ ۲۷، سورۂ الذاریات، آیت ۵۲
[3] پارہ ۲۷، سورۂ الذاریت، آیت ۵۴۔
[4] پارہ ۲۷، سورۂ الطور، آیت ۴۸۔

میں ہو۔

یعنی اے محبوب! کافروں کی ایذاؤں پر صبر کرو۔ کیونکہ ہماری نگاہِ کرم ہمیشہ تمہاری جانب رہتی ہے۔ اور ہماری حفاظت تمہارے لئے کافی ہے۔

—— اور بھی کتنی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی قسم کی تسلی دی اور دلجوئی فرمائی ہے۔

حضور کے دوسرے انبیا کے مقابلہ میں مناصب ومدارج

فصل۔ ۷ ۔ اس فصل میں اُن آیات کا بیان ہوگا جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت اور مقام ومنصب دیگر انبیائے کرام سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور یاد کرو، جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو

پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۸۱۔

جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی
فاسق ہیں۔

امام ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس فضیلتِ عظمیٰ کے ساتھ نوازا گیا ہے اُس سے کسی دوسرے کو مشرف نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ اس آیۂ کریمہ میں مذکور ہے بعض مفسرین کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے عہد لیا تھا کہ جب بھی وہ کسی نبی کے پاس وحی لے کر جائے تو اس کے سامنے نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرے اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے بعد اس نبی سے یہ عہد لے کہ اگر وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو اُن پر ایمان لانا ہوگا۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے نبی آخر الزمان

ؑ مجدد مائۂ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے اسی میثاقِ انبیاء پر بحث کرتے ہوئے یہ ایمان افروز نکتے بھی بیان کئے ہیں:— "اَقول وباللہ التوفیق۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا ہے اور طرح طرح سے مؤکد فرمایا۔

اولاً۔ انبیاء علیہم السلام معصومین ہیں، زنہار حکمِ الٰہی کا خلاف اُن سے محتمل نہیں۔ کافی تھا کہ رب تبارک و تعالیٰ بطریقِ امر اُنھیں ارشاد فرماتا، اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، مگر اس قدر پر اکتفا نہ فرمایا، بلکہ اُن سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد عہدِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد دوسرا پیمان تھا، جیسے کلمۂ طیبہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ، تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوائے اللہ پر پہلا فرضِ ربوبیتِ الٰہیہ کا اذعان ہے پھر اس کے برابر رسالتِ محمدیہ پر ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بارک و شرف و مجد و عظم۔ ثانیاً۔ اس عہد کو لامِ قسم سے مؤکد فرمایا لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ جس طرح نوابوں سے (باقی اگلے صفحے پر)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کر کے اِس بات کا عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو فضائلِ مصطفےٰ سے آگاہ کرتے اور حبیبِ پروردگار کے خطبے پڑھتے رہیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیعتِ سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ شاید سوگندِ بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے۔ **ثالثاً**۔ نون تاکید۔ **رابعاً**۔ وہ ثقیلہ لاکر ثقلِ تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔ **خامساً**۔ یہ کمالِ اہتمام ملاحظہ کیجیے کہ حضرات انبیاء ابھی جواب نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں ءَ اَقۡرَرۡتُمۡ" کیا تم اِس امر پر اقرار لاتے ہو؟ یعنی کمالِ تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔ **سادساً** اِس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد ہُوا۔ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ۔ خالی اقرار نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔ **سابعاً**۔ عَلَیۡہِ یا عَلٰی ھٰذَا کی جگہ عَلٰی ذٰلِکُمۡ فرمایا کہ بُعدِ اشارت دلیلِ عظمت ہو۔ **ثامناً**۔ اور ترقی ہوئی کہ فَاشۡھَدُوۡا ایکدوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حالانکہ معاذ اللہ اقرار کرکے مُکر جانا اُن پاک مقدّس جنابوں سے معقول نہ تھا۔ **تاسعاً**۔ کمال یہ ہے کہ فقط اُن کی گواہیوں پر اکتفا نہیں ہوئی بلکہ ارشاد فرمایا وَاَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰھِدِیۡنَ۔ میں خود بھی تمھارے ساتھ گواہوں سے ہُوں۔ **عاشراً**۔ سب سے زیادہ نہائت کار یہ ہے کہ اس قدرِ عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی، یہ سخت شدید تہدید بھی فرما دی گئی کہ فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۔ اب جو اس اقرار سے پھرے گا، فاسق ٹھہرے گا۔ اللہ اللہ، یہ وہی اغنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہُوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد فرماتا ہے وَمَنۡ یَّقُلۡ مِنۡھُمۡ اِنِّیۡۤ اِلٰہٌ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَذٰلِکَ نَجۡزِیۡہِ جَھَنَّمَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ۝ (باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ کے مخاطب وہ اہلِ کتاب ہیں جو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں موجود تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک جملہ انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں تو انھیں نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُن کی مدد کرنا ہوگی، نیز اپنی اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لینا ہوگا۔ امام سدیؒ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہما سے بھی اسی کے مثل مروی ہے کہ اس آیت میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کتنے ہی فضائل بیان فرمائے گئے ہیں جن میں سے ایک فضیلت وہ ہے جو اس آیۂ کریمہ نے بیان فرمائی ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو اُن میں سے کہیگا میں اللہ کے سوا معبود ہوں، اُسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔ گویا ارشاد فرماتے ہیں جس طرح ہمیں ایمان کے جزوِ اول لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اہتمام ہے یونہی جزو دوم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہان کا خدا کہ ملائکہ بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا، کہ انبیاء و مرسلین بھی اُس کی بیعت و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔۔۔۔ اس سے بڑھ کر حضور کی سیادتِ عامہ و فضیلتِ تامہ پر کونسی دلیل درکار ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ۔

(تجلی الیقین، مطبوعہ مراد آباد، ص ۸ تا ۱۰)

؎ معلوم نہیں ہمارے معروف معاصر، عالیجناب مودودی صاحب کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِس میثاقِ انبیاء سے متعلقہ فضیلتِ عامہ و سیادتِ تامہ سے کیا چڑ ہے اور اُن کے دِل میں وہ کونسا چھپا ہوا چور ہے جو اُنھیں اس فضیلت

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّإِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ؁	اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسٰی اور عیسٰی بن مریم سے اور ہم نے اُن سے گاڑھا عہد لیا۔

اور دوسرے مقام پر یُوں فرمایا ہے :۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ	بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف

پارہ ۲۱، سورۂ الاحزاب، آیت ۷۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۶۸)۔ کے تسلیم کرنے سے باز رکھتا ہے۔ چُنانچہ انھوں نے ساری اُمت کے برخلاف پہلے تو اس فضیلت کو سارے انبیاء پر تقسیم کیا ہے پھر مزید ترقی کرتے ہوئے، جو شخص بھی، فرما کر اسے غیر انبیاء میں بھی بانٹ دیا۔ گویا وہ فضیلت جو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی دوسری عظیم سے عظیم تر ہستی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔ اُس کا حاصل ہونا مودودی صاحب اپنی جانب سے سارے انبیاء کیلئے مان رہے ہیں۔ بلکہ غیر انبیاء تک کے لئے اس کا حصول تسلیم کر رہے ہیں لیکن اسے اُس نبی کی تخصیص ماننے پر وہ تیار نہیں جس نبی کا وہ کلمہ پڑھتے اور جس نبی کے وہ اُمتی کہلاتے ہیں۔ موصوف کا تفسیری نوٹ ملاحظہ ہو:۔ —— "مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اس امر کا عہد لیا جاتا رہا ہے —— اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو وہ لامحالہ اُس کے پیروؤں پر بھی آپ سے آپ عائد ہو جاتا ہے کہ جو نبی ہماری طرف سے اُس دین کی تبلیغ و اقامت کیلئے بھیجا جائے جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو اسکا تمھیں ساتھ دینا ہوگا۔ اُس کے ساتھ تعصّب نہ برتنا، اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مخالفت نہ کرنا۔ بلکہ جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ
اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ
وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ
وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ
ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا
دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿ۚ﴾ وَ رُسُلًا قَدۡ
قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ وَ رُسُلًا
لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ
کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ﴿ۚ﴾
رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ
لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی
اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ
کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿﴾
لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡہَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ
اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ
یَشۡہَدُوۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ
شَہِیۡدًا ﴿ؕ﴾ ؎

وحی بھیجی، جیسے وحی نوح اور اس کے بعد پیغمبروں کو بھیجی۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور اُن رسولوں کا جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔ رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عُذر نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ لیکن اے محبوب! اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی۔

؎ پارہ ۶، سورۃ النساء۔ آیت۔ ۱۶۳

(بقیہ حاشیہ صہ ۹۶) حق کا پرچم بلند کرنے کے لئے اٹھایا جائے۔ اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا۔"

(تفہیم القرآن، جلد اوّل، طبع یازدہم، ص ۲۶۹)۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کسی بات پر گریہ فرما رہے تھے تو میں عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، گریہ فرمانے کی کیا وجہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا منصب رفیع یہ ہے کہ اُس نے اگرچہ آپ کو جملہ انبیائے کرام کے بعد مبعوث فرمایا لیکن آپ کے ذکر کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ .... اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت اس درجے کی ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی یوں پکار اٹھیں گے یَالَیْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ٥ (کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ میں پیدائش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بلحاظ بعثت سب میں آخری ہوں۔ —— یہی وجہ ہے کہ اس آیت (یعنی سورہ احزاب آیت ۷) میں آپ کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے واقع ہوا ہے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ہمارے آقا و مولیٰ کی دیگر انبیائے کرام پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو آخری نبی ہونے کے باوجود آپ کا ذکر سب سے پہلے فرمایا ہے —— یہ عہد (میثاقِ انبیاء) اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیائے کرام کو آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کے مانند نکال کر لیا تھا۔ افضلیتِ مصطفےٰ کے بارے میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ — یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے

اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعۡضَہُمۡ دَرَجٰتٍ ط[1] اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وَرَفَعنا بَعۡضَہُمۡ دَرَجٰتٍ میں لفظ بعض سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے، کیونکہ سارے گروہِ انبیاء میں وہ آپ ہی کی ہستی ہے جسے پوری بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث فرمایا گیا اور غنیمت آپ ہی کے لئے حلال ٹھہرائی گئی اور آپ سے معجزات کثیرہ کا ظہور و وقوع ہوا نیز کوئی فضیلت اور کرامت ایسی نہیں جو کسی نبی کو حاصل ہو مگر وہ آپ کو بھی مرحمت فرمائی گئی ـــــ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں آپ کی ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ دیگر انبیائے کرام کے اسمائے گرامی لئے گئے ہیں لیکن اپنے حبیب کو اللہ تعالیٰ نے نبوّت و رسالت کے ذریعے مخاطب فرمایا ہے اور اپنی سچی کتاب میں کہیں یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ ـــــ یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ وغیرہ القاب کے ساتھ مخاطب کیا ہے ـــــ توصیفِ مصطفیٰ میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ لَاِبۡرٰہِیۡمَ[2] اور بیشک اُسی کے گروہ سے ابراہیم ہے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر میں امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے کہ اس آیت میں ضمیر (ہ) سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب راجع ہے اور اس صورت میں تقدیری عبادت یوں ہو گی وَاِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ مُحَمَّدٍ لَاِبۡرٰہِیۡمَ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] پارہ ۳ سورۂ البقرہ، آیت ۲۵۳۔

[2] پارہ ۲۳ سورۂ الصّٰفّٰت، آیت ۸۳۔

تعالیٰ علیہ وسلم کے دین پر تھے فراء نے اس امر کو جائز رکھا ہے اور اُن سے امام مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکایت کی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی جانب راجع ہے۔

فصل ۔ ۸ ۔

حضور دافع بلا اور باران رحمت ہیں

چنانچہ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ [1]

اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے، جب تک اے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما گئے اور وہاں بعض مسلمان پیچھے رہ گئے تو اللہ رب العزت نے اُن کی تسلی کے لیئے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ [2]

اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

یہ آیۂ کریمہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی مثل ہے:۔

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ [3]

اگر وہ جدا ہو جاتے تو ضرور ہم ان میں کے کافروں کو دردناک عذاب دیتے

---

[1] پارہ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۳۳ [2] پارہ ۹ سورۂ الانفال، آیت ۳۳

[3] پارہ ۲۶۔ سورۂ الفتح، آیت ۲۵۔

اور یہ فرمانِ خداوندی بھی اسی قبیل سے ہے :۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ[1]

اور اگر یہ نہ ہوتا کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کی تمھیں خبر نہیں کہیں تم انھیں روند ڈالو تو تمھیں ان کی طرف سے انجانی میں کوئی مکروہ پہنچے

جب سارے مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[2]

اور انھیں کیا ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ کرے وہ تو مسجدِ حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں۔ اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔

یہ آیت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم عظمت و برکت کو ظاہر کر رہی ہے اور اس سے یہ امر صاف واضح ہو رہا ہے کہ اللہ جل جلالہٗ نے آپ کے وجودِ مسعود کو کفار کیلئے دافعِ عذاب بنایا تھا اور جب آپ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما گئے تو باری تعالیٰ نے غلامانِ مصطفےٰ کی برکت سے کافروں پہ عذاب نہ بھیجا لیکن جب صحابۂ کرام کا بھی مکہ مکرمہ میں وجود نہ رہا اور وہ سارے ہجرت فرما گئے، تو اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ پہ عذاب نازل فرمایا اور مسلمانوں کو اُن پہ مسلط کر دیا نیز تلوار کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے والی مقرر کر کے مسلمانوں کو ان کی زمینوں، گھروں اور مال و متاع کا وارث بنا دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے قاضی شہید

---

[1] پارہ ۲۶، سورہ الفتح آیت ۲۵ ۔ [2] پارہ ۹، سورہ انفال، آیت ۳۴

ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالفضل بن خیرون اور ابوالحسین صیرفی نے، ان دونوں سے ابویعلیٰ بن حمزہ نے، اُن سے ابوعلی سجی نے، اُن سے محمد بن محبوب مروزی نے، اُن سے حافظ ابوعیسیٰ نے، اُن سے سفیان بن وکیع نے، اُن سے ابن نمیر نے، انھوں نے اسمٰعیل بن ابراہیم بن مہاجر سے سنا۔ انھوں نے عباد بن یوسف سے، انھوں نے ابی بردہ ابن ابی موسیٰ سے، انھوں نے اپنے باپ سے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لئے مجھ پر دو آیتیں امان والی نازل فرمائی ہیں۔ (۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ جب میں اُمت سے پوشیدہ ہو جاؤں گا تو اُن کے لئے استغفار چھوڑ جاؤں گا۔ اور ایسا ہی مژدۂ جانفزا اس آیۂ کریمہ نے سنایا ہے :۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ [۱] — اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سب جہانوں کے لئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں۔ بعض کا قول ہے کہ اختلاف اور فتنوں سے ــــــ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امانِ اعظم ہیں۔ وصال کے بعد آپ کے نقوشِ قدم یعنی سنتِ رسول اصلاحِ عالم کی ضامن ہے۔ اور آپ کے اسوۂ حسنہ اور سنتوں سے روگردانی کرنا فتنوں کو دعوت دینا ہے۔ ــــــ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتوں کا اظہار کرنے والی یہ آیۂ کریمہ بھی ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ — بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود

---

[۱] پارہ ۱۷ سورۂ الانبیاء۔ آیت ۱۰۷

عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ ؁

بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صلوٰۃ اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے ساتھ اپنے حبیب کی فضیلتِ خاصّہ کا اظہار فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بندوں کو آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے۔ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے حکایۃً بیان کیا ہے کہ فرمانِ رسالت: جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور اُمّتِ محمدیہ کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ قیامت تک فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں درود وسلام کے گلدستے سجا کر پیش کرتے رہا کریں۔ فرشتوں کی اور ہماری صلوٰۃ ایک قسم کی دعا ہے اور اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا اپنے حبیب پر خاص بارانِ رحمت کا نزول فرمانا ہے۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ لفظ یُصَلُّوْنَ سے یُبَارِکُوْنَ مراد ہے (یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درود شریف سکھاتے وقت لفظ صلوٰۃ اور برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے اور درود وسلام بھیجنے کے حکم کو ہم آگے بیان کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعض متکلمین حضرات نے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اس میں حرف کاف کفایت سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ؁ (کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے)۔ ھَا

؁ پارہ ۲۲، سورۂ الاحزاب آیت ۵۶۔ ؁ پارہ ۲۴، سورہ الزمر آیت ۳۶

سے اس کی ہدایت مُراد ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا [۱] ہ (اور تمھیں سیدھی راہ دکھا دے)، اور ی' تاکید کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ [۲] (اور تمھیں زور دیا اپنی مدد کا)۔ اور ع' عصمت کی ہے جس کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے :۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ [۳] ہ (اور اللہ تمھاری نگہبانی کریگا لوگوں سے)، اور صاد سے اُس کی صلوٰۃ مراد ہے، جس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط توصیفِ مصطفٰے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ہ [۴]

اور اگر ان پہ زور باندھو تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

لفظ مولیٰ سے ولی مراد ہے اور صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ سے بعض نے انبیائے کرام مراد لیے ہیں۔ بعض کے نزدیک فرشتے مراد ہیں — بعض کا قول ہے کہ اس سے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد ہیں — بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں — بعض کہتے ہیں کہ اس سے مطلق اہلِ ایمان مراد ہیں۔ جیسا کہ عمومیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

---

[۱] پارہ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۲۔

[۲]۔ پارہ ۱۰۔ سورۂ الانفال، آیت ۶۲۔

[۳] پارہ ۶۔ سورۂ المائدہ، آیت ۶۷ - [۴] پارہ ۲۸، سورۃ التحریم، آیت ۴

فصل - ۹ سورۂ فتح میں مقامِ مصطفیٰ

اللہ جل مجدہٗ نے عظمتِ مصطفیٰ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝
لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ
وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝
وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝
هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا
اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ
جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝
لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝
وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن
فتح فرمادی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے
سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں
کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی
نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی
راہ دکھادے اور اللہ تمہاری زبردست
مدد فرمائے۔ وہی ہے جس نے ایمان
والوں کے دلوں میں اطمینان اُتارا
تاکہ اُنھیں یقین پر یقین بڑھے اور اللہ
ہی کی ملک ہیں تمام لشکر آسمانوں اور
زمین کے اور اللہ علم و حکمت والا ہے
تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی
عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن
کے نیچے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ
اُن میں رہیں اور اُن کی برائیاں اُن
سے اُتاردے۔ یہ اللہ کے یہاں بڑی
کامیابی ہے۔ اور عذاب دے۔
منافق مردوں اور منافق عورتوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ج وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔[۱]

اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو اللہ پر گمان رکھتے ہیں، انھیں پر ہے بڑی گردش۔ اور اللہ نے اُن پر غضب فرمایا اور انھیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا۔ اور وہ کیا ہی بُرا انجام ہے اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمان اور زمین کے سب لشکر۔ اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔ وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اِن آیات نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ تعریف و توصیف کی ہے اور آپ کا وہ مرتبہ ظاہر کیا ہے جس کی حقیقت کو بیان کرنے سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں توصیفِ مصطفےٰ کی ابتدا اِس سے فرمائی جو قسامِ ازل نے نوازشیں صرف ان کے لئے رکھ چھوڑی تھیں یعنی ظہور

---

[۱] پارہ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت ۱ تا ۱۰

دشمنوں پر غلبہ، کلمہ و شریعت کی سربلندی اور ایسا مغفور جس سے اگلے پچھلے کسی کام کی باز پرس نہیں ہو گی ——— بعض حضرات کا قول ہے کہ مغفرت سے مراد یہ ہے کہ جو کیا اور جو کیا بھی نہیں وہ سب معاف ہیں ——— امام مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ احسان فرمانے کی غرض سے ہے جس کیلئے مغفرت کو سبب بنایا گیا ہے اور دوسروں کے برعکس اُس کی جانب سے جو کچھ عطا فرمایا جائے وہ احسان ہی احسان ہے، کرم بالائے کرم ہے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ، نے وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس اکرام کا اظہار فرمایا ہے کہ جن مشرکین مکہ کی گردنیں اکڑتی ہی جارہی تھیں اُنھیں اپنے محبوب کے قدموں میں جھکا دیا ——— بعض علمائے کرام کا قول ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ اور طائف کی فتح مراد ہے ——— بعض کے نزدیک اس نعمت سے دنیا میں آپ، کے ذکر کو بلند کرنا اور نصرت و مغفرت سے نوازنا ہے۔

پھر اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن و خصائص بیان فرمائے ہیں اور تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے ذریعے حکم دیا ہے کہ حبیبِ پروردگار کی غایت درجہ تعظیم و توقیر کرو۔

بعض مفسرین اِسے تُعَزِّزُوْهُ (دونوں زا) پڑھتے ہیں یعنی ان کی سب سے زیادہ عزت کرو اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ واقعی یہ مقام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ تُسَبِّحُوْهُ میں ضمیر اللہ رب العزت کی جانب راجع ہے۔

حضرت ابنِ عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اُن بہت سی

نعمتوں کا ذکر ہے جن سے پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کو نوازا ہے۔ یعنی فتح مبین کا مژدہ سُنایا جو اجابتِ دعا کی نشانی ہے ـــــ مغفرت کی بشارت دی ہے جو علامتِ محبت ہے ـــــ اتمامِ نعمت کی خوشخبری سنائی، جس سے خاص الخاص منصب کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ ہدایت کا علمبردار بنایا جو دوستی کی نشانی ہے ـــــ وعدہ مغفرت میں گناہوں سے پاکیزگی اور مرتبے کی بلندی ہے ـــــ اتمامِ نعمت میں درجۂ علیہ تک پہنچانا اور ہدایت کے ذریعے مشاہدۂ جمال کی جانب بلایا جانا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وعدۂ الٰہی اتمامِ نعمت کے بارے میں فرمایا ہے:۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی اور آپ کی شریعتِ مطہرہ سے دیگر شرائع کو منسوخ کر کے ... آپ کو بلند ترین مقام تک پہنچایا۔ اور معراج میں آپ کی کمال حفاظت فرمائی، یہاں تک کہ آپ نے کسی طرف آنکھ بھی نہ پھیری اور نہ آپ کی نظر حد سے بڑھی۔ آپ کو ہر سُرخ وسفید یعنی جملہ بنی آدم کا نبی بنایا۔ آپ کے لئے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا۔ آپ کو گنہگاروں کی شفاعت کرنے والا اور شفاعت کا ماذون و مختار بنایا اور آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا آپ کو سردار بنایا اور آپ کے ذکر کو اپنے ذکر سے اور آپ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملایا اور آپ کو عقیدۂ توحید کا ایک رکن قرار دیا ہے۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ فرمایا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والے قرار دیتے ہوئے آپ کے

فرمایا ہے کہ :- یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہونے سے بعض کے نزدیک طاقتِ الٰہیہ، بعض کے نزدیک ثواب بعض کے نزدیک احسان اور بعض کے نزدیک عہد مراد ہے —— یہ استعارہ اور تجنیسِ کلام کے طور پر ہے۔ اِس سے عقدِ بیعت کو مؤکد کرنا اور بیعت لینے والے کے منصب کی رفعت کا اظہار مقصود ہے —— اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے یُوں بھی ارشاد فرمایا ہے :-

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ص وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰہَ رَمٰى ۔[1]

تم نے اُنھیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اُنھیں قتل کیا اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، وہ تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اگرچہ بادی النظر میں یہ کلام مجازی معلوم ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے کہ فی الحقیقت اللہ رب العزت ہی قاتل و رامی ہے۔ کیونکہ افعالِ عباد کا خالق وہی تو ہے۔ کنکریاں اور مٹی پھینکنا بھی تو اسی کی قدرت و مشیئت کے تحت ہوا ورنہ کسی انسان میں ذاتی طور پر یہ قدرت کہاں ہے کہ وہ مٹی کو اتنی دُور پہنچا دے، یہاں تک کہ مقابلے پر آنے والا ایک کافر بھی ایسا نہ بچے جس کی آنکھیں غبار آلود نہ ہوئی ہوں۔

فصل - ۱۰

کمالاتِ مصطفوی علیہ التحیۃ والسلام

---

[1] پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۱۷

ان میں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت اور فضیلت وکرامت واقعۂ معراج واسرا ہے جس کا سورۂ اسرا (بنی اسرائیل) اور سورۂ النجم میں ذکر ہے ——— اور آپ کے فضائل وکمالات میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ ومامون رکھا تھا ——— چنانچہ اس امر کا ذمہ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشارت دی تھی:-

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[1]

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اسی سلسلے میں یہ آیۂ کریمہ بھی ہے:-

اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝[2]

اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمھیں بند کرلیں یا شہید کردیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔

محبوب پروردگار کی حفاظت کے بارے میں یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے، جب

[1] پارہ ۶، سورۂ المائدہ آیت ۶۷ [2] پارہ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۳۰۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ [۱]

وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اپنے یار سے فرماتے تھے، غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اُس پر سکینہ اتارا اور اُن فوجوں سے اُن کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی۔ اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

یہاں اس واقعے کو بیان فرمایا ہے اور مشرکین مکہ کی اُس اذیت کو دُور کرنے کا ذکر ہے۔ جب وہ اپنے دار الندوہ کے پروگرام کے مطابق محبوبِ پروردگار کے قصرِ رسالت کا محاصرہ کر لیتے ہیں تاکہ اپنی ناپاک پھونکوں سے ہمیشہ کیلئے چراغِ مصطفوی کو بجھا دیں۔ چنانچہ جب وہ جانِ جاناں درِ دولت سے تشریف لے جاتے ہیں اور جب غارِ ثور میں آرام فرما ہوتے ہیں تو حفاظتِ الٰہیہ کا یہ محیّر العقول منظر سامنے آتا ہے کہ دونوں مواقع پر دُشمن آپ کو دیکھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں ـــــ نیز آپ پر سکینت اور طمانیت نازل فرمائی گئی۔ ـــــ نیز سراقہ بن مالک کا واقعہ جس کو محدّثین اور اصحابِ سیر نے غارِ ثور اور ہجرت کے واقعات میں بیان کیا ہے ـــــ یہ سارے واقعات وعدۂ الٰہی کے مطابق حفاظت کے منہ بولتے اور ایمان افروز واقعات ہیں ـــــ ـــــ فضائل و کمالاتِ مصطفےٰ کی تشہیر اور آپ کے منصبِ عالی کو بیان کرنے والی یہ سورت بھی ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ اے محبوب! بیشک ہم نے تمھیں

---

[۱] پارہ ۱۰، سورۂ التوبہ آیت ۴۰۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ [1]

بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا ہے کہ انھیں کیا کچھ مرحمت فرما دیا گیا ہے۔ کوثر تو جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال ہیں۔ اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن مصطفےٰ کی نازیبا گفتگو کا جواب دیا۔ اور اپنے حبیب کو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ دشمن مصطفےٰ اور شانِ رسالت کا گستاخ ہی نسل بریدہ اور ہر خیر سے محروم ہے۔ اللہ جلّ مجدہٗ نے توصیفِ مصطفےٰ میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ [2]

اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دُہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

کہا گیا ہے کہ سبعِ مثانی سے قرآن کریم کی وہ اولین سات سورتیں مراد ہیں جو طوال مفصّل کہلاتی ہیں۔ اور اَلْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ سے سورۃ الفاتحہ مراد ہے ـــــ دوسرا قول یہ ہے کہ سبع المثانی سے سورہ فاتحہ اور قرآن العظیم سے پورا قرآنِ مجید مراد ہے ـــــ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ آیات جو اوامر و نواہی بشارات و انذارات اور ضرب الامثال و انعاماتِ الٰہیہ کے بیان پر مشتمل ہیں انھیں سبع المثانی کہا گیا ہے اور یہ کہ ہم نے اس عظیم کتاب کے ذریعے تمہیں

[1] پارہ ۳۰، سورۂ الکوثر۔ [2] پارہ ۱۴، سورۂ الحجر آیت ۸۷

اتنے علوم مرحمت فرما دیئے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اس وجہ سے سبع مثانی کہا جاتا ہے کہ یہ بار بار ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہے ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے سبع مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرما کر ذخیرہ کر دی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے انبیائے کرام اس سے محروم رہے ——— قرآنِ کریم کو سبع مثانی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں انبیائے سابقین کے واقعات کو بار بار دُہرایا گیا ہے ——— سبع مثانی کے معانی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے حبیب! ہم نے تمھیں سات بزرگیوں سے مشرف فرمایا ہے جو یہ ہیں:۔ ہدایت[۱]، نبوت[۲]، رحمت[۳]، شفاعت[۴]، ولایت[۵]، تعظیم[۶] اور سکینت[۷]۔

توصیفِ مصطفےٰ میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ [۱]	اور اے محبوب! ہم نے تمھاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو اُن کی طرف اُترا

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝ [۲]	اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

نیز اللہ جل مجدہٗ نے اپنی کتاب قرآنِ عزیز میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ	تم فرماؤ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف

---

[۱] پارہ ۱۴ سورۂ النحل آیت ۴۴۔ [۲] پارہ ۲۲ سورۂ سبا آیت ۲۸

اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ [1]

اس کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کو ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جلائے اور مارے۔ تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول، بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اُس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کی غلامی کرو کہ تم راہِ ہدایت پاؤ۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص سے ہے ـــــ اسی سلسلے میں یہ ارشادِ الٰہی بھی ہے:۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ۔ [2]

اور ہم نے ہر رسول اُس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔ کہ وہ انھیں صاف بتائے۔

اِس آیت نے بتایا کہ جملہ انبیائے کرام اپنی اپنی قوم سے متعلق رہے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم نے وضاحت فرمائی ہے کہ آپ کو ساری مخلوق کی جانب مبعوث فرمایا، جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہ اعلان فرمایا تھا کہ میں ہر سُرخ و سیاہ (ساری مخلوق) کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہوں ـــــ توصیفِ مصطفٰے میں اللہ جل مجدہٗ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ

یہ نبی مسلمانوں کا اُن کی جان سے

---

[1] پارہ ۹، سورۂ الاعراف، آیت ۱۵۸ [2] پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۴

مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ ۔ [1] — زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں اُن کی مائیں ہیں ۔

لفظ اَوْلیٰ کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مسلمانوں میں اُسی طرح نافذ العمل ہے جیسے ایک آقا کا حکم غلام پر جاری ہوتا ہے ـــــ بعض مفسرین حضرات نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنا اپنی مرضی پر عمل کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے ۔ نیز فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو حرمت میں ماؤں کی طرح قرار دیا گیا ہے یعنی آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد کسی کا اُن سے نکاح کرنا ناموسِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منافی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ وہ آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویاں ہوں گی ۔ اور یہ امر بھی آپ کی خصوصیات سے ہے ـــــ اپنے حبیب کی تعریف میں اللہ جل مجدہٗ نے یہ بھی فرمایا ہے :-

وَ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔ [2] — اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اُتار دی اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے ۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فضلِ عظیم سے مراد منصبِ نبوت ہے ـــــ بعض حضرات کا قول ہے کہ قسامِ ازل نے جو انعامات صرف آپ کیلئے ودیعت فرمائے، یہاں وہ مراد ہیں ـــــ امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے اپنی رویت کی جانب اشارہ فرمایا ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی برداشت نہ کر سکے تھے ۔

---

[1] پارہ ۲۱، سورۂ الاحزاب آیت ۶ ۔ [2] پارہ ۵ ، سورۂ النساء آیت ۱۱۳

باب دوم

احادیث کی روشنی میں مقامِ مصطفٰے

حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مُحبّت کا دم بھرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے، جو اپنے آقا کی اجمالی قدر و منزلت کی تفصیل کے خواہاں ہیں کہ جلال و کمال کے خصائل آدمی میں دو قسم کے ہوتے ہیں — (۱) ضروری دنیاوی :— جن کا انسانی جبلّت اُور دنیاوی حیات تقاضا کرتی ہے (۲) اکتسابی دینی :- جن کے باعث فاعل کی تعریف کی جاتی ہے اُور اُسے قربِ خُداوندی حاصل ہوتا ہے —— اِن میں سے ہر خصلت کی دو قسمیں مزید ہیں ۔ ایک وہ کہ دونوں قسم کے اوصاف میں سے ایک کے ساتھ خاص ہو اور دُوسری قسم وہ جو دونوں میں مشترک ہو۔

ضروری محض تو دُہی ہے جس میں انسان کے کسب و اختیار کا کوئی دخل نہ ہو۔ بلکہ جبلّی اور خلقی ہوں ۔ جیسے کمالِ خلقت، جمالِ صورت، قوّتِ حواس، قوّتِ اعضاء، اعتدالِ حرکات، شرفِ نسب، عزّتِ قوم اور کرم و خُلق۔ اُور وہ ضرورتیں بھی اسی سے ملحق ہیں جن کی جانب دُنیاوی حیات داعی ہے۔ جیسے کھانا، پینا، سونا، گھر، نکاح اور مال و جاہ وغیرہ اور کبھی یہ خصائل و ضروریات مؤخر الذکر قسم متعلقہ اُخروی سے بھی ملحق ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اِن سے تقویٰ اور سلوکِ طریقِ آخرت کے لیئے بدن کی اعانت کرنا

مقصود ہو اور یہ بقدر ضرورت اور احکام شرعیہ کے مطابق ہوں۔

وہ اکتسابی خصائل جو آخرت میں کام آتے ہیں، اُن کا تعلق اخلاق جمیلہ اور آداب شرعیہ سے ہے، جیسے: علم، حلم، صبر، شکر، عدل، زہد، تواضع عفو، عفت، جود و کرم، شجاعت، مروت، کم گوئی، محبت، وقار، مہربانی، حسنِ ادب اور حسنِ معاشرت وغیرہ۔ لیکن حسنِ خلق ان جملہ خوبیوں کا جامع ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ خوبیاں بعض لوگوں کی فطرت وجبلت میں موجود ہوتی ہیں۔ جبکہ بعض کی فطرت میں ان کا وجود نہیں ہوتا لیکن وہ ان کا اکتساب کر لیتے ہیں، مگر یہ ضروری ہے کہ اس کی فطرت وجبلت میں اس کا شعبہ ہو، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ ـــــ اگر ان خوبیوں سے رضائے الٰہی اور ذخیرۂ آخرت مقصود نہ ہو تو یہ بھی دنیاوی ہو کر رہ جاتی ہیں لیکن یہ خصائل بالاتفاق ہر عقل سلیم رکھنے والے کے نزدیک اچھی عادتوں سے ہیں اگرچہ بعض اسباب یا موجبات کے باعث ان کے حسن اور فضیلت کے درمیان اختلاف یا فرق واقع ہو جائے۔

فصل۔ ا۔ ایک ایمان افروز نکتہ

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ خصائل جلال و جمال وہی ہیں جن کا اُوپر ذکر ہوا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سالہا سال کی محنت یا ساری عمر میں ان میں سے کسی صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اُسے ایک قسم کی برتری اور فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ خواہ یہ صفت اس کو نسب میں حاصل ہو یا جمال، قوت، علم حلم، شجاعت، سخاوت اور عفو وغیرہ میں سے کسی میں ہو، لیکن اُس کی قدر و

منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لوگ اُس کے نام کو مثال کے طور پر پیش کرنے لگتے ہیں اور اُس کی اُسی خوبی کے سبب دلوں میں اُس کی عزت وعظمت سرایت کر جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی مدتوں اُس کا نام زندہ رہتا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ اس کی ہڈیاں بھی گل چکی ہوں۔

اے صاحب عقل و دانش! بتا اُس ہستی کی قدر و منزلت کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے اخلاق کریمہ اور حیاتِ حسنہ میں پسندیدہ عادتیں اس کثرت سے پائی جائیں کہ اُنھیں شمار کرنے سے عدد عاجز ہو جائیں اور زبانیں گنگ ہو کر رہ جائیں۔ ساتھ ہی وہ خصائل بھی کمال کے اس درجے پر ہوں کہ کسب و حیلہ کے ذریعے اُن کا حصول ناممکن ہو اور وہ سارا معاملہ ہی اللہ جل مجدہٗ کی خاص کرم نوازی سے وابستہ ہو۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے بعض عنوانات یہ ہیں، نبوت، رسالت، خُلت، محبوبیت، اصطفا، اسرا، رویتِ باری تعالیٰ، قرب و دنو، وحی، شفاعتِ عاصیاں، وسیلہ، درجاتِ رفیعہ، مقامِ محمود، براق، معراج، ساری کائنات کی طرف بعثت، انبیاء کے ساتھ امام بن کر نماز پڑھنا، انبیائے کرام اور اُن کی اُمتوں پر شاہد ہونا، بنی آدم کی سرداری، لواء الحمد، بشارت و نذارت، مالکِ عرش و فرش کا قربِ خاص، اطاعت، امانت، ہدایت، ساری کائنات کے لئے رحمت ہونا، عطیۂ رضا، سوال، حوضِ کوثر، کلامِ الٰہی کا سننا، اتمامِ نعمت، اگلوں پچھلوں کی مغفرت کا باعث، شرح صدر، مخلوق کا بوجھ ہلکا کرنے والا، رفعتِ ذکر، تائیدِ ایزدی سے سرفراز، صاحبِ سکینہ، تائیدِ ملائکہ، صاحبِ کتاب و حکمت و سبع مثانی و قرآنِ عظیم، اُمت کا تزکیہ کرنا، مخلوق کو خالق کی طرف بلانا، اللہ اور ملائکہ کا صلوٰۃ بھیجنا، لوگوں کے درمیان حکم

الٰہی سے حاکم و منصف ہونا، اُمتِ محمدیہ سے اگلی امتوں والی سختیوں کو ہٹانے والا، خدا نے اس کے نام (حیات) کی قسم کھائی، اجابتِ دُعا، جمادات کا آپ سے کلام کرنا، حالانکہ وہ زبان سے محروم ہیں، مُردوں کو زندہ کرنا، بہروں کو سُنانا، انگلیوں کے اندر سے پانی کے چشمے بہا دینا، تھوڑے طعام کو زیادہ کر دینا، چاند کو شق کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، قلبِ اعیان، رُعب کے ذریعے مدد کئے گئے، غیوب پر مطلع فرمائے گئے، ابر کا سایہ کرنا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، رنج والم کا دور فرمانا، لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنا وغیرہ ایسے کمالات ہیں جن کا کسی سے احاطہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے سوا کسی میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ کمالاتِ مصطفویہ کا احاطہ کرسکے۔ علاوہ بریں آپ کے وہ فضائل وکمالات بھی ہیں جو خدائے ذوالمنن نے دورِ آخرت میں آپ کے لئے ذخیرہ کر چھوڑے ہیں۔ مثلاً اعلیٰ منزل، مقدس درجات اور سب سے بلند و بالا سرداری کے مراتب۔ یہ وہ نعمتیں ہیں کہ عقل ان کو سمجھنے میں بے عقل ہے اور ان کی حقیقت کی جانب پرواز کرنے سے مرغانِ وہم وگمان کے پر جل جاتے ہیں۔

؎ معلوم نہیں امام الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا عداوت تھی کہ آپ کی عظمت کو مسلمانوں کے قلوب واذہان سے نکالنے پر انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ چنانچہ مسلمانوں کو خصائصِ مصطفےٰ کا منکر بنانے کی خاطر موصوف نے یہ تلقین کی تھی: —— جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو بخشے ہیں وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں"۔ (تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۱۳) یہ خصائصِ مصطفےٰ کا صریح انکار ہے کیونکہ مطلق رسول کا اوّل الخلق، اولادِ آدم کا سردار، پوری کائنات کی جانب مبعوث ہونا، صاحبِ معراج واسراء

فصل ۔ ۲ احادیث میں شمائل رسول

اللہ تعالیٰ تجھے سرفراز فرمائے، اگر تو کہے کہ حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدر و منزلت اور عزت و عظمت کے لحاظ سے دارین میں سب سے ممتاز ہیں جیسا کہ اس کے دلائل اظہر من الشمس ہیں، اور اس امر کا اجمالی بیان خوبصورت انداز میں ہو چکا۔ اور خواہش مند ہے کہ تفصیلی بیانات پر مطلع ہو کر اپنی کشت ایمان کو سرسبز و شاداب بنائے۔ اور گلشن دین کو بہار در کنار کرے، تو اے طالب صادق! اللہ تعالیٰ تیرے اور ہمارے دلوں کو منور فرمائے اور عشق مصطفیٰ کی جتنی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے اس سے بدرجہا زیادہ اور مرحمت فرمائے آمین۔

جاننا چاہیئے کہ حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن عالیہ ایسے ہیں جن میں کسب کو قطعاً دخل نہیں ہے بلکہ وہ آپ کی جبلت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذات مقدسہ میں محاسن و کمالات فطری طور پر اس طرح جمع کر دیئے گئے تھے کہ کوئی کمال اُس کے احاطے سے باہر نہیں رہا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) صاحب لواء الحمد، صاحب مقام محمود، صاحب حوض کوثر، شفیع المذنبین، حبیب پروردگار ہونا ضروری نہیں، نہ دیگر مرسلین عظام کو یہ کمالات مرحمت فرمائے گئے تو صرف رسول کہنے میں یہ خوبیاں کس طرح آجائیں گی؟ ـــــ موصوف نے اپنے دل کی لگی بجھانے کی خاطر یہ تبلیغ بھی کی ہے: یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو وہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو (تقویۃ الایمان، ص ۱۱۵) بشر تو یقیناً ہر وہابی بھی ہے تو سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کیا ہر وہابی سے بھی کم کی جائے؟ (استغفر اللہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

بے شمار احادیث ہیں جو آپ کے حُسن و جمال کا پرچا ہے، اُن کی صحت میں کلام نہیں بلکہ بعض اخبار و آثار تو صحت سے قطعیّت اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہُوئے ہیں آپ کے حُسن و جمال اور تناسب اعضاء کے بیان میں آثارِ صحیحہ کثیرہ مشہورہ وارد ہیں۔ ایسی احادیث حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا رنگ اُجلا تھا۔ آنکھیں سیاہ، گہری اور قدرے سُرخی مائل تھیں۔ رنگ ایسا سفید تھا جو سُرخی کی جانب مائل ہو۔ آنکھوں کے بال لمبے تھے۔ دونوں حاجب جُدا اور لمبائی میں اُن پر باریک بال تھے، ناک مبارک لمبی اور مُنوّر تھی، سامنے والے دانت ایک دوسرے سے جُدا تھے۔ چہرہ مُبارک کسی قدر گول، پیشانی کشادہ، ریش مبارک بھاری جو سینۂ اقدس کو ڈھانپ لیتی تھی۔ سینہ بے کینہ اور شکم مبارک برابر رہتے تھے۔ سدرانو کشادہ اور بڑے جوڑ موٹے تھے۔ بازو، کلائیاں اور پنڈلیاں بھاری۔ ہاتھ پیروں کی انگلیاں موٹی اور لمبی تھیں۔ جسم پر بال بہت کم تھے۔ سینۂ فیض گنجینہ سے ناف مبارک تک بالوں کی ہلکی سی دھاری تھی۔ قد میانہ تھا یعنی نہ بہت لمبے تھے اور نہ پست قد۔ لیکن لمبے قد والا آدمی بھی اگر آپ کے ساتھ چلتا تو دیکھنے والے کو آپ ہی اُونچے محسوس ہوتے تھے۔ بال مبارک شکن دار تھے۔ جب تبسم فرماتے تو بجلی کی روشنی یا بادلوں کی چمک کے مانند دہن مبارک کھلتا۔ جب کلام فرماتے تو سامنے والے اوپر اور نیچے کے دندان مبارک سے نور کی شعاعوں کے چشمے پھوٹ نکلتے تھے۔ گردن حسین ترین تھی، جو زیادہ لمبی اور بہت چھوٹی نہ تھی۔ آپ زیادہ فربہ نہ تھے۔ چہرۂ پُرنور بالکل گول نہ تھا، جسم پھرتیلا اور کم گوشت تھا۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لَو تک بال رکھنے والے کسی شخص کو سُرخ لکیروں والی چادر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا خوبصورت نہیں دیکھا ـــــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے کسی کو تاجدار عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حسین نہیں دیکھا۔ جب کوئی آپ کی جانب دیکھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ سورج کی شعاعیں چہرۂ پُرنور میں تیر رہی ہیں۔ اور تبسم فرماتے تو سامنے کے در و دیوار جگمگانے لگتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ کسی آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور کیا تلوار کی مانند تھا؟ تو میں نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ شمس وقمر جیسا نورانی اور گولائی کی جانب مائل تھا۔

حضرت اُمِّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کے اوصافِ عالیہ کی کیا بات ہے۔ آپ کو خواہ قریب سے دیکھا جاتا یا دور سے ہر حالت میں حسین وجمیل نظر آتے تھے ـــــــ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا ـــــــ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ایک مرتبہ آپ کی مدح و ثنا کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ جو شخص پہلی مرتبہ آپ کو دیکھتا تو اس پر خوف طاری ہوجاتا تھا اور جب وہ ملتا جلتا رہتا تو آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا اور کوئی شخص آپ کی تعریف کئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا اور بے ساختہ یہ پکار اُٹھتا تھا کہ میں نے حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا حسین وجمیل نہ کوئی آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد ہی کوئی ایسا نظر آیا۔ (سبحان اللہ احسن الخالقین)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف میں بہت سی احادیث مشہورہ موجود ہیں۔ جنھیں بیان کر کے ہم کتاب کو طول دینا اور ضخیم کرنا نہیں چاہتے۔ ہم نے اُن میں سے چند احادیث اور بعض نکتے پیش کرنے پر اکتفا کی ہے۔

فصل ۔ ۳ ۔

رہی فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کی نظافت، ریح اور پسینے کی خوشبو اور غلاظت سے پاکیزگی۔ تو اِس سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے خصائص کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جو آپ کے سِوا دُوسروں میں نہیں پائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے نظافت و نزاہت کو آپ میں شرعی نظافت اور دسِّ فطری خصائل کے ساتھ مکمل فرمادیا ہے۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین کی بنیاد نظافت اور پاکیزگی پر ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی سفیان بن عاصی وغیرہ نے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی احمد بن عمر نے، اُن سے ابو العباس رازی نے، اُن سے ابو احمد جلودی نے، اُن سے ابنِ سفیان نے، اُن سے مسلم نے، اُن سے قتیبہ نے، اُن سے جعفر بن سلیمان نے، اُنھوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۹۳ھ) سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ:۔

مَا شَمِمْتُ عَنْبَرًا قَطُّ وَلَا مِسْكًا وَّلَا شَيْئًا أَطْيَبُ مِنْ رِيْحِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (صـ ۵۲)

میں نے عنبر، کستوری اور کسی بھی خوشبودار چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریح مبارک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے رُخسار پہ پھیرا۔ میں نے یُوں محسوس کیا کہ آپ کا دستِ کرم ہے اور اتنا خوشبودار تھا کہ جیسے ابھی ابھی عطّار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا بیان ہے کہ کوئی خوشبو لگائے یا نہ لگائے لیکن رسول اللہؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کر لیتا تو سارا دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو محسوس کرتا تھا۔ اور جب وہ نورِ مجسّم اپنے دستِ شفقت کسی بچے کے سر پہ پھیرتے تو وہ خوشبو کے باعث دوسرے بچوں سے پہچانا جاتا تھا۔ (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔)

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر محوِ استراحت تھے۔ آپ کو پسینہ آیا تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ نے ایک شیشی لے کر اُس میں آپ کے مبارک پسینے کو جمع لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کا کیا کرو گی؟ عرض کی اِسے خوشبو میں ملائیں گے کیونکہ اس کی خوشبو ہر خوشبو سے زیادہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یوں پیش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی راستے سے گزر جاتے تھے تو خوشبو کے باعث دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اس راستے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزرے ہیں ——— حضرت اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوشبو لگانے کے باعث ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر ہی فضاؤں کو معطّر کر جاتا تھا۔

مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۸ھ)

کی یہ روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا۔ (موقع غنیمت جان کر) میں نے مہر نبوت کو بوسہ دیا تو اس میں سے خوشبو آرہی تھی۔

جن علمائے کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلقہ اخبار اور آپ کے شمائل جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ وہ حکایت کرتے ہیں کہ جب فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز نگل لیتی تھی۔ اگر کوئی اس جگہ جا کر دیکھتا تو سوائے عمدہ خوشبو کی مہک کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

محمد بن سعد کاتب واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہیں تو ہمیں زمین پر کسی چیز کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ اے عائشہ! انبیاء کے جسم سے جو چیز (بول و براز) نکلتی ہے اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ زمین اُسے فوراً نگل جاتی ہے۔۔۔۔ نیز یہ خبر اگرچہ مشہور نہیں ہے لیکن ایک جماعت نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بول و براز پاک ہیں۔ اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا قول ہے۔ اور اس قول کو امام ابو نصر بن الصباح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شامل میں بطور حکایت بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں علمائے کرام کے دونوں قسم کے اقوال کو ابو بکر بن سابق مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المسمیٰ بہ بدیع میں نقل کیا ہے جو انھوں نے فروعِ مالکیہ کے مسائل کی تخریج میں لکھی ہے جبکہ مالکیہ کے پاس ایسی

کوئی اور کتاب نہ تھی اور اس میں تفریعات شافعیہ بھی ہیں اور اس میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ:۔

أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ مِنْهُ شَيْءٌ يُكْرَهُ وَلَا غَيْرُ طَيِّبٍ وَمِنْهُ حَدِيثُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ غَسَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ مَا يَكُونُ مِنَ الْمَيِّتِ فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا فَقُلْتُ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَقَالَ وَسَطَتْ مِنْهُ رِيحٌ طَيِّبَةٌ لَمْ نَجِدْ مِثْلَهَا قَطُّ

(ص ۵۳)

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی ناگوار اور ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی تھی۔ اسی سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جب میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دیا تو میں اُس چیز کو دیکھنے لگا (پاخانہ کو) جو میت سے خارج ہوا کرتی ہے۔ پس مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بحالت حیات پاک تھے اور بعد میں بھی پاک ہیں اُنکا ارشاد ہے کہ آپ کے جسم اطہر سے ایسی خوشبو نکل رہی تھی کہ ایسی خوشبو ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

ایسا ہی یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے، جبکہ انھوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو بوسہ دیا تھا۔ اور اسی قبیل سے یہ واقعہ ہے کہ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زخم سے خون چوس لیا تھا اور آپ نے انھیں ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ اور یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے پچھنوں کا خون پیا جس پر آپ نے اُن سے یہی فرمایا کہ وائے ہے تیرے لیئے لوگوں کی جانب سے اور وائے ہے لوگوں کیلئے تیری جانب سے اور انھیں بھی ایسا کرنے سے آپ نے منع نہیں

فرمایا تھا ـــــ اور اسی طرح کا وہ واقعہ ہے کہ کسی عورت نے آپ کا پیشاب پی لیا تھا تو آپ نے اس عورت سے یہی فرمایا تھا:۔ لَنْ تَشْتَکِیَ وَجْعَ بَطْنِكِ اَبَدًا (تیرے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا) اور آپ نے اس عورت کو نہ تو کلی کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا اور یہ حدیث پیشاب پینے سے متعلق از روئے سند صحیح ہے اور امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مسلم اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کا شکوہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی صحیح میں (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں) اسے شامل کیوں نہ کیا۔

مذکورہ عورت کا نام برکہ تھا۔ اس کے نسب میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ وہ اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک لکڑی کا پیالہ (کسی مرتبہ علالت کے دنوں میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا، تاکہ اگر رات کو ضرورت پڑے تو اس میں پیشاب کر لیا جائے۔ ایک رات آپ نے پیالے میں پیشاب کیا تھا۔ لیکن صبح دیکھا کہ پیالہ خالی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برکہ سے پوچھا تو وہ عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ! آج رات میں ایک مرتبہ نیند سے بیدار ہوئی تو مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی میں نے یہ سمجھ کر کہ پیالے میں پانی ہے اُسے پی لیا۔ اور مجھے پیشاب کے بارے میں معلوم نہ تھا ـــــ اس حدیث کو ابن جریج رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ دنیا میں تشریف آوری کے وقت اس شہکارِ دستِ قدرت کے جسم اطہر پر کسی قسم کی کوئی نجاست

نہیں تھی بلکہ بالکل پاک صاف حالت میں تشریف فرمائے عالم اور رونق افزائے دہر ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفی ۵۸ھ) فرماتی ہیں۔ کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرمگاہ کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ اے علی! تمہارے سوا مجھے کوئی غسل نہ دے۔ کیونکہ اگر کسی دوسرے نے مجھے غسل دیا تو وہ اندھا ہو جائے گا۔ —— حدیث عکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۶۸ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو گئے اور ایسا سوئے کہ خراٹوں کی آواز سُنی جا رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد آپ بیدار ہوئے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ نیند کی حالت میں بھی آپ غفلت سے محفوظ تھے۔

فصل ۔ ۴ حضور کے عقلی اور جسمانی کمالات

اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے عقلمند اور ذہین و فہیم تھے۔ اگر کوئی صاحب عقل و دانش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُن تدابیر میں ذرا بھی غور و فکر کرے گا، جو آپ نے خلق خدا کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے اختیار فرمائیں، اور آپ کے حُسنِ اخلاق اور محیّر العقول سیرت کو سامنے رکھ کر جب اُن سیاسی امور پر نظر دوڑائے گا جو آپ نے ہر خاص و عام کے ساتھ رعایت برتی اور ساتھ ہی یہ مدِّ نظر رکھے گا کہ دُنیا میں

آپ نے کسی سے علم حاصل نہیں کیا۔ نہ سابقہ ممارست تھی اور نہ کبھی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے باوجود علوم وفنون کے کس طرح دریا بہا دیئے۔ احکام شرعیہ کو کیسے انداز میں پیش کیا کہ سنتے ہی منصف مزاج کیلئے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ تو ان باتوں پر نظر کرنے سے ایک صاحب عقل و دانش ضرور اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقل وفہم میں سب سے بدرجہا آگے ہیں اور اس فیصلے تک پہنچنے کی راہ میں شکوک وشبہات ہرگز حائل نہیں ہوں گے۔ یہ ایسی بات ہے جس کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر یا تحریر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بات مسلّمہ اور ثابت شدہ ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر (۷۱) کتابیں پڑھی ہیں سب کے اندر یہی لکھا ہوا پایا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے عقلمند ہیں اور آپ کی رائے سب کی رائے سے صائب اور افضل ہے۔ —— دوسری روایت میں اُن کا بیان آیا ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل سے دنیا کی مجموعی عقل کو وہی نسبت ہے جو ریگہائے ذراتِ عالم سے ایک ذرّے کو ہے۔

حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو جس طرح آگے کی چیزوں کو دیکھتے تھے پیچھے کی چیزیں بھی اسی طرح آپ کو نظر آتی تھیں اور یہ مضمون ارشادِ باری تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ کی تفسیر میں بھی بیان کیا گیا ہے —— موطا شریف میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث درج کی ہے کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

اِنِّی لَاَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِی ص۵۶ بیشک میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

اور اسی کے مثل صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ـــــ اور حضرت اُمّ المومنین، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسی کے مثل فرمایا ہے اُن کا ارشاد ہے کہ یہ ایک خصوصیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزے کے طور پر مشرف فرمایا تھا ـــــ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔

اِنِّیْ لَاَنْظُرُ مِنْ وَّرَآئِیْ کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی مَنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَفِیْ اُخْرٰی اِنِّیْ لَاُبْصِرُ مَنْ قَفَایَ کَمَا اُبْصِرُ مَنْ بَیْنَ یَدَیَّ (۵۶)

میں بیشک اپنے پیچھے والوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کے لوگوں کو دیکھتا ہوں اور دوسری روایت میں ہے کہ بیشک میں اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے آگے والی چیزوں کو۔

بقی بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس ارشادِ گرامی کی حکایت کی ہے کہ رسول اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہوں کا عالم یہ تھا کہ :۔

یَرٰی فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی فِی الضَّوْءِ وَالْاَخْبَارُ کَثِیْرَۃٌ صَحِیْحَۃٌ فِیْ رُؤْیَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالشَّیَاطِیْنَ وَرُفِعَ النَّجَاشِیُّ لَہٗ حَتّٰی صَلّٰی عَلَیْہِ وَبَیْتُ الْمُقَدَّسِ حِیْنَ وَصَفَہٗ

آپ اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسے اُجالے میں اور کتنی ہی اخبار و احادیث اس بارے میں موجود ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرشتوں اور جنات کو دیکھتے تھے اور نجاشی کو آپ کے لئے اٹھا کر لایا، یہاں تک کہ آپ نے قریش مکہ سے اس کے

لِقُرَيْشٍ وَالْكَعْبَةِ حِيْنَ بَنٰى مَسْجِدَهٗ وَقَدْ حُكِيَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَرٰى فِى الثُّرَيَّا اَحَدَ عَشَرَ نَجْمًا وَهٰذِهٖ كُلُّهَا مَحْمُوْلَةٌ عَلٰى رُؤْيَةِ الْعَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَغَيْرِهٖ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى رَدِّهَا اِلَى الْعِلْمِ وَالظَّوَاهِرُ تُخَالِفُهٗ وَلَا اِحَالَةَ فِىْ ذَالِكَ وَهِيَ مِنْ خَوَاصِ الْاَنْبِيَآءِ وَخِصَالِهِمْ۔

(ص۵۶)

اوصاف بیان کئے اور کعبہ پیش کیا گیا جب آپ نے مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی اور آپ سے یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ آپ نے ثریا میں گیارہ ستارے ملاحظہ فرمائے اور یہ سب واقعات آنکھ سے دیکھنے پر محمول ہیں اور یہی قول امام احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے جبکہ بعض اس کا رد کرتے اور اسے علم پر محمول کرتے ہیں حالانکہ ظاہری مفہوم اُن کے قول کی مخالفت کرتے ہیں اور انبیاء کے لئے آنکھ سے دیکھنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے کیونکہ یہ وصف انبیاء کے خواص وخصال سے ہے۔

اسی کے مانند وہ حدیث ہے جس کی خبر دی ہمیں ابو محمد عبداللہ بن احمد العدل نے اپنی کتاب کے ذریعے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالحسن المقری الفرغانی نے، اُن سے ام القاسم بنت ابی بکر نے اپنے باپ کے ذریعے، اُن سے شریف ابوالحسن علی بن محمد الحسنی نے، ان سے محمد بن محمد بن سعید

ے اسی لئے اس صدی کے مجددِ حق، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔ ؎ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروروں درود

نے، اُن سے محمد بن احمد بن سلیمان نے، اُن سے محمد بن مرزوق نے، اُن سے ہمام نے، اُن سے حسن نے، انھوں نے قتادہ سے سُنا۔

اُنھوں نے یحییٰ بن وثاب سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۵۸ھ) سے سُنا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

لَمَّا تَجَلَّ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُبْصِرُ النَّمْلَةَ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَآءِ مَسِيْرَةَ عَشْرَ فَرَاسِخَ وَلَا يَبْعُدُ عَلٰى هٰذَا اَنْ تَخْتَصَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ هٰذَا الْبَابِ بَعْدَ الْاَسْرَآءِ وَالْحُظْوَةِ بِمَا رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (ص۲۵)

جب اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی تجلّی دکھائی تو اُن کی بصارت کا یہ عالم ہوگیا کہ وہ رات کے اندھیرے میں دس فرسخ کے فاصلے پر اگر کوئی چیونٹی کسی صاف پتھر پر ہوتی تو اُسے دیکھ لیتے تھے اور یہ امر بعید نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ خصوصیت مرحمت فرمائی گئی ہو جسکا ہم نے اس سلسلے میں ذکر کر دیا ہے یعنی معراج سے سرفراز ہونے اور اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے سے یہ نظر مرحمت فرمادی ہو۔

ے سبحان اللہ! نگاہِ مصطفےٰ کی بات ہی نرالی ہے۔ دنیا و مافیہا آپ کے پیشِ نظر ہے ارضی و سماوی مخلوق کا کوئی فرد اور کوئی ذرہ آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اگر خالق و مالک کی جانب کلی طور پر متوجہ ہوں یا کسی جانب توجہ نہ فرمائیں تو یہ الگ بات ہے۔ نگاہِ مصطفےٰ کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے جبکہ اُس بارگاہ کے غلاموں یعنی حضرات اولیاء اللہ کی نگاہوں کا یہ عالم ہے کہ زمین در نظرِ ایں طائفہ چوں سفرہ ایست (نفحات الانس) اور لوح محفوظ تک۔ (اتی حاشیہ ص۲۶ پر)

یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے رکانہ کو پچھاڑا، جو اپنے وقت کا زبردست پہلوان تھا۔ آپ نے اُسے اسلام کی دعوت دی تھی اور زمانۂ جاہلیت میں ابارکانہ بہت طاقتور شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کشتی کا چیلنج دیا اور ہر دفعہ آپ نے اُسے پچھاڑ دیا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین آپ کے لئے سمٹی چلی جاتی تھی۔ ہم بڑی کوشش اور دِقت کے ساتھ آپ کے ساتھ چل سکتے تھے۔ جبکہ آپ بالکل آرام سے چلتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا ہنسنا تبسم تک محدود تھا۔ جب کسی کی جانب دیکھتے تو پوری طرح دیکھتے تھے چلتے وقت، قدم اٹھا کر چلتے تھے (اور قدرے آگے جھک کر گویا) کہ آپ بلندی سے اتر رہے ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیک یارسول اللہ)۔

فصل۔ ۵ حضور کی فصاحت و بلاغت

زبان و بیان میں حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بلحاظ فصاحت و بلاغت اتنی بلندی پہ ہے کہ آپ کے اس امتیاز سے کوئی سلیم الطبع بے خبر نہیں ہے۔ کسی بلند ہمت، کم گو، فصیح البیان، ماہرِ علم و فن، غواصِ معانی اور

(بقیہ حاشیہ صد ۱۰۵) اُن بزرگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں (تفسیر عزیزی و تفسیر مظہری)۔ اسی لئے نگاہِ مصطفیٰ کی شان بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:۔ ؎ سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا۔

تکلّف سے بچنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ:۔

أُوْتِيَ جَوَامِعُ الْكَلِمِ وَخُصَّ بِبَدَائِعِ الْحِكَمِ وَعِلْمِ اَلْسِنَةِ الْعَرَبِ فَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَاطِبُ كُلَّ أُمَّةٍ مِّنْهُمْ بِلِسَانِهَا وَيُحَاوِرُهَا بِلُغَتِهَا وَيُبَارِيهَا فِي مَنْزَعِ بَلَاغَتِهَا حَتّٰى كَانَ كَثِيْرٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ يَسْئَلُوْنَهٗ فِيْ غَيْرِ مَوْطِنٍ عَنْ شَرْحِ كَلَامِهٖ وَتَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ (۵۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جامع کلمات دیئے گئے اور نرالی حکمتوں کے ساتھ خصوصیت بخشی گئی۔ عرب کی ساری زبانیں آپ کو سکھائی گئی ہیں۔ اسی لئے آپ عرب کے ہر قبیلے والوں سے اُن کی بولی میں کلام فرماتے اور ان کی روزمرّہ بول چال کا بلاغت کے ساتھ لحاظ رکھتے تھے، یہاںتک کہ آپ کے کتنے ہی غیر وطنی صحابہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کے ارشادات عالیہ کی شرح اور تفسیر دریافت کیا کرتے تھے۔

جو آپ کی گفتگو اور برتاؤ میں تامّل کرے اُس پہ مذکورہ بیانات کی صداقت بخوبی واضح ہو جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قریش مکہ، انصارِ مدینہ اور اہلِ حجاز کے ساتھ کلام ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا ذی الشعار الہمدانی، طہفۃ الہندی قطن بن حارث علیمی، اشعث بن قیس اور وائل بن حجر الکندی وغیرہ امرائے حضرموت اور بادشاہانِ یمن کے ساتھ کلام فرمایا ہے۔ جس کو اس سلسلے میں تحقیق و جستجو کا شوق ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُس گرامی نامے کو ملاحظہ کرے جو آپ نے ہمدان کو لکھا تھا اُس میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

اِنَّ لَكُمْ فِرَاعَهَا وَوِهَاطَهَا وَ

تمہارے لئے بلند، پست اور کنکریوں

وَعَزَازَهَا يَأْكُلُونَ عِلَافَهَا
وَتَرْعَوْنَ عِفَاءَهَا لَنَا مِنْ
دِفْئِهِمْ وَصِرَامِهِمْ وَسَلَّمُوا
بِالْمِيثَاقِ وَالْأَمَانَةِ وَلَهُمْ
مِنَ الصَّدَقَةِ وَالثِّلْبُ وَالنَّابُ
وَالْفَصِيلُ وَالْفَارِضُ الدَّاجِنُ
وَالْكَبْشُ الْحُوَرِيُّ وَعَلَيْهِمْ
فِيهَا الصَّالِغُ وَالْقَارِحُ (م ۵۸)

والی زمین ہے۔ پس کھاؤ تم چارہ
اُس کا اور چراؤ اُس میں بے روک
ٹوک۔ ہمارے لئے اُن کے مویشیوں
اور کھلیانوں سے وہی حصہ ہے جو
وہ عہد اور امانت کے ساتھ ادا کریں
گے۔ اُن کے لئے صدقے کے مال
سے بوڑھے اونٹ اور بوڑھی اونٹنیاں
ہیں۔ نیز اونٹ کے بچے مُسن اور گھر گھرے
رہنے والے اونٹ جن کی کھال کا نطع
بنتا ہے اُن پر وہ گائے اور بکری ہے
جو چھٹے سال میں ہو اور وہ اونٹ جو
پانچویں سال میں ہو۔

نیز اُس کلام میں غور کرنا چاہیئے جو آپ نے نہد سے فرمایا تھا۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَحْضِهَا
وَمَخْضِهَا وَمَذْقِهَا وَابْعَثْ
رَاعِيَهَا فِي الدَّثْرِ وَافْجُرْ
لَهُ الثَّمَدَ وَبَارِكْ لَهُمْ
فِي الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَنْ
أَقَامَ الصَّلٰوةَ كَانَ
مُسْلِمًا وَمَنْ آتَى الزَّكٰوةَ
كَانَ مُحْسِنًا وَمَنْ شَهِدَ

اے اللہ! تو اُن کے دودھ، دہی
اور لسّی میں برکت عطا فرما اور ان کے
امیر کو مال مرحمت فرما اور اُس کیلئے
ماءِ قلیل جاری فرما اور ان کے مال
و اولاد میں برکت دے۔ جو نماز
قائم کرے وہ مسلمان ہے اور جو
زکوٰۃ ادا کرے وہ محسن ہے اور جو
گواہی دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی

اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کَانَ مُخْلِصًا لَکُمْ یَا بَنِیْ نَہْدٍ وَدَائِعُ الشِّرْکِ وَوَضَائِعُ الْمُلْکِ لَا تُلْطِطْ فِی الزَّکٰوۃِ وَلَا تُلْحِدْ فِی الْحَیٰوۃِ وَ لَا تَتَثَاقَلْ عَنِ الصَّلٰوۃِ۔

معبود نہیں وہ مخلص ہے۔ اے بنی نہد! تمھارے لئے ایک شرک ودیعت ہے اور دوسرے مال کا وظیفہ۔ لیکن زکوٰۃ نہ روکنا اور دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو کر نہ رہ جانا اور نماز کو اپنے اوپر بوجھ شمار نہ کرنا۔

صہ ۵۸. صہ ۵۹

اور اُن کے لئے آپ نے وظیفہ فریضہ کے سلسلے میں یہ لکھا تھا:۔

وَلَکُمُ الْفَارِضُ وَالْفَرِیْشُ وَذُو الْعِنَانِ الرَّکُوْبُ وَالْفُلُوُّ الضَّبِیْسُ لَا یُمْنَعُ سَرْحُکُمْ وَلَا یُعْضَدُ طَلْحُکُمْ وَلَا یُحْبَسُ دَرُّکُمْ مَا لَمْ تُضْمِرُوا الرِّمَاقَ وَتَاْکُلُوا الرِّبَاقَ مَنْ اَقَرَّ فَلَہُ الْوَفَاءُ بِالْعَہْدِ وَالذِّمَّۃِ وَمَنْ اَبٰی فَعَلَیْہِ الرِّبْوَۃُ۔ (صہ ۵۹

تمھارے لئے ہے عمر رسیدہ اونٹ گائے اور نیا بچہ جنی ہوئی اور گھوڑا سواری کے قابل اور بچھڑا شریر اور نہیں روکے جائیں گے مویشی تمھارے اور نہ کاٹا جائے گا تمھارا خاردار درخت طلح تک اور نہ روکے جائیں گے تمھارے مویشی، جب تک تمھارے دل میں نفاق نہ آئے گا۔ اگر عہد شکنی نہ کرو گے تو عہد اور ذمہ پورا کیا جائے گا۔ جس نے عہد توڑا اُس نے زیادتی کی۔

تحقیق کے شائق کو چاہئے کہ آپ کا وہ مکتوبِ گرامی دیکھے جو آپ نے وائل بن حجر، امرائے نجد اور خوش رو سرداروں کی جانب لکھا تھا۔ اس گرامی

نامے میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:۔

فِی التِّیْعَةِ شَاةٌ لَا مُقَوَّرَةُ الْاَلْیَاطِ وَلَا ضِنَاكٌ اَنْطَوَا الثَّجَةَ وَفِی السُّیُوْبِ الْخُمُسُ وَمَنْ زَنَا مِمْ بِکْرٍ فَاصْقَعُوْهُ مِائَةً وَاسْتَوْفِضُوْهُ عَامًا وَمَنْ زَنَا مِمْ ثَیِّبٍ فَضَرِّجُوْهُ بِالْاَضَامِیْمِ وَلَا تَوْصِیْمَ فِی الدِّیْنِ وَلَا غُمَّةَ فِی فَرَائِضِ اللهِ وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَائِلُ ابْنُ حُجْرٍ یَتَرَفَّلُ عَلَی الْاَقْیَالِ

چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ہے جو نہ دُبلی ہو نہ بہت موٹی یعنی درمیانی ہو۔ نہ کہ ادنیٰ و اعلیٰ اور زمین کی پیداوار سے پانچواں حصّہ۔ اور جو کوئی زنا کرے کنواروں سے اُسے سَو کوڑے مارو اور ایک سال کیلئے جلاوطن کرو اور شادی شدہ زانی کو رجم کرو پتھروں سے کیونکہ دین میں ڈھیل یا محبت نہیں۔ اور اللہ کے فرائض میں اخفاء نہیں اور نشے والی ایک چیز حرام ہے اور وائل بن حجر امراء پر امارت کرے۔

ص ۵۹

اِس گرامی نامے کی اُس صحیفۂ عالیہ سے مطابقت بلحاظ زبان نہیں جو آپ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھیجا تھا۔ چونکہ اُن لوگوں کا طرزِ کلام یہی تھا۔ اُن کے ہاں بلاغت اور اندازِ تحریر یہی تھا لہٰذا جس قسم کے الفاظ وہ استعمال کیا کرتے تھے بعینہٖ آپ نے اُن سے معاملے کے وقت وہی الفاظ استعمال کیئے تاکہ لوگوں کو ان کی زبان میں بہتر طور پر سمجھادیا جائے۔ سمجھانے کی خاطر آپ قرآنِ کریم کی آیات کا مفہوم بھی اُسی زبان میں بیان فرماتے جس کو وہ لوگ استعمال کرتے اور بہتر سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ حدیث عطیۃ السعدی میں آپ نے فرمایا تھا۔

فَاِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْطِیَۃُ بشیک اونچا ہاتھ وہ ہے جو دینے والا وَالْیَدُ السُّفْلٰی ھِیَ الْمُنْطَاۃُ ۵۹ ہے اور لینے والا ہاتھ تو نیچا ہے۔

وہ لوگ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ ہماری ہی زبان میں گفتگو فرمائی ہے ـــــ اور اسی طرح حدیث عامری ہیں ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ــــ سَلْ عَنْكَ اَیْ سَلْ عَمَّ شِئْتَ یعنی جو چاہے پوچھ کے لئے سَلْ عَنْكَ کہنا بنی عامر کی لغت (بولی) ہے۔

رہی آپ کے کلامِ معتاد، فصاحتِ معلومہ، جوامعِ کَلِم اور احکامِ ماثورہ کی بات، تو اس بارے میں لوگوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ایسے الفاظ و معانی کی کتنی ہی کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔ انھیں دیکھا جائے تو فصاحت ان کی برابری نہیں کر سکتی اور بلاغت کو مقابلے کی تاب نہیں۔ نمونے کے طور پر چند ارشادات عالیہ ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَوُا دِمَاءُھُمْ وَیَسْعٰی بِذِمَّتِھِمْ اَدْنَاھُمْ وَھُمْ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاھُمْ ـــــ مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔ عہد و امان کے پورا کرنے میں اُن کا ادنیٰ بھی سعی کرے گا اور غیروں کے مقابلے پر ایک ہاتھ کی طرح ہیں۔

۲۔ اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ ـــــ لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔

۳۔ وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ـــــ انسان اس کے ساتھ ہے جس کو وہ محبوب رکھے۔

۴ وَلَاخَیْرَ فِیْ صُحْبَۃِ مَنْ لَایَرٰی مَاتَرٰی لَہٗ ـــــ اس شخص

کی صحبت میں بھلائی نہیں جو تیرے لئے وہی ملحوظ نہ رکھے جو اپنے لئے ملحوظ رکھتا ہے۔

۵۔ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ ـــــ لوگ کان ہیں۔

۶۔ مَا هَلَكَ امْرَءٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ ـــــ وہ آدمی ہلاک نہیں ہوتا جو اپنی قدر پہچانے۔

۷۔ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ ـــــ جس سے مشورہ لیا جائے اُس پر امانت داری لازم ہے۔

۸۔ هُوَ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ ـــــ انسان مختیر ہے جب تک کلام نہ کرے۔

۹۔ رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ اَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر رحم فرمایا جس نے اچھی بات کہہ کر فائدہ اٹھایا یا خاموشی اختیار کر کے محفوظ رہا۔

۱۰۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ ـــــ اسلام لاؤ، محفوظ ہو جاؤ۔

۱۱۔ اَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ ـــــ اسلام لے آؤ اللہ تعالیٰ تمھارے اجر کو دوگنا کر دے گا۔

۱۲۔ اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَ اَقْرَبُكُمْ مِنِّيْ مَجَالِسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا ـــــ بے شک مجھے سب سے پیارا اور قیامت میں میرے سب سے نزدیک وہ شخص ہوگا جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

۱۳۔ اَلْمُوَطَّؤُنَ اَكْنَافًا اَلَّذِيْنَ يَاْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ ـــــ متواضع اور خاکسار وہ ہیں جو لوگوں سے محبّت کرتے ہیں اور لوگ اُن سے محبّت کرتے ہیں۔

۱۴ ایک شخص غزوۂ اُحد میں مارا گیا اور لوگ اس کی برائی کر رہے تھے تو

آپ نے فرمایا: — لَعَلَّہٗ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِمَا لَا یُغْنِیْہِ وَ یَبْخَلُ بِمَا لَا یُغْنِیْہِ — شاید وہ فضول باتیں کیا کرتا تھا اور بخل سے کام لیتا تھا جو اس کے کام نہ آیا۔

۱۵۔ ذُوالْوَجْھَیْنِ لَا یَکُوْنُ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا — منہ دیکھ کر بات کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت نہیں ہے۔

اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیل وقال (بیکار بحث)، کثرتِ سوال، مال ضائع کرنے، ضرورت کی اشیاء میں ذخیرہ اندوزی کرنے، والدہ کی نافرمانی کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:۔

۱۶۔ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ کُنْتَ — تو جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈر۔

۱۷۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا — میانہ روی اچھا طریقہ ہے۔

۱۸۔ اَحْبِبْ حَبِیْبَکَ ھَوْنًا مَا عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ بَغِیْضَکَ یَوْمًا — اپنے دوست کو کم راز دار بنا، مبادا وہ کسی روز تیرا دشمن ہو جائے۔

۱۹۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمٰتٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ — ظلم قیامت میں اندھیرا ہوگا۔

اور بعض دُعاؤں میں آپ کے یہ الفاظ بھی ہیں:۔

۲۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِکَ تَھْدِیْ بِھَا قَلْبِیْ وَ تَجْمَعُ بِھَا اَمْرِیْ وَتَلُمُّ بِھَا شَعْثِیْ وَ تُصْلِحُ بِھَا غَائِبِیْ وَ تَرْفَعُ بِھَا شَاھِدِیْ وَ تُزَکِّیْ بِھَا الْغِنٰی

اے اللہ! میں تیری ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں جو میرے دل کو تیری راہ دکھائے، میری خاطر جمع کرے۔ میری قلبی پریشانی کو دُور کرے، میرے دل کی اصلاح کرے، میرے ظاہر کو بلند کرے، میرے اعمال کو درست

يَعْصِمُنِىْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ - اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِى الْقَضَآءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَآءِ وَعَيْشَ السُّعَدَآءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَآءِ

(ص ۶۱)

کرے۔ اُس کے سبب مجھے رشد و ہدایت سے وابستہ کر، اس کے ساتھ میری محبت کو جمع کر اور اس کے ذریعے مجھے ہر بُرائی سے بچا۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے قضا میں کامیابی، شہیدوں جیسی مہمانی، نیک بخت لوگوں جیسی زندگی، اور دشمنوں کے مقابلے میں فتح مرحمت فرما۔

اِن کے علاوہ آپ کے کتنے ہی مقالات، مقامات، محاضرات، خطبے دعائیں، مخاطبے اور مواثیق ہیں جن کو ایک جماعت سے دوسری جماعت روایت کرتی آئی ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ کے ارشاداتِ عالیہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اس درجہ بلند ہیں کہ کسی دوسرے کے کلام کو اُن پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور آپ کے اس منصبِ رفیع کا کسی سے کما حقہٗ اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ میں بعض ایسے کلمات بھی ہیں جو آپ سے پہلے کسی نے بھی استعمال نہیں کئے تھے اور نہ کوئی ایسے کلام پر قادر ہو سکا تھا۔ مثلاً جب میدانِ کارزار خوب گرم ہو جائے اور گھمسان کی جنگ جاری ہو، تو اس کے ذریعے آپ نے حَمِیَ الْوَطِیْسُ (تنور گرم ہو گیا) فرمایا ہے —— جو میدانِ جہاد میں بغیر جنگ کئے مارا جائے اس کے ذریعے حَتْفَ اَنْفِہٖ (اجر ثابت ہو گیا) فرمایا۔

۲۱۔ وَلَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَّرَّتَیْنِ ـــــ مومن ایک سوراخ سے دوسری مرتبہ ڈنک نہیں کھاتا۔

۲۲۔ اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ ـــــ سعادت مند وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

غرضیکہ ان کلمات اور ان جیسے آپ کے دوسرے ارشادات عالیہ میں فصاحت و بلاغت اس درجہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے کہ ان کے مضامین میں غور کرنے سے عقل عاجز رہ جاتی ہے ـــــ ایک مرتبہ بعض صحابۂ کرام بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ سے بڑھ کر فصیح ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: ـــــ وَمَا یَمْنَعُنِیْ وَاِنَّمَا اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ بِلِسَانِیْ لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٍ۔ (فصاحت وبلاغت سے میرے لئے کونسی چیز مانع ہے۔ جبکہ قرآنِ کریم میری زبان میں نازل ہوا ہے جو صاف عربی زبان ہے)۔

دوسری مرتبہ ایک ایسے ہی موقع پر آپ نے فرمایا تھا: ـــــ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ۔ (میں عرب کا سب سے فصیح ہوں کیونکہ میری پیدائش قریش میں اور پرورش بنی سعد میں ہوئی ہے) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان میں شہریوں کی شیرینی اور زبان کی جزالت والفاظ کی درستی دیہات کی۔ یہ دونوں چیزیں جمع ہوگئی تھیں۔ اور آپ کے کلام کو تائید الٰہی نے رونق بخشی یعنی وحیٔ الٰہی سے آپ کو مدد پہنچتی رہتی تھی جس نے آپ کی فصاحت کو اس درجہ بلند کر دیا کہ انسان اس کا احاطہ کرنے سے قاصر رہے۔

حضرت امِ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی توصیف میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام شیریں ہوتا تھا۔ گفتگو کا ہر لفظ دوسرے سے

جُدا ہوتا۔ بغیر ضرورت کلام نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا ہر بیان ایسا مربوط ہوتا تھا۔ جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی۔ آپ کی آواز بلند اور دلکش تھی۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

فصل۔ ۶ حسب ونسب کی بلندی

آپ کے نسب کی شرافت شہر کی بزرگی اور پرورش پانے کا بیان

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب کی شرافت اور آپ کے شہر وجائے پیدائش کی عظمت محتاجِ بیان ودلیل نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اشکال وإخفا ہے کیونکہ آباؤ اجداد کے لحاظ سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام بنی ہاشم بلکہ جملہ قریش میں ممتاز اور سارے عرب میں شریف النسب اور معزز ترین ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظمت والا شہر ہے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی قاضی القضاۃ حسین بن محمد الصدفی رحمۃ اللہ علیہ نے، اُن سے قاضی ابوالولید سلیمان بن حلف نے، اُن سے ابوذر عبد بن احمد نے، اُن سے ابومحمد سرخسی، ابوالاسحٰق اور ابوالہثیم نے، اُن سے محمد بن یوسف نے، اُن سے محمد بن اسمٰعیل نے، اُن سے قتیبہ بن سعید نے، اُن سے یعقوب بن عبدالرحمٰن نے، اُنھوں نے عمر اور سعید المقبری سے سُنا، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اولادِ آدم کے زمانوں میں سے سب سے بہتر زمانے میں مبعوث فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ میں اُس قرن میں ہوں۔ جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو — حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِھِمْ مِنْ خَیْرِ قَرْنِھِمْ ثُمَّ تَخَیَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِ قَبِیْلَۃٍ ثُمَّ تَخَیَّرَ الْبُیُوْتَ فَجَعَلَنِیْ مِنْ خَیْرِ بُیُوْتِھِمْ فَاَنَا خَیْرُھُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُھُمْ بَیْتًا ۔ صہ ۶۲، صہ ۶۳	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے لوگوں اور بہتر زمانے میں رکھا۔ پھر قبائل پر نظر انتخاب ڈالی تو بہتر قبیلے میں پیدا فرمایا۔ پھر گھروں پر نظر انتخاب ڈالی تو مجھے بہتر گھر میں پیدا فرمایا۔ پس میں ذاتی طور پر اور گھر کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہوں

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چنا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ھاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے چنا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۲۷۹ھ) نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی سنہ ۷۴ھ کی روایت میں ہے جسے امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی سنہ ۳۱۰ھ نے نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اخْتَارَ خَلْقَہٗ فَاخْتَارَ مِنْھُمْ بَنِیْ اٰدَمَ ثُمَّ اخْتَارَ بَنِیْ اٰدَمَ فَاخْتَارَ مِنْھُمُ الْعَرَبَ ثُمَّ اخْتَارَ الْعَرَبَ فَاخْتَارَ مِنْھُمْ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے بنی آدم کو چن لیا، پھر بنی آدم سے عرب کو چن لیا، پھر عرب سے قریش کو چن لیا۔ پھر قریش سے بنی ھاشم کو چن لیا۔

قُرَیْشًا ثُمَّ اخْتَارَ قُرَیْشًا فَاخْتَارَ مِنْهُمْ بَنِیْ هَاشِمٍ ثُمَّ اخْتَارَ بَنِیْ هَاشِمٍ فَاخْتَارَنِیْ مِنْهُمْ فَلَمْ اَزَلْ خِیَارًا مِّنْ خِیَارٍ اَلَا مَنْ اَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَ الْعَرَبَ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔ (ص ۶۳)

پھر بنی ہاشم سے مجھے چن لیا۔ پس میں ہمیشہ بہتر سے بہتر گروہ میں رہا ہوں۔ سن لو، جو عرب والوں سے محبت رکھتا ہے تو مجھ سے محبت رکھنے کے باعث اور جو اُن سے عداوت رکھتا ہے۔ تو مجھ سے عداوت رکھنے کے باعث۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا:۔

اَنَّ قُرَیْشًا کَانَتْ نُوْرًا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ اٰدَمَ بِاَلْفَیْ عَامٍ یُسَبِّحُ ذَالِكَ النُّوْرُ وَتُسَبِّحُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِتَسْبِیْحِهٖ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ اَلْقٰی ذٰلِكَ النُّوْرَ فِیْ صُلْبِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْبَطَنِیَ اللّٰهُ اِلَی الْاَرْضِ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ وَجَعَلَنِیْ فِیْ صُلْبِ نُوْحٍ وَقَذَفَ بِیْ فِیْ صُلْبِ اِبْرٰهِیْمَ ثُمَّ لَمْ یَزَلِ اللّٰهُ تَعَالٰی یَنْقُلُنِیْ مِنَ

بے شک یہ قریشی نبی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بارگاہِ خداوندی میں نور تھا یہ نور اللہ کی تسبیح بیان کرتا تو فرشتے بھی اُس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح بیان کرتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو یہ نور اُن کے صلب میں رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صلب آدم میں رکھ کر زمین پر اتارا۔ پھر صلب نوح علیہ السلام میں، حتیٰ کہ صلب ابراہیم میں

اَلْاَصْلَابِ الْکَرِیْمَۃِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاھِرَۃِ حَتّٰی اَخْرَجَنِیْ بَیْنَ اَبَوَیَّ لَمْ یَلْتَقِیَا عَلٰی سِفَاحٍ قَطُّ ۔ (ص ۶۳)۔

ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اصلاب کریمہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل فرماتا رہا حتّٰی کہ مجھے میرے والدین کریمین سے پیدا فرمایا۔ میرے آباؤ اجداد کبھی زنا کے نزدیک بھی نہیں پھٹکے۔

اس حدیث کی صحت اُس قصیدے سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں پیش کیا تھا۔

فصل ۔ ۷

حضور کے خصائل حمیدہ احادیث کی روشنی میں

معلوم ہونا چاہیئے کہ جن خصائلِ حمیدہ کی دُنیاوی زندگی کو ضرورت ہے، جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں، وُہ امور تین قسم کے ہیں :۔ (۱) جس کی قلت کو فضیلت گنا جاتا ہے ــــــ (۲) جس کی کثرت کو فضائل میں شمار کیا جاتا ہے ــــــ (۳) جس کی حالت مختلف ہوتی ہے۔

جن عادتوں کا کم ہونا بالاتفاق قابلِ تعریف اور کمالِ شمار ہوتا ہے اور جن کی کمی عادتاً اور شرعاً محمود شمار کی جاتی ہے وہ نیند اور غذا ہیں۔ جملہ اہلِ عرب اور تمام حکماء ان کی کمی کو اچھا شمار کرتے آئے ہیں اور سب نے اِن کی کثرت کو بُرا سمجھا ہے، کیونکہ خورد و نوش کی کثرت تو حرص اور ندیدے پن کی علامت ہے۔ اور بسیار خوری کتنے ہی دنیاوی و اُخروی مضرات کا سبب ہے اور اِس سے جسمانی، روحانی اور دماغی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کی کمی قانع اور نفس پر قادر ہونے کی دلیل ہے اور طعام کی کمی (حکماء کے نزدیک) جسمانی صحت، صفائی،

قلب اور ذہن کی تیزی کا سبب بنتی ہے۔

زیادہ سونا جسم کو سست اور کمزور کرتا ہے اور اس سے عقل و فہم کا زوال اور سستی و عجز کو فروغ ملتا ہے۔ انسان عمر عزیز کو ضائع کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ کثرتِ خواب سے قساوتِ قلب، غفلت اور دل کی موت کے تحفے ملتے ہیں۔ اس امر کے دلائل بیشمار ہیں، جو ہر کسی کو معلوم اور روزمرّہ کا مشاہدہ اس پر شاہد ہے۔ علاوہ بریں کلامِ اُمم سابقہ و حکمائے متقدمین نیز اشعار و اخبارِ عرب و احادیث صحیحہ و آثارِ سلف صالحین و خلف متبعین سے تواتر کے ساتھ منقول و ماثور ہیں۔ ہم انھیں دلیل کے طور پر یہاں پیش نہیں کرتے کیونکہ اِدھر اقتصار و اختصار منظور اور اُدھر وہ دلائل عوام و خواص میں مشہور، لہٰذا عاقل کے لئے اشارہ ماثور۔

خواب و خور کی مقدار نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں (خواب و خور) میں سے بہت ہی تھوڑا حصّہ لیا تھا۔ اور وہ بھی اتنا جس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ امور آپ کی سیرتِ مقدسہ سے خارج نہیں رہے ہیں اور یہی راستہ اختیار کرنے کا آپ نے دوسروں کو حکم دیا اور رغبت دلائی ہے، کیونکہ کثرتِ طعام کا کثرتِ خواب سے گہرا تعلق ہے۔ (یعنی ایک کی کثرت دوسری کی کثرت کا باعث ہے)۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علی الصدفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:— ابنِ آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن کوئی نہیں بھرا۔ آدمی کے لئے وہی چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں۔ اگر ضرورت ہو تو تہائی شکم طعام کے لئے، تہائی پانی کے لئے اور تہائی سانس کے لئے خالی رکھے — یہ اس لئے

فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی کثرت سے نیند کی کثرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ کم کھانے سے شب بیداری آسان ہو جاتی ہے — بعض بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ زیادہ نہ کھایا کرو۔ ورنہ زیادہ پانی پینا پڑے گا۔ زیادہ سونا پڑیگا۔ اور زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے گا — نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ سب سے پسندیدہ کھانا وہ ہے جس کے کھانے میں بہت سے ہاتھ شامل ہوں۔

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اتنا نہیں کھایا کہ آپ شکم سیر ہوئے ہوں۔ اور آپ دولت خانے میں ہوتے ہوئے گھر والوں سے کبھی کھانا نہیں مانگا کرتے تھے اور نہ اس کی خواہش ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ اگر گھر والوں نے کھلا دیا تو کھا لیا۔ اور جو کچھ کھلا دیا وہی کھا پی لیا۔ اس بیان پر حدیث بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باعث کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ — کیا میں ہانڈی میں نہیں دیکھتا کہ اُس میں گوشت ہے۔ در اصل آپ کے اس سوال کا مقصد اُن کے گمان کو دور کرنا تھا جبکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ صدقے کا گوشت بطور ہدیہ بھی آپ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ سوال سنت کی تعلیم کے لئے تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ آپ کے سامنے پیش نہیں کرتے، حالانکہ یہ بھی آپ جانتے تھے کہ وہ آپ پر کسی کو ترجیح بھی نہیں دیتے تھے تو اُن کے گمان کو ظاہر کر کے مسئلے سے انھیں آگاہی بخشی اور فرمایا کہ اُن کے لیئے یہ صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

کھانے کے آداب

حکمتِ لقمان میں ہے کہ اے بیٹے! جب معدہ پُر ہو جاتا ہے تو سوجھ بوجھ سو جاتی ہے اور حکمت گم ہو جاتی ہے ــــــ حضرت سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم کی دولت اُس شخص کے لائق نہیں جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے ــــــ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ــــــ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ اس حدیث میں لفظ اتّکا سے مراد کھانے کے لیئے جم کر بیٹھنا ہے یعنی قاعدہ یا جلسہ کی صورت میں یا چار زانو ہو کر بیٹھنا تا کہ خوب سہارا پکڑے اور اس طرح بیٹھنے سے آدمی زیادہ کھاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کھانا کھانے بیٹھتے تو گھٹنے اوپر کر کے پیروں کے بَل اکڑوں بیٹھتے اور فرماتے کہ میں ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں ــــــ محققین کے نزدیک کسی ایک جانب جھک کر کھانا اتّکا میں داخل نہیں ہے۔

قلب رہتا بیدار سوتی تھی آنکھیں

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استراحت فرمانا بھی برائے نام ہوتا تھا اور اس بارے میں بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں ــــــ علاوہ اُن کے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دِل نہیں سوتا ــــــ اِس غرض سے کہ نیند کم آئے آپ داہنی کروٹ سویا کرتے تھے کیونکہ بائیں کروٹ سونے میں سہولت زیادہ ہے اور اس کروٹ سونے میں دل اور اُس کے متعلقات کو سکون حاصل رہتا ہے جو ثقل اور لمبی نیند کا باعث ہے جبکہ دائیں کروٹ پر سونے سے دل معلق و متحرک رہتا ہے جس کے باعث جلد بیدار ہونے کا امکان رہتا ہے اور

اور گہری نیند کا غلبہ کم ہوتا ہے۔

فصل - ۸

قابلِ تعریف اور باعثِ افتخار امور

جن اُمور کی کثرت قابلِ تعریف شمار ہوتی ہے اور جن کی زیادتی کے باعث لوگ ایک دوسرے پر فخر محسوس کرتے ہیں اُن میں سے نکاح اور وجاہت بھی ہیں۔ نکاح ایک ایسی چیز ہے جس کی خوبی پر شرع اور روایت دونوں متفق ہیں، کیونکہ یہ مکمل مرد ہونے اور قوتِ مردمی کی علامت ہے اور اس کی کثرت کے باعث ایک دوسرے پر فخر کرنا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور شریعتِ مطہرہ میں بھی یہ سنتِ ماثورہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں —— کہتے ہیں کہ اُن کے اس قول میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب بھی اشارہ ہے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کر کے اولاد تلاش کرو تاکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں —— آپ نے تَبَتُّلْ یعنی عورتوں سے لاتعلق رہنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ نکاح میں شہوت کی تسکین اور نگاہ کی حفاظت ہے —— سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے۔ کہ صاحبِ استطاعت کو ضرور نکاح کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نظر کو نیچی اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والی چیز ہے —— علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نکاح کرنے سے زُہد میں کوئی فرق نہیں آتا —— حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عورتیں مرغوب و محبوب تھیں تو نکاح سے باوجود استطاعت

کے دُور رہنے میں زہد کیسا۔ ؟

اسی طرح حضرت امام سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا ہے کہ جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پورے طور پہ عابد و زاہد تھے۔ ان کی متعدد بیویاں اور باندیاں تھیں اور وہ کثرت سے نکاح کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں متعدد نکاح کرنے کے واقعات موجود ہیں۔

کتنے ہی علمائے کرام نے اِس بات کو مکروہ شمار کیا ہے کہ انسان کنوارے پن کی حالت میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو ——— اگر کوئی یہ کہے کہ نکاح کرنے اور اس کی کثرت میں کس طرح فضیلت ہو سکتی ہے جبکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبیّنا و علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کی اللہ جلّ شانہٗ نے حصُوراً یعنی عورتوں سے دُور رہنے کے باعث تعریف فرمائی ہے۔ دریں حالات یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کثرت سے نکاح کرنے کو فضیلت شمار کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بچنے والے کی تعریف کر رہا ہے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسلام بھی عورتوں سے منقطع رہے تھے، اگر بقول آپ کے نکاح میں واقعی فضیلت ہوتی تو خدا کے نبی ہو کر وہ ضرور نکاح کرتے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا گوشہ نشین ہونا اس معنی میں نہیں تھا جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ عورتوں سے ڈرتے تھے یا اعضائے تناسل سے محروم تھے۔ اس بات کا نامور محققین اور فضلائے ناقدین نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ نقص اور عیب کی بات ہے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السّلام کی شان کے شایاں نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام گناہ کا تصوّر بھی نہیں کرتے تھے ——— بعض علمائے کرام نے اِس کا یہ مطلب

بیان کیا ہے کہ وہ نفس کو نفسانی خواہشات سے روکنے والے اور اپنی خواہش کو پوری طرح قابو میں رکھتے تھے ـــــــ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ انہیں عورتوں کی جانب رغبت ہی نہیں تھی۔

جب سائل کو یہ معلوم ہو گیا کہ نکاح پر قدرت نہ ہونا تو نقص ہے لیکن اس کے برعکس انسان قادر ہو اور مجاہدے کے ذریعے بچے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے کیا یا قناعت فرمائی اور اللہ ربُّ العزّت کی مدد کے ساتھ دُور رہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السّلام دُور رہتے تھے تو یہ بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اکثر اوقات یہ چیز عبادتِ خداوندی سے روکنے اور دنیا کی جانب مائل کرنے والی ہے۔

حقوقِ زوجیت کی ادائیگی

لیکن اس فضیلت سے وہ فضیلت یقیناً بڑھ کر ہے کہ ایک شخص نکاح پر قادر ہے اور وہ نکاح کرے اور جن حقوق کا ادا کرنا اس کے لئے واجب قرار دیا گیا ہے اُن کی ادائیگی اسے اپنے پروردگار سے غافل نہ کرے۔ یہ اعلیٰ ترین فضیلت ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل تھی کیونکہ آپ کی کثرت سے ازواجِ مطہرات تھیں لیکن آپ کو اُن کے حقوق کی ادائیگی اللہ ربّ العزّت سے غافل نہیں کرتی تھی بلکہ آپ ان کے حقوق ادا کرتے، اُن کی معیشت کا بندوبست فرماتے اور انہیں راہِ ہدایت دِکھاتے تھے جبکہ اِن باتوں کے باعث آپ کی عبادت اور نیکیوں میں اور بھی اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

عُلمائے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں نکاح کی کثرت دُنیاوی لذّت کے لئے نہیں تھی جبکہ دوسرے لوگوں کے لئے واقعی یہ اَمر دنیاوی لذّت کے لئے ہے ـــــــ فخرِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے

کہ تمہاری دنیا سے میرے لئے اللہ تعالیٰ نے عورتیں اور خوشبو محبوب کر دی ہیں ——— اس سے معلوم ہُوا کہ آپ کا عورت اور خوشبو جیسی چیزوں کو محبوب رکھنا اور انہیں استعمال کرنا صرف آخرت کے لئے تھا جبکہ دوسرے لوگوں کے لئے یہ چیزیں دنیا داری کی ہیں لیکن آپ کے لئے یہ چیزیں دنیا داری کے قبیل سے نہیں تھیں بلکہ ان فوائد کے سبب تھیں جن کا ذکر ہم تزویج کے تحت کر آئے ہیں

حضور کو خوشبو مرغوب تھی

رہا خوشبو کا استعمال، تو یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کی بارگاہ میں ملائکہ حاضر ہوتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خوشبو محرّض و معینِ جماع اور اسبابِ جماع کی محرک ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ کو بالذات محبوب نہیں تھیں بلکہ بالواسطہ یعنی شہوت کا زور کم کرنے کی غرض سے محبوب تھیں ورنہ حقیقی محبت تو آپ کی ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص تھی، جس کے باعث آپ اپنے مولیٰ کے مشاہدۂ جبروت اور مناجات میں مشغول رہتے تھے۔ اسی لئے آپ نے اپنی دونوں حالتوں میں امتیاز فرمایا ہے اور ایک حالت کو دوسری سے جدا کرتے ہوئے فرمادیا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

پس اس امر میں تو آپ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے برابر ہیں کہ آپ بھی عورتوں کے فتنہ و فساد سے محفوظ و مامون رہے ہیں لیکن اس فضیلت میں آپ اُن حضرات سے سبقت لے گئے ہیں کہ آپ نے عورتوں کے حقوق کو کما حقہٗ ادا فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس امر میں ان لوگوں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قدرت اور طاقت مرحمت فرمائی ہے یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے لونڈیوں کے علاوہ آپ کے لئے اتنی بیویاں حلال کر دیں جتنی کسی دوسرے کے لئے حلال نہیں فرمائی

گئی ہیں ——— قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک دن یا رات میں اپنی ساری ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف فرما ہو جاتے تھے حالانکہ وہ گیارہ تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں یہ کہا کرتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تیس مردوں کی قوت مرحمت فرمائی گئی ہے اس کی نسائی نے تخریج کی ہے اور ایسا ہی ابی رافع رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶ھ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چالیس مردوں کی طاقت عطا فرمائی گئی ہے اور صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

آپ کی آزاد کردہ لونڈی، حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فخرِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک رات میں اپنی نو ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے نیز ایک سے فارغ ہوئے اور دوسری کے پاس جانے سے پہلے غسل فرما لیا کرتے تھے اور تلقین فرمائی ہے کہ اس طرح غسل کر لینا طہارت پسندی اور انتہائی پاکیزگی ہے ——— اور آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آج رات میں اپنی ایک سو ننانوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام میں سَو مردوں کی طاقت تھی ان کی تین سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں ——— نقّاش رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حکایت کی ہے کہ ان کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں ——— حضرت داؤد علیہ السلام حالانکہ بڑے زاہد تھے لیکن ان کی بھی ننانویں بیویاں تھیں جبکہ اوریا کی بیوی سے نکاح کرنے پر پوری ایک سَو ہو گئی تھیں اور اس سلسلے میں خود قرآن کریم کی یہ وضاحت موجود ہے۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَہٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَۃً وَّلِیَ نَعْجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ؎۱	بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! —— مجھے چار باتوں کے سبب دوسرے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے، جو یہ ہیں (۱) سخاوت (۲) شجاعت (۳) کثرتِ قوتِ مردمی (۴) قوتِ بازو۔

جہاں تک وجاہت کا تعلق ہے تو عقلاً نے اسے اوصافِ مدح میں ہی شمار کیا ہے کیونکہ وجاہت کے مطابق ہی لوگوں میں قدر و منزلت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ؎۲	وجاہت والا ہوگا دنیا اور آخرت میں۔

لیکن وجاہت کے راستے میں بے شمار آفات ہیں جو بعض لوگوں کے لئے آخرت میں نقصان کا باعث ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے اس کی مذمت کی ہے اور عدم وجاہت کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں بھی عاجزی و انکساری کی تعریف فرمائی گئی ہے اور زمین میں تکبر اور اکڑ کو مذموم قرار دیا ہے۔

حضورؐ کا جاہ و جلال

نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ نے جاہ و حشمت کی دولت سے بھی مالا مال فرما دیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا گیا تھا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے جاہلوں تک کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزیں کر دی جبکہ اعلانِ نبوت کے بعد کافر آپ کی تکذیب کرتے اور شمع رسالت کے عدیم النظیر پروانوں یعنی حضرات صحابۂ کرام کو برابر ستاتے رہتے تھے اور اپنی اس نازیبا حرکت سے

؎۱ پارہ ۲۳، سُورۂ ص، آیت ۲۳۔

؎۲ پارہ ۳، سُورۂ آلِ عمران، آیت ۴۵

سے آپ کو پریشان کرنا مقصود ہوتا تھا لیکن جب وہ آپ کے سامنے آتے تو عزت کیسے ہی بنتی تھی اور اگر انہیں کوئی حاجت ہوتی تو آپ بھی اسے پورا کرنے سے دریغ نہیں فرماتے تھے۔ کتبِ احادیث کے ذخائر میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں۔

اگر کسی نے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نہ دیکھا ہوتا اور وہ پہلی مرتبہ آپ کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور رعب چھا جاتا تھا۔ چنانچہ قیلہ نے جب آپ کو پہلی دفعہ دیکھا تو مارے خوف کے اس پر لرزہ طاری ہو گیا آپ نے فرمایا کہ اے غریب عورت! سکون و اطمینان کا دامن تھام۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کھڑا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ہادیٔ برحق نے اس کی حالت دیکھ کر فرمایا۔ کانپتے کیوں ہو، میں کوئی دنیاوی بادشاہ تو نہیں ہوں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبوت میں آپ کو عدیم المثال قدر و منزلت اور رسالت میں انتہائی عزت و شرف والا منصب حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ کو جو مقامِ اصطفاء حاصل ہے وہ قدر و منزلت اور وجاہت کی انتہا ہے۔ اس کے باعث آپ دنیا میں سب سے ممتاز اور آخرت میں جملہ بنی آدم کے سردار ہوں گے۔

فصل-۹

قابلِ تعریف اور لائقِ فخر امور کی مختلف کیفیتیں

ایسے امور میں سے ایک مال کی کثرت ہے کیونکہ دولتمند عوام الناس کی نظروں میں معظم و محترم مانا جاتا ہے کیونکہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنی اکثر حاجتیں اپنے وسائل سے پوری کر لیتا ہے۔ اگر یہ برتری حاصل نہ ہوتی تو فی حدِ ذاتہٖ اُسے کوئی اور فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لیکن مالدار آدمی اگر اپنے مال

سے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں دریغ نہ کرے اور جو ضرورت مند اس کے پاس آئیں یا اس سے اپنی توقعات وابستہ کریں اور وہ مال کے ذریعے ان کی توقعات پر پورا اُترے اور ضروریات پوری کرے تو گویا وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت و عظمت کا بیج بو رہا ہے اور اہلِ دُنیا کے نزدیک یہ اُسے فضیلت حاصل ہے۔

لیکن صاحبِ استطاعت آدمی اگر مال کو طاعتِ الٰہی، احسان اور اُمورِ خیر میں صرف کرے اور ایسا کرنے سے اس کا مقصد رضائے الٰہی اور ذخیرۂ آخرت کے سوا کچھ نہ ہو، تو یہ حقیقی فضیلت ہے جو سب کے نزدیک مسلّمہ ہے لیکن دولت مند اگر ممسک اور بخیل ہو جائے اور جہاں اسے مال خرچ کرنا چاہیئے وہاں بھی خرچ نہ کرے بلکہ اسے صرف جمع کرنے کی دُھن ہی لگی رہے تو یہ کثرتِ مال حقیقت میں کالعدم اور ایسا خطرناک عیب ہے جو اُسے سلامتی کے راستے پر نہیں رہنے دے گا بلکہ کمینگی اور رذالت کے شرمناک گڑھے میں دھکیل دے گا۔

پس جو لوگ کثرتِ مال کے باعث کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کی ذاتی فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ مال والا اُسے برمحل اور اچھے کاموں میں صرف کرتا ہو۔ اگر مالدار آدمی اسے برمحل صرف نہ کرے یعنی جن کاموں میں اُسے مال خرچ کرنا چاہیئے ان پر خرچ نہ کرے تو حقیقت میں نہ وہ باعزت ہے اور نہ مالدار۔ ایسا شخص عقلاً کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے۔ جب ایسا آدمی دولت پاس رکھنے کے باوجود اپنی اغراض بھی پوری نہیں کر سکتا حالانکہ وہ اس پر قادر ہے، تو وہ مالدار نہیں بلکہ صرف مال کا محافظ ہے اور حقیقت میں مالدار وہی ہے جس کے پاس خواہ تھوڑا مال ہو لیکن وہ اس کے فوائد سے مستفید ہو رہا ہے۔

حضورؐ کی نگاہ میں اموالِ دُنیا

اگر طالبِ حقیقت ہمارے آقا و مولا، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرۃِ مقدسہ کا مطالعہ کرے تو

مال کے بارے میں بھی اسے آپ کی عاداتِ حمیدہ آفتاب نصف النہار کی طرح واضح نظر آتی ہیں کیونکہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین کے خزانے اور دنیا بھر کی نعمتیں مرحمت فرما دی تھیں، غنائم کو آپ کے لئے حلال ٹھہرا دیا تھا حالانکہ مالِ غنیمت کو کسی نبی کے لئے حلال قرار نہیں دیا گیا تھا اور آپ کی حیات مقدسہ میں حجاز و یمن کے سارے شہر جزائر، شام اور عراق کے ملحقہ علاقے فتح ہو گئے تھے، جہاں سے خمس، جزیہ اور صدقہ کے ذریعے اتنا مال آپ کی خدمت میں آتا تھا جتنا اس سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ علاوہ بریں کتنے ہی بادشاہوں نے آپ کی خدمت میں بیش بہا تحفے ارسال کئے تھے مگر اس میں سے آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی ایک درہم بھی اٹھا کر نہیں رکھا تھا بلکہ اسے برمحل صرف فرماتے رہتے دوسروں کو اس کے ذریعے مالدار کر دیا اور مسلمانوں کی مالی حالت کو مستحکم سے مستحکم تر ہی بناتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے پاس خواہ کوہِ احد کے برابر سونا آجائے اور میں اس میں سے ایک دینار بھی اپنے لئے رکھ چھوڑوں تو یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی ماسوائے اس کے کہ قرض ادا کرنے کے لئے کچھ رکھا جائے۔

ایک دفعہ آپ کے پاس بہت سے دینار آئے آپ انہیں مسلمانوں میں برابر تقسیم کرتے رہے لیکن کچھ دینار باقی بچ گئے جو ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس آپ نے رکھ دیئے۔ ان کے باعث ساری رات آپ کو نیند نہ آئی یہاں تک کہ صبح انہیں بھی تقسیم فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری بے چینی اب دور ہوئی ہے۔ بوقتِ وصال نفقۂ عیال کے باعث آپ کی زرہ ایک آدمی کے پاس رہن (گروی) رکھی ہوئی تھی۔

سرورِ کونین کی ضروریاتِ زندگی

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سامان

خورد و نوش، لباس اور مکانات وغیرہ سے صرف اتنا حصہ ہی اختیار فرمایا تھا جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس سے زیادہ کی جانب آپ کی طبیعت کبھی مائل نہیں ہوئی تھی جو میسر آتا، آپ وہی کپڑا پہن لیتے تھے۔ اکثر اوقات آپ کا لباس، عمامہ، کھردری چادر اور موٹا تہبند ہوتا تھا حالانکہ دوسرے لوگوں میں آپ ریشم کی قبائیں تقسیم فرماتے رہتے تھے جن کے اندر سونے کی تاریں ہوتی تھیں اور جو لوگ اس وقت بارگاہِ اقدس میں حاضر نہ ہوتے، ان کے لئے اُٹھا رکھتے تھے۔

اس اقتصار کی وجہ یہ بھی ہے کہ لباس کی زیب و زینت نہ قابلِ فخر ہے اور نہ شرافت و جلالت کا نشان کیونکہ لباس کے ذریعے آرائش کرنا عورتوں کی خصوصیت ہے۔ لباس کے سلسلے میں قابلِ تعریف یہ پہلو ہے کہ کپڑا صاف ستھرا اور درمیانہ ہو ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے جو آدمی کو اپنے حلقۂ احباب میں نشانہ تمسخر بنائے یا لوگ اسے حقارت کی نگاہوں سے دیکھیں اور نہ ایسا لباس ہو جو استطاعت سے بڑھ کر محض شہرت حاصل کرنے کے لئے پہنا جائے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔ شریعتِ مطہرہ نے بھی اسی لباس کی مذمت فرمائی ہے جو تفاخر کی غرض سے پہنا جائے اور مفاخرت کی بیماری کثرتِ مال اور حُبِّ جاہ سے پیدا ہوتی ہے۔

یہی حال مکانات کی عمدگی و وسعت اور کثرتِ خدّام و آلات وغیرہ کا ہے کہ کثرتِ مال کی طرح ان کی کثرت پہ فخر کرنا فضول ہے ——— کمال تو یہ ہے کہ ایک شخص دُنیا و مافیہا کا بادشاہ ہو، اُس پہ تسلّط رکھتا ہو، اس کے باوجود زُہد و قناعت اختیار کرے، مال کو اپنے پاس رکھنے سے نفرت کرے اور اسی وجہ سے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ترک کر دے۔ یہ مال کے سلسلے میں ایسی مقدّس عادت ہے جو سب کے نزدیک باعثِ فضیلت ہے اور یہ ہے وہ خصلتِ حمیدہ جو سرمایۂ افتخار ہے۔ چنانچہ مال و دولت سے اس طرح اعراض کرنا اور فانی ہونے کے باعث اس کی جانب

رغبت نہ رکھنا بلکہ دُوسرے جن مقامات اور لوگوں پہ اسے خرچ کرنا چاہیئے۔ ان پہ خرچ کر دینا یہ قابلِ ستائش و لائقِ تحسین عادتِ مبارکہ انسانی کمال کی معراج ہے۔

فصل - ۱۰

انسانی اخلاقِ حمیدہ اور آدابِ شریفہ کی فضیلت اگر کوئی شخص اخلاقِ حمیدہ میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ بھی متصف ہو تو تمام عقلاً اس کی فضیلت پہ اتفاق کرتے ہیں اور سب اُسے عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اُس شخص کی تو بات ہی کیا ہے جس کے اخلاق میں بہت سی صفات موجود ہوں۔ شریعتِ مطہرہ نے بھی ایسے تمام اشخاص کی تعریف کی ہے اور ایسی عادات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور جو سارے اوصافِ حسنہ سے متصف ہوں ان کے لئے دائمی سعادت کا مژدہ سُنایا ہے بلکہ بعض نیک عادتوں کو تو اجزائے نبوّت ٹھہرایا ہے جنہیں حُسنِ اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور وہ نام ہے نفس کے قویٰ و اوصاف میں اعتدال اور میانہ روی کا اور وہ نام ہے ایسے درمیانی راستے کا جس میں افراط یا تفریط نہ ہو۔

مذکورہ بالا جملہ اوصافِ کمالیہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کا حصہ ہیں۔ آپ کمال میں ان کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور غایت کے لحاظ سے حقیقی اعتدال پر تھے اسی لئے اللہ جل مجدہٗ نے خُلقِ محمدی کے بارے میں فرمایا ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ [1] ▲ بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے

حضور کا خُلق قرآن ہے حضرت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ——— کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ یعنی نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔ آپ کی رضا مندی اور ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور ناراضگی کے ساتھ تھی

---

[1] پارہ ۲۹، سورۃ القلم، آیت ۴

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مجھے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کیلئے مبعوث فرمایا گیا ہے ——— حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کی عادتیں تمام لوگوں سے اچھی تھیں ——— علمائے محققین نے فرمایا ہے کہ نبیٔ اکرم نورِ مجسّم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اخلاقِ حسنہ کے زیور سے پیدائشی طور پر مزیّن فرمایا گیا تھا، یہ جملہ اوصاف آپ کی اصل فطرت کا حصہ تھے جن کا کسب سے کوئی دخل نہ تھا۔ یہ انوارِ الٰہیہ کی مخصوص بارش ہے جس سے جملہ انبیائے کرام کو نوازا گیا تھا جو بھی ان حضرات کے بچپن سے بعثت تک کے حالات کا مطالعہ کرے اس پر مذکورہ حقیقت روزِ روشن کیطرح عیاں ہو جائے گی اور اس سلسلے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہیگا۔

انبیاءِ کرام کے اخلاقِ عالیہ

حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یحییٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرام کے حالات سے بخوبی واضح ہے کہ یہ کمالات ان کی فطرت میں شامل تھے اور علم و حکمت کو ان حضرات کی فطرت میں ودیعت فرما دیا گیا تھا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۝ [۵] ▲ اور ہم نے اُسے بچپن ہی میں نبوّت دی۔

مفسّرین حضرات نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کو بچپن کے اندر ہی اپنی کتاب کا علم مرحمت فرما دیا تھا ——— معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس وقت سیدالانبیاء دو یا تین سال کے تھے کہ لڑکوں نے شکوہ کیا کہ آپ ہمارے ساتھ کھیلتے کیوں نہیں ہو؟ آپ نے جواب دیا ——— کیا مجھے کھیلنے کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے؟ ——— علمائے مفسّرین نے ارشادِ خداوندی مُصَدِّقًا بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تصدیق اُس وقت کی تھی جبکہ وہ صرف تین برس کے تھے اور اس وقت یہ بھی گواہی دی تھی کہ یہ کلمۃُ اللہ

---

۵ پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۱۲

اور روح اللہ ہیں ——— بعض کا قول یہ ہے کہ آپ نے اس وقت یہ تصدیق کی تھی جبکہ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے بلکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے شکم میں وہ اس بچے کو سجدہ (تعظیمی) کر رہا ہے جو تمہارے شکمِ مبارک میں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت کے وقت اپنی والدہ ماجدہ سے کلام فرمایا تھا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نص فرمائی ہے، لَا تَحْزَنِیْ ——— ایک قرائت میں مَنْ تَحْتَهَا ہے اور اس قوم پر کہ یہ ندا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی ——— اور مہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کرنے کے بارے میں تو یہ نصِ صریح وارد ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ [۱]	بچے نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۝ [۲]	ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔

قصۂ مرجومہ اور قصۂ صبی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ حکم مذکور ہے جس کو ان کے والدِ محترم حضرت داؤد علیہ السلام نے تسلیم کیا تھا ——— امام طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۱۰ھ) نے حکایت کی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا تو اس کی عمر بارہ سال تھی ——— اسی کے مانند حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے جب انہوں نے فرعون کی داڑھی کھینچی تھی۔

---

[۱] پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۳۰ [۲] پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۷۹

مفسرین نے ارشادِ باری تعالیٰ: — وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (۱) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: اَیْ ھَدَیْنَاہُ صَغِیْرًا (یعنی ہم نے انہیں صغر سنی میں راہ دکھائی)۔ — حضرت مجاہد اور ابنِ عطاء رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کا قول ہے:

اصطفاہ قبل ابداء خلقه یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی چُن لیا تھا — بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جو خدا کی جانب سے آپ کو یہ حکم پہنچاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے مانیے اور زبان سے اس کا ذکر کرتے رہیئے انہوں نے فرشتے کو جواب دیا تھا — قَدْ فَعَلْتُ (یعنی میں نے ایسا ہی کیا ہے) اور اَفْعَلُ نہیں فرمایا تھا کہ میں ایسا کروں گا۔ آپ کا یہ فرمانا (پیدائشی) رُشد و ہدایت کے باعث تھا۔ — بعض حضرات کا قول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام آگ میں ڈالے گئے تھے تو اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال تھی — جب حضرت اسحاق علیہ السّلام کو ذبح کے ذریعے آزمایا گیا تو اس وقت آپ کی عُمر شریف سات برس تھی — جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ستاروں، چاند اور سُورج کے ذریعے (توحید پہ) استدلال کیا اس وقت آپ کی عُمر شریف پندرہ سال تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السّلام کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اس وقت وہ لڑکپن کی عمر میں تھے۔ جس موقع کے بارے میں اللہ جلّ مجدہٗ نے فرمایا ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲) (اور ہم نے اُسے وحی بھیجی کہ ضرور تو اُنہیں اُن کا یہ کام جتا دے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے) اس کے سوا بھی حضرات انبیاء کرام کے کتنے ہی واقعات اور ہیں۔

مفسرین نے حضرت آمنہ بنتِ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (والدہ ماجدہ

---

(۱) پارہ ۱۷، سُورہ الانبیاء، آیت ۵۱ (۲) پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۱۵

سیدالمرسلین سے حکایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق آرائے گیتی ہوئے تو آپ نے زمین کی جانب اپنے دستِ کرم پھیلائے ہوئے تھے اور سرِ اقدس آسمان کی طرف اُٹھایا ہوا تھا۔

سرکارِ دو عالم کا بچپن سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سنِ شعور کو پہنچ کر مَیں نے دیکھا کہ بتوں اور شاعری سے مجھے پیدائشی طور پر نفرت تھی۔ مَیں نے کسی ایسے کام کا قطعاً ارادہ نہیں کیا جو دورِ جاہلیت میں معمول بنے ہوئے تھے۔ ہاں دو مرتبہ مَیں اُدھر مائل ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور پھر مَیں نے کبھی اُن کی جانب توجہ ہی نہیں کی ——— مذکورہ دونوں مواقع پر آپ جہلاء کے لہو ولعب اور غنا کی محفل میں جانے کا خیال ہی آپ کے دِل میں گزرا تھا کہ دونوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُدھر جانے نہ دیا اور اِس کے بعد آپ نے کبھی ایسے اُمور کا ارادہ تک نہیں کیا۔

بچپن کے بعد حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ اور بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ ان پر پے در پے انعاماتِ الٰہیہ کی بارش نازل ہونے لگتی ہے اور انوار و معارف سے ان کے قلوب جگمگانے لگتے ہیں یہانتک کہ وہ رُشد و ہدایت کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوّت کے لئے چُن لیا ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی تجربے اور ریاضت کے خصائل حمیدہ کے اس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جس سے اور کوئی غایت نہیں ہے چنانچہ اس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ [1]	اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا تو ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں میں بھی ان میں سے بعض اخلاق پائے جاتے ہیں اور

---

[1] پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۲۲

وہ ان کی فطرت میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد عنایتِ خداوندی کے باعث اکتساب کے طور پہ ان کے لئے کمال حاصل کر لینا آسان ہوتا چلا جاتا ہے جیسا کہ ہم بعض بچّوں میں دیکھتے ہیں کہ بچپن ہی سے ان کی عادتیں پسندیدہ اور طبیعتیں ذکی ہوتی ہیں اور وہ راست باز، سخی، بہادر، صابر اور متحمل مزاج ہوتے ہیں جبکہ بعض اس کے برعکس نظر آتے ہیں پھر وہ اکتساب کے ذریعے اپنی اپنی اخلاقی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔

بعض اوقات ریاضت اور مجاہدے کے باعث لوگوں میں ایسے اخلاق وافعال بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو پہلے ان میں نہیں پائے جاتے تھے اور ایسا کرنے سے بعض اوقات کجی دُور ہو جاتی ہے اور عادتیں اعتدال پہ آجاتی ہیں ——— مذکورہ دونوں حالتوں کے سبب انسان کے اخلاق وافعال میں فرق واقع ہو جاتا ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کام آسان ہوتا ہے جس کے لئے اُسے پیدا فرمایا گیا ہے۔ سلف صالحین میں اختلاف واقع ہوا تھا کہ خوش خلقی جبلی ہے یا اکتسابی؟ مذکورہ تقریر سے یہ عُقدہ بھی حل ہو گیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض سلف سے حکایت کی ہے کہ انسان میں حسنِ اخلاق جبلّی اور طبعی ہوتا ہے اور انہوں نے اس قول کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ) اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا ہے اور خود ان کا نظریہ بھی یہی ہے جبکہ درست وہی ہے جو ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مومن خیانت اور جھوٹ کے سوا ہر خصلت پہ پیدا ہو سکتا ہے ——— حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جُرأت اور بُزدلی طبعی ہیں جہاں چاہے اللہ تعالیٰ ان کو رکھ دے۔ یُوں تو اخلاقِ جمیلہ وخصائلِ حمیدہ شمار سے باہر ہیں، اس لئے ہم صرف بنیادی اخلاق کا ذکر کریں گے اور دُوسرے امور کی جانب اشارہ کر کے یہ ثابت کریں گے

کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ اخلاقِ عالیہ میں درجۂ کمال حاصل تھا۔

فصل - ۱۱

نبوت میں مقامِ عقل

معلوم ہونا چاہیئے کہ جملہ اوصاف کے فروع کی اصل ان کا سرچشمہ اور اس سارے دائرے کا مرکزی نقطہ عقل ہے اسی سے علم و عرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں اسی سے روشن خیالی، ذہن کی تیزی، رائے کی درستی اور گمان کی صداقت حاصل ہوتی ہے اسی کے باعث مستقبل پر نظر رکھنے، اصلاحِ نفس کے طریقے، شہوت سے مجاہدہ، حسنِ سیاست و حسنِ تدبیر، فضائل کی تحصیل اور رذائل سے اجتناب کی خوبیاں منفرع ہوتی ہیں۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم کے لحاظ سے ایسے منصب پر فائز تھے جس کی حقیقت تک کسی بشر کی رسائی نہیں ہے۔ عقلِ مصطفیٰ کی جلالت و عظمت اس شخص پر بخوبی واضح ہے جس نے آپ کے اخلاق و احوال کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے نیز آپ کے جامع کمالات، شمائلِ حسنہ، عاداتِ مبارکہ اور ارشاداتِ عالیہ کی حکمتوں کو چشمِ بصیرت سے دیکھا ہے۔

آپ کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کی خاطر توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے مندرجات، حکماء کی حکمتیں، گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات، ضرب الامثال، لوگوں کی سیاسیات، شرعی احکام، پسندیدہ آداب، اچھے اطوار جو مختلف علوم و فنون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور جنہیں علمائے کرام سند اور حجت قرار دیتے ہیں نیز طب، ریاضی، وراثت، میراث اور انساب وغیرہ ایسے علوم و فنون ہیں جن میں آپ کے بے شمار معجزات ہیں حالانکہ نہ آپ نے کسی سے علم حاصل کیا اور نہ گزشتہ امتوں کی کتابوں ہی کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ان کے علماء سے مجالست رہی بلکہ آپ تو امّی نبی تھے۔

النّبیّ الاُمّیّ مذکورہ علوم وفنون کو آپ نے کسی سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کے سینے کو کھول دیا تھا۔ آپ کو منزلِ مراد تک پہنچایا اور خود تعلیم دی تھی۔ جس کا اقرار ہر اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جس نے آپ کے حالات وواقعات کا مطالعہ کیا ہو اور اس طرح آپ کا برحق نبی ہونا دلائلِ قطعی کے ساتھ نظر آنے لگتا ہے۔

آپ کے ایسے جملہ واقعات وقضایا کو ہم تفصیل کے ساتھ کس طرح بیان کر سکتے ہیں جبکہ عقلِ انسانی ان کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے اور ان کی متحمل ہو سکتی ہی نہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم ومعارف بھی آپ کی عقل کے مانند غیر محدود ہیں جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:۔

اِلٰی سَائِرِ مَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَطْلَعَہٗ عَلَیْہِ مِنْ عِلْمِ مَا یَکُوْنُ وَمَا کَانَ وَ عَجَائِبِ قُدْرَتِہٖ وَ عَظِیْمِ مَلَکُوْتِہٖ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ہ حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِیْ تَقْدِیْرِ فَضْلِہٖ عَلَیْہِ وَخَرِسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفٍ یُحِیْطُ بِذَالِکَ اَوْ یَنْتَھِیْ اِلَیْہِ

ص ۷۹

وہ تمام علوم جن پہ اللہ تعالیٰ نے آپکو مطلع فرمایا انہیں سے ماکان ومایکون (جو ہوا اور جو ہوگا) کا علم، اپنی قدرت کے عجائبات اور اپنی عظیم بادشاہی کے علوم بھی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! ہم نے وہ سب کچھ تمہیں سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے آپ کے فضل وکمال کا اندازہ کرنے میں عقلیں حیران اور آپکی توصیف کا احاطہ کرنے سے زبانیں گونگی ہیں اور نہ اس کی انتہا تک پہنچ سکتی ہیں۔

فصل ۔ ۱۲

حلم، احتمال، طاقت کے باوجود درگزر اور مصائب و آلام پر صبر یہ ایسی صفات ہیں جن کے معانی میں باریک سا فرق ہے —— حرکت میں لانے

والے اسباب کے وقت باوقار رہنا اور نفس کو قابو میں رکھنے کا نام حلم ہے —— غم اور ایذا کے وقت نفس کو مطمئن رکھنا احتمال کہلاتا ہے اور صبر کے بھی تقریباً یہی معنی ہیں جبکہ مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں —— یہ تمام خصائل وہ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پوری فیاضی کے ساتھ مالا مال فرمایا تھا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا تھا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ [1]	اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کی تاویل پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کرکے عرض کروں گا۔ دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ یارسول اللہ! ارشادِ باری تعالیٰ ہے —— جو تم سے تعلقات منقطع کر دیا ہے اُسے سینے سے لگاؤ۔ جو محروم رکھے اُسے عطا فرماؤ اور جو ظلم کرے اُسے معاف کر دو —— اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ [2]	اور جو اُفتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔

نیز اللہ رب العزت نے اپنے حبیب سے یہ بھی فرمایا تھا،

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ [3]	تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

---

[1] پارہ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۹۹ - [2] پارہ ۲۱، سورہ لقمان، آیت ۱۷

[3] پارہ ۲۶، سورہ احقاف، آیت آخری۔

اور یہ بھی فرمایا:

وَالْیَعْفُوْا وَالْیَصْفَحُوْا [۱] — اور چاہیئے کہ معاف کر دیں اور چاہیے کہ درگزر کریں۔

اور اللہ عزّ و جلّ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؐ [۲] — اور بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

رحمۃ للعالمین کا حِلم رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلم جیسا کہ منقول ہے، وہ روزِ روشن کی طرح عیاں اور دنیا سے نرالا ہے۔ کوئی حلیم اور بردبار ایسا نہ ہو گا جس سے ایسے مواقع پر انتقام کے طور پر کوئی فعل سرزد نہ ہُوا ہو اور جواباً اس نے کوئی بات نہ کہی ہو لیکن آپ کی ذات ستودہ صفات ہی ایسی ہے کہ جتنی تکلیف و اذیت بڑھتی گئی اسی قدر صبر اور برداشت میں اضافہ ہوتا چلا گیا حالانکہ آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے جُہلاء نے زیادتی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن آپ نے صبر اور برداشت کے دامن کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چھوڑا، خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو عبد اللہ محمد بن علی التغلبی وغیرہ نے حدیث بیان کی۔ اُن سے محمد بن عتاب نے۔ اُن سے قاضی ابو بکر بن واقد وغیرہ نے، اُنسے ابو علیسی نے، اُن سے عبید اللہ نے۔ ان سے یحییٰ بن یحییٰ نے، اُن سے مالک بن شہاب نے ان سے عُروہ نے بیان کیا اور اُن سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی ۲ دو کاموں میں سے ایک کام کو اختیار کرنے کا

---

[۱] پارہ ۱۸، سورۃ النور، آیت ۲۲ [۲] پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۳

حکم ملا تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند فرمایا جبکہ اس کو اختیار کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی۔ اگر شرعی قباحت ہوتی تو دوسروں کی نسبت آپ اس سے زیادہ دُور رہتے تھے۔ اس مجسمۂ رحمت نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ کسی حد کو توڑا جاتا تو اس پر ضرور حد قائم فرمائی جاتی تھی۔ روایت ہے کہ غزوۂ اُحد کے روز جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کا چہرۂ انور زخمی ہوا تو صحابۂ کرام کو اس واقعہ سے بہت ہی صدمہ پہنچا اور وہ بارگاہِ رسالت میں بصد عجز و نیاز عرض گذار ہوئے کہ کفار کی تباہی اور بربادی کے لئے دعا فرما دی جائے (قربان جائیں) اس وقت بھی اس سراپا رافت و جانِ رحمت نے یہی فرمایا کہ مجھے تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ مخلوقِ خدا کو حق کی دعوت دوں۔ میں ان پر عذاب لانے کے لئے تو نہیں بھیجا گیا اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم کو دولتِ ہدایت سے مالا مال کر دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ انہوں نے اس موقع پر بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ایسے موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے کہا تھا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ [1]	اے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اگر آپ بھی اپنی قوم کے لئے ایسی ہی دعا فرما دیتے تو کوئی ایک بھی بچنے نہ پاتا حالانکہ انہوں نے آپ کو زخمی کیا۔ آپ کا روئے انور خون آلودہ کیا اور دندانِ مبارک شہید کر دیئے گئے اس کے باوجود آپ نے ان کے لئے ہلاکت کی دعا مانگنے سے انکار فرمایا، بلکہ قوم کی بھلائی کے لئے بارگاہِ خداوندی سے یوں طلبگار ہوئے۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۂ نوح، آیت ۲۶

اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ لوگ میرے منصب کو پہچانتے نہیں ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے جس عظیم الشان فضل غایت درجہ احسان بے حساب کریم النفسی اور انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملاحظہ تو فرمایئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں۔ شمعِ رسالت کے پروانوں کے جواب میں سکوت پر بھی اکتفا نہ فرمایا بلکہ زبانِ مبارک سے معافی کا اعلان فرما دیا مزید برآں یہ احسان فرمایا کہ بارگاہِ رب العزت سے ان کے لئے معافی اور ہدایت مانگی۔ ساتھ ہی اس شفقت رحمت کا سبب بھی بارگاہِ خداوندی میں لفظِ قومی کے ذریعے پیش کر دیا اور فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ کے ذریعے ان کی نامعقول حرکتوں کا بارگاہِ خداوندی میں عذر بھی پیش کر دیا۔

جب ایک شخص (ذوالخویصرہ، حرقوس بن زہیر) نے تقسیمِ غنائم کے وقت آپ پر اعتراض کیا اور کہا کہ عدل کیجئے کیونکہ آپ کی تقسیم رضائے الٰہی کے مطابق نہیں ہے —— اس کا جواب آپ نے ایسے الفاظ میں دیا کہ اس کی جہالت بھی واضح ہو گئی اور نصیحت بھی فرما دی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ افسوس! اگر میں بھی انصاف نہیں کرتا تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہیں کرتا تو بہت خسارے میں ہوں بعض صحابۂ کرام نے اُسے قتل کرنا چاہا تو شمعِ رسالت نے اپنے پروانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

ایک غزوہ میں آپ کسی درخت کے نیچے بوقتِ دوپہر تنہا قیلولہ فرما رہے تھے کہ اچانک غورث بن حارث ارادۂ قتل سے آپ کے پاس آپہنچا صحابۂ کرام اِدھر اُدھر آرام کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لئے کھڑا ہے۔ غورث نے کہا —— بتاؤ اب میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا —— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: اللہ۔ اتنا سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ تلوار اُٹھالی اور فرمایا کہ

اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا؟ ——— وہ بولا۔ آپ بہتر قابو پانے والے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا قصور معاف کر دیا اور اسے جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ غورث جب اپنی قوم میں واپس لوٹا تو کہنے لگا کہ میں بہترین انسان کے پاس سے آ رہا ہوں اور سارا واقعہ سُنایا۔

آپ کے عفو و درگزر کے اہم واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر مِلا کر آپ کو کھلا دیا تھا ——— یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس عورت نے اپنے جُرم کا اقرار بھی کر لیا تھا ——— ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ لبید بن اعصم یہودی کا آپ نے قصور معاف فرما دیا تھا حالانکہ اس نے آپ پر جادو کیا تھا اور بذریعہ وحی آپ کو سارے واقعے کا علم بھی ہو چکا تھا لیکن نہ آپ نے اس کا مواخذہ کیا اور نہ کسی قسم کا عتاب ہی ظاہر فرمایا ——— اسی طرح آپ نے عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے ساتھی منافقوں کی معاندانہ سرگرمیوں پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا۔ حالانکہ وہ قولاً اور فعلاً مخالفت پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے بلکہ ایک صحابی نے بعض منافقوں کے قتل کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں ایسا کرنے سے یوں کہہ کر منع فرمایا کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اور آپ نے موٹے کناروں والی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ایک اعرابی نے آپ کی اس چادر کو زور سے کھینچا جس کے باعث گردن مبارک پر نشان پڑ گیا۔ اس کے بعد اعرابی کہنے لگا کہ اے محمدؐ! میرے اِن دونوں اُونٹوں کو مال سے لاد دو۔ تم کچھ اپنے باپ کے مال سے تو نہیں دو گے۔ ——— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہی رہے اور صرف یہی فرمایا کہ واقعی مال تو اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں ——— پھر فرمایا کہ اے اعرابی! آپ سے اِس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا ——— اس نے کہا کہ

ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ آپ بُرائی کا بُرائی کے ساتھ بدلہ نہیں دیا کرتے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تبسم فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ پر جَو اور دوسرے پر کھجوریں لاد دو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے کسی ایسی زیادتی کا بدلہ کبھی نہیں لیا جس کا تعلق آپ کی ہی ذات سے ہو، ہاں محارمِ الٰہی کا معاملہ الگ ہے آپ نے کبھی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ماسوائے میدانِ جہاد کے اور اپنے کسی خادم یا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو کبھی نہیں پیٹا۔۔

ایک دفعہ آپ کی بارگاہ میں ایک ایسا شخص پیش کیا گیا جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ڈرو مت، اگر تم اپنے اِرادے پر قائم بھی رہتے تب بھی میرے قتل پہ قادر نہیں ہو سکتے تھے ——— اِسلام لانے سے پہلے زید بن سعنہ آپ سے قرض مانگنے آیا اور سخت کلامی سے پیش آتے ہوئے کہنے لگا کہ اے عبدالمطلب کی اولاد! تم بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تبسّم فرما رہے تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا۔ اے عمر! یہ اور مَیں تو کسی اور ہی بات کے حاجت مند تھے۔ تم مجھ سے اچھی طرح ادا کرنے اور اِس سے حُسنِ تقاضا کے لئے کہتے۔ پھر آپ نے زید بن سعنہ سے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دِن باقی ہیں ——— اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کرو اور بیس صاع اسے زیادہ دو کیونکہ تم نے اِسے ڈرایا دھمکایا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے حلم کو دیکھ کر زید بن سعنہ مسلمان ہو گئے

زید بن سعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی تمام نشانیاں دیکھ لی تھیں لیکن صرف دو امور دیکھنے باقی رہ گئے تھے۔ ایک یہ کہ اس نبی کے علم پہ جہل غالب نہیں آسکتا اور دوسری بات یہ کہ ان کے ساتھ جتنا

جاہلانہ سلوک ہوگا اتنا ہی ان کے حلم میں اضافہ ہوگا ——— پس میں نے یہ نازیبا سلوک کر کے آپ کو اِن دونوں باتوں میں آزمایا تھا جن میں آپ پورے اُترے۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلم، صبر اور عفو کے اِس قدر واقعات ہیں جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین کے لئے وہی واقعات کافی ہیں جو صحاح ستہ اور دیگر قابلِ اعتماد تصانیف سے بیان کر دیئے گئے ہیں اور یہ واقعات درجۂ تواتر اور حدِ یقین کو پہنچے ہوئے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں قریش نے آپ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی لیکن آپ نے ان حوصلہ شکن تکالیف کے مقابلے میں پورے صبر و تحمل ہی سے کام لیا، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے ان کے مقابلے میں آپ کو فتح وظفر سے نوازا اور وہ آپ کے زیرِ فرمان آ گئے حالانکہ وہ اپنی قوت و شوکت کے ٹوٹنے اور اپنی چہل پہل کی بربادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کامیاب ہونے پر آپ نے بانیانِ ظلم و ستم کے ساتھ عفو و درگزر ہی سے کام لیا اور انہیں مخاطب کر کے دریافت فرمایا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے گڑگڑا کر جواب دیا کہ ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ایک شریف انسان اور ایک شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو ایسے موقع پر میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام (نے اپنے بھائیوں سے) کہا تھا کہ:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ [۱]	آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

اور آپ نے ان سے مزید فرمایا:

---

[۱] پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۹۲

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ	جاؤ تم سب آزاد ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنعیم سے اسّی آدمی آئے تاکہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔ وہ سارے کے سارے پکڑے گئے اور جب بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ اسی وقت پر اللہ جل مجدہٗ نے آیۂ کریمہ نازل فرمائی تھی۔

هُوَالَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ لہ	اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے وادیٔ مکہ میں بعد اس کے کہ تمہیں اُن پر قابو دیدیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

وہ ابوسفیان جو بار ہا لشکرِ جرار لے کر آپ پر حملہ آور ہوتا رہا۔ آپ کے محترم چچا (سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور کتنے ہی صحابہ کرام کو شہید کروا چکا تھا اور شہادت کے بعد ان کا مثلہ کروایا تھا۔ جب وہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اُس کا قصور بھی معاف کر دیا اور بڑی نرمی اور شفقت سے گفتگو کرتے ہوئے اس سے فرمایا۔ ابوسفیان! کیا تجھ پر ابھی واضح نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، تجھ پر افسوس ہے۔ ابوسفیان عرض گذار ہوئے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تو بڑے حلیم و کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں ——— یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاذ و نادر ہی غصہ میں آتے تھے اور اگر کبھی غصہ آ بھی جاتا تو بہت جلد راضی ہو جاتے تھے۔ (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ)

لہ پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۴

فصل - ۱۴

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جود و کرم اور سخاوت و سماحت | معلوم ہونا چاہیئے کہ ان لفظوں کا مطلب ایک دوسرے کے قریب ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک کچھ فرق ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی ایسی چیز کو بطیب خاطر خرچ کیا جائے جو بڑی قدر والی اور بہت نفع دینے والی ہو، تو یہ کرم ہے، وہ اسے حریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو رذالت کی ضد ہے ——

سماحت یہ ہے کہ انسان بطیب خاطر اس چیز سے علیحدگی اختیار کرے جس کا دوسروں کے نزدیک بھی وہی مستحق ہو اور شکالت یعنی بدخلقی اس کی ضد ہے —— سخاوت یہ ہے کہ آسانی اور سہولت کے ساتھ خرچ کیا جائے اور ایسی کمائی سے بچا جائے جس کو لوگ اچھا نہ سمجھتے ہوں اور جود بھی یہی ہے جبکہ تقتیر یعنی کمی کرنا اس کی ضد ہے۔

ان خوبیوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تب بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی دوسری ہستی نظر نہیں آئے گی جس شخص نے بھی آپ کو جانا پہچانا وہی آپ کا مدح خواں ہو گیا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی سہید ابو علی صدفی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی، ان سے قاضی ابوالولید الباجی نے، ان سے ابوذر ہروی نے۔ ان سے ابوالہیثم الکشمینی نے اور ابو محمد السرخسی و ابواسحاق بلخی نے، ان سے ابو عبداللہ فربری نے ان سے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے، ان سے محمد بن کثیر نے، ان سے سفیان نے، انہوں نے ابن المنکدر سے سنا، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۸ھ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس چیز کا سوال کیا گیا تو آپ نے کبھی اس کا نفی میں جواب نہیں دیا اور اس کے مثل حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا سخاوت میں جواب نہیں اور رمضان المبارک میں تو آپ کا دریائے کرم انتہائی طغیانیوں پر آجاتا تھا جب جبرائیل علیہ السلام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو آپ کو تیز چلنے والی ہوا سے زیادہ سخی دیکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اتنی بکریاں تھیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ بھری ہوئی تھی۔ آپ نے وہ ساری بکریاں اُسے عطا فرما دیں۔ جب وہ اپنے قبیلے میں پہنچا تو قبیلے والوں سے کہنے لگا۔ بھائیو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنی سخاوت کرتے ہیں کہ مال کے ختم ہونے کا اندیشہ دل میں لاتے ہی نہیں۔

کتنے ہی مواقع پر آپ نے سو سو اُونٹ تک مرحمت فرما دیئے تھے ——— آپ نے صفوان بن سلیم کو سو اونٹ مرحمت فرمائے بلکہ اتنے ہی دوسری دفعہ اور اتنے ہی تیسری مرتبہ دیئے۔ آپ کی سخاوت کا یہی عالم اعلانِ نبوت سے پہلے بھی تھا ——— ورقہ بن نوفل کہا کرتے تھے۔ آپ بھاری کنبے والوں اور مجبور لوگوں کی کفالت فرماتے اور محتاجوں کے لئے مال کماتے ہیں ——— آپ نے قبیلہ ہوازن والوں کے چھ ہزار جنگی قیدی انہیں بغیر کسی معاوضے کے واپس کر دیئے تھے ——— ایک مرتبہ آپ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا سونا مرحمت فرمایا کہ وہ اسے اُٹھا بھی نہ سکے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بارگاہِ رسالت میں نوّے ہزار درہم پیش کئے گئے۔ آپ نے انہیں ایک چٹائی پر رکھوا لیا اور تقسیم فرمانے لگے۔ جو بھی سائل آتا آپ اسے عنایت فرماتے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ جب آپ سارے درہم تقسیم فرما چکے تو اس کے بعد ایک سائل اور آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے نام پر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لو، جب کسی جانب سے مال آئے گا تو تمہارے قرضے کی ادائیگی ہم کر دیں گے۔ اِس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! جس کام کی استطاعت نہیں وہ اللہ تعالیٰ نے ضروری

قرار نہیں دیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک انصاری عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ خرچ کرتے جائیں کیونکہ مالکِ عرش آپ کو مال کی کمی کا اندیشہ کبھی لاحق نہیں ہونے دے گا۔ یہ سماعت فرما کر آپ مسکرائے اور چہرۂ انور سے بشاشت کے آثار جھلکنے لگے۔ فرمایا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔

معوّذ بن عفرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے طباق میں رکھ کر تازہ کھجوریں اور چھوٹی چھوٹی ککڑیاں بارگاہ رسالت میں پیش کیں۔ آپ نے مجھے ایک ہتھیلی بھر سونا مرحمت فرمایا ——— حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی آنے والی کل کے لئے ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جود وسخا کے بے شمار واقعات مروی ہیں ——— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک شخص کسی غرض کے تحت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا آپ نے نصف وسق غلّہ کسی سے اُدھار لے کر اُسے مرحمت فرما دیا۔ جب قرض خواہ نے آپ سے تقاضا کیا تو آپ نے اسے پورا وسق عطا فرمایا اور بتا دیا کہ نصف تمہارا قرضہ ہے اور نصف ہماری عطا ہے۔

فصل ۔ ۱۴

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شجاعت اور استقلال

قوتِ غضب کو عقل کے تابع رکھنے کا نام شجاعت ہے اور یہ فضیلت ہے جب کہ انسان کو موت یا کسی نقصان کی جانب دھکیلا جائے یا اُسے اس جانب خود پیش قدمی کرنی پڑے تو وہ ثابت قدم اور مطمئن رہے اور کسی قسم کے خوف اور اندیشے کو اپنے اُوپر مسلّط نہ ہونے دے تو یہ استقلال ہے، جس کی تعریف کی جاتی ہے اور اسے کمالات میں شمار کیا جاتا ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اِن دونوں خوبیوں میں جو مقام ہے وہ کسی پہ پوشیدہ نہیں۔ بار ہا آپ کا سابقہ بڑے بہادروں اور مسلح لوگوں سے ہوا لیکن آپ اُن کے مقابلے پر ثابت قدم رہے۔ آپ نے کبھی پیچھے کی جانب جنبش نہیں کی نہ میدان سے منہ موڑا بلکہ ہمیشہ آگے ہی بڑھے حالانکہ آپ کے سوا ایسا کوئی بہادر نہیں جسے ایسے مواقع پر پیچھے ہٹنا نہ پڑا ہو۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو علی جیانی نے جس کی مجھے اجازت دی ہے، اُن سے حدیث بیان کی قاضی سراج نے۔ اُن سے ابو محمد اصیلی نے، اُن سے ابو زید فقیہ نے، ان سے محمد بن یوسف نے، ان سے محمد بن اسمٰعیل نے، اُن سے ابن بشار نے ان سے غندر نے، ان سے شعبہ نے، انہوں نے ابی اسحاق سے، انہوں نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے سُنا کہ ان سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ کیا تم حنین کے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو چھوڑ کر فرار پر مجبور ہو گئے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نہیں ڈرے تھے میں نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ایک سفید رنگ کے خچر پر سوار دیکھا جس کی رکاب ابو سفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام رکھی تھی۔ آپ برابر آگے بڑھ رہے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ (میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ یہ بھی فرما رہے تھے، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (میں عبد المطلب کی اولاد ہوں) اس روز ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے بڑھ کر دلیر نہیں دیکھا۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے علاوہ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ کمالِ جرأت استقلال کے باعث اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم خچر سے اُتر کر پیدل ہو گئے تھے

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۱ھ) نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت نقل کی ہے کہ جب (حنین کے روز) مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے ٹکرائے تو مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم برابر اپنے خچر کو کفار کی جانب بڑھاتے

جاتے تھے۔ میں (حضرت عبداللہ بن عباس) نے خچر کی لگام تھامی ہوئی تھی اور روکتا تھا کہ خچر تیزی سے زیادہ آگے نہ بڑھ جائے جبکہ ابوسفیان (بن حارث) نے رکاب تھامی ہوئی تھی پھر آواز دی، اے مسلمانو! ــــــــ (آخر حدیث تک کمافی الجامع الصحیح للمسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی غصے کا اظہار فرماتے تو صرف حقوق اللہ کے سلسلے میں اور اپنے کسی ذاتی معاملے کی بنا پر تو کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے ــــــــ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ بہادر اور سخی نہیں دیکھا ــــــــ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ جب میدانِ کارزار گرم ہو جاتا، گھمسان کا رن پڑتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ لیا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر تمام مجاہدین کی نسبت آپ کفار کے زیادہ نزدیک ہوتے تھے، چنانچہ جنگِ بدر میں بھی ہم آپ کی پناہ میں تھے حالانکہ آپ کفار کے بالکل قریب پہنچے ہوئے تھے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ آدمی بڑا بہادر شمار کیا جاتا جو گھمسان کی لڑائی کے وقت آپ کے نزدیک ہوتا کیونکہ آپ سب سے آگے اور کفار کے بالکل نزدیک ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت اور سیرت میں سب سے بہتر اور شجاعت و سخاوت میں سب سے ارفع و اکمل تھے ــــــــ ایک روایت میں ہے کہ ایک رات اہلِ مدینہ میں کچھ ہلچل مچی (کیونکہ ایسی آواز سُنی جو خطرے کے وقت دی جاتی تھی) کچھ لوگ آواز کی جانب لپکے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورتِ حال کا جائزہ لے کر واپس تشریف لا رہے ہیں۔ آپ آواز کی جانب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر فوراً چلے گئے تھے اور حالات کا جائزہ لے کر لوگوں کو واپس آتے ہوئے ملے۔ واپس ہوتے وقت آپ لوگوں سے فرما رہے تھے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ لشکرِ کفار جب نزدیک آتا تو

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم ہی پہلے وار کرنے والے ہوتے تھے ——— اُحد کے روز جب میدانِ جنگ میں ابّی بن خلف نے آپ کو دیکھا تو نام لے کر للکارنے لگا اور کہا کہ اگر آج محمّد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) زندہ رہ گئے تو میری خیر نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگِ بدر میں وہ قید ہُوا تھا اور رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اسے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ فدیہ دے کر لوٹتے وقت اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پال رکھا ہے جس کو روزانہ چار سیر دانہ کھلاتا ہوں اسی پہ سوار ہو کہ ایک روز آپ کو قتل کروں گا۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک روز تمہارا قصّہ میرے ہاتھوں پاک ہوگا ——— جنگِ اُحد میں ابّی بن خلف اسی گھوڑے پہ سوار تھا اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دیکھتے ہی اس نے تابڑ توڑ حملے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ کتنے ہی صحابۂ کرام اس کے مقابلے پہ آ ڈٹے تھے لیکن حبیبِ پروردگار نے سب کو ہٹنے کا حکم دیا اور حضرت حارث بن سمّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نیزہ لے کر آپ نے اُسے ہوا میں لہرایا اور اُبّی بن خلف سے معرکہ آرا ہوگئے اور اس کی گردن کو چھید دیا جس کے باعث وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس کی پسلی ٹوٹ گئی۔

جب اُبّی بن خلف واپس لشکرِ کفار میں پہنچا تو کہنے لگا کہ محمّد نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ کافر اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہتے تھے کہ تمہارا زخم تو بالکل معمولی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ جتنی تکلیف مجھے ہو رہی ہے اگر یہی کچھ سب کیساتھ ہوا تو یقیناً سارے مر جائیں گے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ محمّد نے کہا تھا کہ تجھے میں قتل کرونگا۔ خدا کی قسم اگر وہ کسی پہ تھوک بھی دیں تو اس کے ہلاک ہونے کے لئے یہی کافی ہے چنانچہ مکّہ مکرّمہ کی جانب لوٹتے وقت وہ سرف کے مقام پہ دم توڑ کر ہمیشہ کے لئے داصلِ جہنّم ہوگیا تھا۔

فصل - ۱۵

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیا اور چشم پوشی

حیا ایسی رقت کا نام ہے جو انسان کے چہرے پہ اس وقت طاری ہوتی ہے جب کوئی ایسا فعل واقع ہو جس کی کراہیت متوقع ہو یا جس فعل کے کرنے سے اُس کا نہ کرنا بہتر ہو اور جس قول یا فعل سے انسانی طبیعت ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہو، اُس سے اعراض کرنے کو چشم پوشی کہتے ہیں۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ باحیا اور اُن چیزوں سے نظر کو روکنے والے تھے جن کا چھپانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :

اِنَّ ذَالِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ	بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی، تو
فَیَسْتَحْیِ مِنْکُمْ وَاللّٰہُ لَا	وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق
یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ۔ ؎	فرمانے میں نہیں شرماتا۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اپنی سند کے ساتھ ابو محمد بن عتاب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالقاسم حاتم بن محمد نے، ان سے ابوالحسن قابسی نے، ان سے ابو زید مروزی نے، ان سے محمد بن یوسف نے، اُن سے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے، اُن سے عبدان نے، ان سے عبداللہ نے، انہیں خبر دی شعبہ نے قتادہ کے واسطے سے، انہوں نے عبداللہ مولیٰ انس سے سُنا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنواری پردہ دار لڑکیوں سے بھی زیادہ حیا میں بڑھے ہوئے تھے۔ جب آپ کسی بات کو ناپسند فرماتے تو ناپسندیدگی کے آثار چہرۂ انور سے پہچانے جا سکتے تھے۔

؎ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا چہرۂ انور ظاہر اور جسمِ اطہر نہایت ہی لطیف تھا آپ حیا اور کریم النفسی کے باعث کوئی بات بالمشافہ اس طرح کھل کر نہیں کہتے تھے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تک کسی کی کوئی ایسی بات پہنچتی جو آپ کو پسند نہ ہوتی تو آپ یہ نہیں فرماتے تھے کہ فلاں نے ایسا کیوں کہا یا ایسا کیوں کیا، بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے جبکہ وہ یوں کہتے یا ایسا کرتے ہیں گویا اس طرح اس ناپسندیدہ قول یا فعل سے منع بھی فرما دیتے اور فاعل کا نام تک ظاہر نہیں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اس کے جسم یا کپڑوں پہ زردی کا نشان تھا۔ آپ نے اُس سے کچھ نہیں فرمایا کیونکہ کسی کی ناپسندیدہ بات دیکھ کر آپ بالمشافہ اس سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اس سے کہہ دینا کہ رنگ کو اپنے جسم یا کپڑوں سے دھو ڈالے۔

صحیح حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کبھی بیہودہ الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے نہ تکلّف فرماتے نہ بازاروں میں چلّاتے نہ برائی کا بدلہ بُرائی سے دیتے بلکہ معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے۔

تورات شریف میں بھی آپ کے ایسے ہی اوصاف مذکور ہیں جن کی عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حکایت کی ہے اور حضرت صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ شرم و حیا کے باعث کسی کے چہرے پر نگاہیں نہیں جماتے تھے۔ اگر کبھی کسی ناپسندیدہ بات کا ذکر کرنا پڑ جاتا تو بطورِ کنایہ اس کا ذکر فرماتے تھے۔ یہ بھی حضرت صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ستر مبارک (شرم و حیا کے باعث) کبھی نہیں دیکھا۔

فصل ۱۶۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حُسنِ سلوک، حُسنِ ادب اور دلجوئی

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخلوقِ خدا کے ساتھ جو حُسنِ سلوک، حُسنِ ادب اور دلجوئی کا برتاؤ تھا اس میں آپ کا درجہ اتنا بلند تھا کہ ان کی صحیح خبروں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے ——— حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے اور حسنِ سلوک کرنیوالے بندہ نواز تھے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے۔ ابوالحسن علی بن مشرف نماطی رحمۃ اللہ علیہ نے، ان سے ابواسحاق حبال نے، ان سے ابومحمد بن النحاس نے، ان سے ابن الاعرابی نے، ان سے امام ابوداؤد نے، ان سے ہشام بن ابومروان اور محمد بن المثنیٰ نے، ان سے ولید بن مسلم نے، اُن سے امام اوزاعی نے، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے سُنا، وہ فرماتے کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے کہ قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوئے اور پورا واقعہ بیان فرمایا جس کے آخر میں فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد ماجد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری پر کپڑا ڈال کر آپ کی خدمت میں پیش کی جب آپ سوار ہو گئے تو والد محترم نے فرمایا۔ اے قیس! تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنے ساتھ سوار ہونے کے لئے فرمایا۔ میں نے ازراہِ ادب سوار ہونے سے معذوری ظاہر کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ یا واپس لوٹ جاؤ۔ مجبوراً مجھے واپس لوٹنا پڑا ——— دوسری

روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان سے آگے بیٹھنے کے لئے فرمایا تھا کیونکہ آگے بیٹھنے کا حق اسی کا ہے جس کی سواری ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ تالیفِ قلوب فرمایا کرتے تھے۔ ہر قوم کے معزز افراد کا اعزاز و اکرام فرماتے اور ان پہ اسی کو والی مقرر کرتے تھے لوگوں کو خوفِ خدا یاد دلاتے، عام لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرتے لیکن کسی کیساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آتے۔ اپنے اصحاب کے ہاں بھی تشریف لے جاتے، ہر شریکِ مجلس کو اُس کی شان کے مطابق حق دیتے۔ جس کے باعث شمعِ رسالت کا ہر پروانہ یہی گمان کرتا کہ آپ کی خصوصی نظرِ کرم میرے ہی حال پر ہے۔ جب آپ کسی کو اپنے پاس بٹھاتے یا کوئی حاجت لے کر آتا تو آپ اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہتے جب تک وہ خود اجازت لے کر چلا نہ جاتا۔ اگر کوئی حاجت پیش کرتا تو اُسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، اگر کچھ بھی میسر نہ آتا تو دل نواز سخن سے مالا مال فرما دیتے آپ تمام لوگوں سے وسیع القلب اور وسیع الاخلاق تھے۔ آپ سب کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے اور سب پر آپ کی نظرِ کرم یکساں تھی۔

ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپکی توصیف میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ پھول کے مانند کھلے رہتے تھے خوش اخلاق اور نرم خُو تھے۔ آپ بداخلاق سنگ دل، بازاروں میں چلانے والے، بدکلامی کرنے والے، دوسروں میں کیڑے نکالنے والے اور چاپلوس بالکل نہیں تھے۔ جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی آپ اس کی جانب توجہ نہیں فرماتے تھے۔ کوئی سائل آپ کی بارگاہِ عالی سے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔ باری تعالیٰ نے آپ کے یہ اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب!
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا	تم اُن کے لئے نرم دل ہوئے، اگر تند مزاج
نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ	سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ؕ [1]

پریشان ہو جاتے۔ تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

اور دوسرے مقام پر آپ کے یہ اوصاف یوں بیان کئے ہیں:۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ [2]

برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی۔ ایسا ہو جائیگا جیسا کہ گہرا دوست۔ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور ایسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا تو آپ ضرور قبول فرماتے۔ ہدیہ خواہ کتنا ہی ہلکا یا کم قیمت کیوں نہ ہوتا۔ آپ قبول سے انکار نہ فرماتے اور اس کے بالمقابل آپ ہدیہ دینے والے کو نوازتے ـــــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا اور اس عرصے میں آپ نے مجھ سے کبھی اُف تک نہ فرمایا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور جب کوئی کام نہ کیا تو کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر کسی کا اخلاق نہیں تھا، جب بھی آپ کے صحابہ یا اہل بیت میں سے کسی نے بلایا تو فوراً اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ـــــــ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے تھے کہ جب سے میں مسلمان ہوا کبھی مجھے آپ نے اپنے پاس آنے

---

[1] پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹
[2] پارہ ۲۴، سورۂ حم السجدہ، آیت ۳۴، ۳۵

سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو تبسم فرماتے ہی دیکھا ــــــ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی دلنوازی فرماتے۔ ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ ان کے بچوں کی دلجوئی فرماتے اور انہیں گود میں اٹھا لیا کرتے تھے۔ ہر آزاد، غلام، لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کے کسی گوشے میں کوئی بیمار پڑ جاتا تو آپ اس کی عیادت فرماتے اور عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیا کرتے تھے۔

آداب مجلس

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص بات کرنے کے لئے آپ کے گوشِ مبارک سے منہ لگاتا تو آپ سر کو پیچھے نہیں ہٹاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ شخص خود ہٹ جاتا۔ جب بھی کسی نے آپ کے دستِ مبارک کو پکڑا تو آپ نے کبھی اپنا ہاتھ نہ چھڑایا۔ جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا ــــــ صحابہ کرام سے مصافحہ کرنے میں آپ پہل کرتے۔ جب بھی کوئی شخص ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُسے پہلے سلام کرتے۔ اپنے اصحاب کے درمیان آپ کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے جس سے دوسروں کو تنگی ہو ــــــ جو شخص آپ کے پاس حاضر ہوتا آپ اُس کی عزت کرتے اور بعض اوقات اس کے لئے کپڑا بچھا دیتے یا تکیہ عنایت فرما دیتے تھے۔ اگر کوئی صحابی انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے بٹھاتے اور بعض اوقات اسے بیٹھنے کے لئے قسم تک دیتے تھے۔

مخلوق کی حاجت روائی

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو پیارے پیارے ناموں اور القاب سے پکارتے تھے۔ کسی کی بات نہ ٹوکتے۔ اگر کوئی کلام میں تجاوز کرتا تو اُسے روک دیتے یا خود اٹھ کر چلے جاتے ــــــ اگر کوئی شخص آپ کے پاس ایسے وقت آتا کہ آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آپ نماز کو مختصر فرما دیتے تھے۔ اس شخص کی ضرورت معلوم کر کے پہلے اس کی حاجت روائی فرماتے پھر اس کے

بعد نماز میں دوبارہ مشغول ہو جاتے ـــــــ نزولِ قرآن، وعظ اور خطبے کے علاوہ آپ تبسم ریز اور ہشاش بشاش نظر آتے تھے ـــــــ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر تبسم کا خوگر کسی کو نہیں دیکھا ـــــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ يَأْتُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يُؤْتَى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا وَرُبَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ يُرِيْدُوْنَ بِهِ التَّبَرُّكَ [۹۵]

مدینہ منورہ کے خدام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور اپنے برتنوں میں پانی بھر کر لاتے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو جاتے تو اُن کے پانی کے برتنوں میں ہاتھ ڈبوتے جاتے حالانکہ بعض اوقات صبح کو سخت سردی بھی ہوتی۔ ایسا کرنے سے ان لوگوں کا مقصد برکت حاصل کرنا تھا۔

فصل ۔ ۱۷

مخلوقِ خدا پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت و رحمت

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ [۱]

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

---

[۱] پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ [1] — اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصائص سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے دو نام آپ کو مرحمت فرمائے ہیں جیسا کہ ارشادِ باریتعالیٰ ہے کہ میرا حبیب ایمان والوں پر رؤف اور رحیم ہے —— اور اسی کے مثل امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حکایت کی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جیسا کہ ابو محمد عبداللہ بن محمد الخشنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی امام الحرمین ابو علی طبری نے، ان سے عبدالغافر فارسی نے، ان سے ابو احمد جلودی نے، ان سے ابراہیم بن سفیان نے، ان سے امام مسلم بن الحجاج نے، ان سے ابو طاہر نے، انہیں خبر دی ابن وہب نے، انہیں یونس نے، ان سے ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک غزوہ کیا تو صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو اونٹ مرحمت فرمائے، پھر دوسری مرتبہ اتنے، پھر تیسری مرتبہ اتنے۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۴ھ) نے یہ حدیث کی اور کہا کہ حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان عطیات سے پہلے میرے نزدیک ساری خلق سے مبغوض تھے لیکن آپ اپنے دریائے کرم سے سیراب ہی فرماتے رہے تو میرے نزدیک آپ ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے۔

اعرابی کی تالیفِ قلب

کہ ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا: آپ نے اسے کچھ مرحمت فرمایا اور پوچھا کہ میں نے تمہارے کیسا سلوک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ نے میرے ساتھ کوئی خاص سلوک نہیں کیا

---

[1] پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۰۷۔

کیونکہ اپنی شان کے مطابق نوازش نہیں فرمائی۔ صحابہ کرام کو غصہ آیا اور اس پر ٹوٹ پڑے تو آپ نے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کے بعد آپ قصرِ نبوت میں تشریف لے گئے اور مجلس آکر اُسے خوب نوازا اور پھر پوچھا کہ میں نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اہل و عیال اور رشتہ داروں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پہلے جواب سے میرے اصحاب کے دلوں میں کدورت آگئی ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو اپنا موجودہ جواب شمع رسالت کے پروانوں کے حضور دُہرا دینا تاکہ اُن کے دلوں سے کدورت نکل جائے اگلے روز یا بوقتِ شام وہ اعرابی پھر آیا تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہی اعرابی ہے جس نے ناگوار بات کہی تھی۔ اس کے بعد ہم نے اُسے اور مال مرحمت فرمایا تو وہ خوش ہو گیا یہ فرما کر آپ نے اعرابی سے اپنے بیان کی تصدیق چاہی تو اعرابی کہنے لگا کہ واقعی آپ نے بہت اچھا سلوک فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اہل و عیال اور رشتہ داروں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ اس واقعہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی ناقہ بدک گئی ہو۔ وہ اسے پکڑنے کے لئے دوڑ رہا تھا تو کتنے ہی اور آدمی بھی دَوڑ کر اُسے پکڑنے لگے تو وہ اور بھی بدکنے اور ڈرنے لگے : مالک نے دوسرے آدمیوں کو ہٹاتے ہوئے کہا کہ تم اونٹنی اور میرے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ وہ ہٹ گئے تو ناقہ ایک جگہ چرنے لگی اور مالک نے اُس کو پکڑ کر بٹھا لیا اور کجاوہ کس کر سوار ہو گیا ——— آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ اگر تم اُسے ناگوار بات سُننے کے بعد قتل کر دیتے تو وہ واصلِ جہنم ہوتا۔

اُمت پر شفقت | نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے

کوئی شخص میرے اصحاب کی برائی مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے جُدا ہوتے وقت بھی میرا سینہ صاف ہو ——— رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے حال پر جو شفقت تھی یہ سلوک بھی اسی کا حصہ ہے کہ امت کے لئے تخفیف اور آسانی کے طلبگار رہتے تھے اور کتنی ہی باتوں کو آپ نے محض اس لئے ناپسند فرمایا کہ وہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے امت کی مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا ——— نیز نمازِ تراویح[۵] پڑھانے سے انکار فرما دینا ——— نیز صومِ وصال سے صحابۂ اکرام کو روک دینا ——— نیز امت کی مشقت کے پیشِ نظر دخولِ خانۂ کعبہ کو پسند نہ کرنا ——— نیز اپنے رب کی جانب متوجہ ہو کر عرض کرنا کہ اگر کسی کے لئے میں نے نقصان کی دعا یا لعنت کی ہے تو اُسے رحمت میں بدل دیا جائے ——— نیز جب آپ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو ازراہِ شفقت نماز میں تخفیف فرما لیتے ——— نیز اپنے رب سے دعا کرنا اور عہد لینا کہ جس آدمی کو میں نے بُرا بھلا کہا ہو یا لعنت کی ہو تو میرے ان لفظوں کو اس کے لئے پاکیزگی، رحمت، عبادت، طہارت اور قرب میں بدل دیا جائے تاکہ قیامت میں وہ مجھ سے قریب ہو جائے۔

دُعائے رحمت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحمت و شفقت کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ جب قوم نے آپ کو جھٹلایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ باری تعالیٰ نے اس جواب کو سن لیا جو قوم

---

[۵] جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے تین رات نماز پڑھائی اور اس کے بعد فرض ہو جانے کا اندیشہ دیکھتے ہوئے مزید پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ آئندہ اپنے گھروں میں پڑھا کرو چنانچہ ارشاد ہُوا کہ فَصَلُّوْا اَیُّھَا النَّاسُ فِی بُیُوْتِکُمْ۔ خَشِیْتُ اَنْ یُکْتَبَ عَلَیْکُمْ۔

کی طرف سے آپ کو مِلا ہے لہٰذا خالق و مالک نے پہاڑوں کے نگران فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ انہیں جو بھی حکم دیں گے اس کی تعمیل کی جائے گی۔ ملکِ جبال نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر آپ حکم فرمائیں تو مَیں فلاں پہاڑ کو اٹھا کر کافرانِ قریش پہ رکھ دوں۔ سب کچھ سماعت فرمانے پر اُس مجسمۂ رحمت نے صفحاتِ تاریخِ عالم پہ یہ عظیم الشان فیصلہ ثبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اِن کی نسلوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور صرف ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کریں گے۔ مَیں اِن کے بارے میں پُرامید ہُوں۔

ابن المکندر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضرت رُوح الامین علیہ السّلام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو آپ کی اطاعت کا حکم دے دیا ہے، لہٰذا آپ جو حکم بھی فرمائیں گے یہ سرِ تسلیم خم کر کے اس کی تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا مَیں دُور رس نتائج کے پیشِ نظر عذاب میں تاخیر چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا کرم ہو اور انہیں توبہ کی توفیق میسّر آجائے۔

اُونٹ سے نرمی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (المتوفی ۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہماری پریشانیاں دُور کرنے کی خاطر گاہے بگاہے دلجوئی فرماتے رہتے تھے۔۔۔۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز مَیں ایسے اُونٹ پہ تھی جو مجھے تنگ کر رہا تھا تو مَیں نے اسے اِدھر اُدھر دوڑانا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ نرمی اختیار کرو۔

فصل ۱۸

حُسنِ عہد اور صلہ رحمی

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابوعامر محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ ان سے حدیث بیان کی ابوبکر محمد بن محمد نے، اُن سے ابواسحاق حبّال نے

ان سے ابو محمد بن النحاس نے، ان سے ابن الاعرابی نے، ان سے امام ابوداؤد نے، ان سے محمد بن یحییٰ نے، ان سے محمد بن سنان نے۔ ان سے ابراہیم بن طُہمان نے۔ انہوں نے بدیل سے انہوں نے عبدالکریم بن عبداللہ سے۔ انہوں نے ابن شفیق سے، انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عبداللہ بن ابی حمساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی کہ مَیں نے اعلانِ نبوّت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک سودا کیا تھا۔ آپ کا کچھ مال میرے ذمے باقی رہ گیا تو میں نے وعدہ کیا کہ مَیں ابھی لے کر حاضرِ خدمت ہوتا ہوں۔ آپ اسی جگہ تشریف رکھیں۔ مَیں گھر جا کر اپنے وعدے کو بھول گیا اور تیسرے روز مجھے یاد آیا تو مال لے کر آپ کی جانب چل پڑا۔ دیکھا تو آپ اسی جگہ کھڑے انتظار فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے نوجوان! تم نے مجھے تکلیف دی ہے کیونکہ مَیں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جب ہدیہ پیش کیا جاتا۔ تو آپ فرماتے۔ اسے فلاں عورت کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلی ہے اور ان سے محبت کیا کرتی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنا غبطہ میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیا کرتی اتنا کسی دوسری عورت پر نہیں کیا۔ کیونکہ مَیں سنتی تھی کہ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر انہیں یاد فرماتے۔ آپ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے لئے ہدیہ بھیجتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ ایک دفعہ دروازہ پر آ کر اندر آنے کی اجازت طلب کرنے لگیں تو آواز سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور ان کی جانب لپکے، اسی طرح ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی تو آپ نے بطریقِ احسن اس کا حال دریافت کیا اور دلجوئی فرمائی۔ جب وہ چلی گئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا کرتی تھی اور فرمایا کہ حُسنِ عہد ایمان کی نشانی ہے۔

بعض سلف صالحین نے توصیف مصطفےٰ میں فرمایا ہے کہ آپ سب کے ساتھ صلہ رحمی

فرماتے تھے لیکن فضیلت کا حافظ بھی فرماتے تھے ـــــــــ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی نواسی یعنی امامہ بنتِ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گود میں اٹھا کر نماز پڑھی۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو انہیں اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اُٹھا لیتے۔

شاہِ حبشہ کے وفد سے حُسنِ سلوک حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ نجاشی شاہِ حبشہ کا وفد بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو آپ نے خود ان کی خاطر و مدارات فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! خدمت کے لئے آپ کے غلام کافی ہیں۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں نے اپنے ملک میں ہمارے ساتھیوں کا شایانِ شان خیر مقدم کیا تھا۔ میں اس احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔

قبیلہ ہوازن کے قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ اس کے بعد زبانِ حق ترجمان سے فرمایا کہ اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہو تو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا جائے گا اور اگر واپس اپنے قبیلے میں جانا چاہو تو اپنے ساز و سامان سمیت واپس جا سکتی ہو۔ انہوں نے اپنی قوم میں واپس جانا پسند کیا تو آپ نے کافی سامان اور مال و دولت دے کر انہیں واپس بھیج دیا۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچپن کے دنوں میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک عورت آئی۔ جب قریب ہوئی تو آپ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ وہ بیٹھ گئی تو میں نے دُوسروں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک رضاعی والدہ ہیں۔

عمرو بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ

تشریف فرما تھے کہ آپ کا ایک رضاعی باپ آگیا۔ آپ نے ان کے لئے کپڑا بچھا دیا۔ جس پر وہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رضاعی والدہ آگئیں تو اس کے لئے کپڑے کا دوسرا حصہ پھیلا دیا۔ جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کا رضاعی بھائی آگیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا ——— اسی طرح حبیبِ خدا آ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی رضاعی والدہ ثویبہ کے لیئے پہننے کے ... کپڑے بھیجا کرتے تھے جن میں ابولہب نے آزاد کر دیا تھا۔ جب وہ فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کے قریبی رشتہ داروں کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اُن کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے۔

حضرت امّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دیگا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے، عاجزوں کے سر کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، غرباء کو مال و دولت مرحمت فرماتے، مہمان نوازی کرتے اور حقوق اللہ میں لوگوں کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔

ے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں:- وارضعتہ صلی اللہ علیہ وسلم ثویبۃ عتیقۃ ابی لہب اعتقہا حین بشرتہ بولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد رُأیَ ابی لہب بعد موتہ فی النوم فقیل لہٗ ماحالُکَ قال فی النار الّا انّہٗ خفف کل لیلۃ اثنین وامص من بین اصبعی ھاتین ماءً و اشار الی رأس اصبعیہ وانّ ذالک باعتاقی لثویبۃ عند ما بشرتنی بولادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ما ثبت من السنۃ مطبوعہ لاہور، ص ۵۹، ۶۰) ———
(ترجمہ) ثویبہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ انہیں اس وقت آزاد کیا گیا تھا جب انہوں نے ابولہب کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تھی۔ ابولہب کی وفات کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو کہا کہ آگ میں ہوں مگر ہر سوموار (پیر) کی رات کو کچھ تخفیف ہو جاتی ہے اور ان دو انگلیوں سے کچھ پانی

فصل ۱۹

نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تواضع

معلوم ہونا چاہیئے کہ علوِ منصب اور رفعتِ مرتبہ کے باوجود سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام لوگوں سے زیادہ متواضع تھے اور تکبّر کا آپ کے نزدیک

(بقیہ صفحہ) جاری ہو جاتا ہے جو پی لیتا ہوں اور اپنی دونوں انگلیوں کے پوروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اِن کے اشارے سے ثویبہ کو مَیں نے آزاد کیا تھا کیونکہ اس نے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیدائش کی بشارت سنائی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ واقعہ کے تحت سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیدائش کی خوشی کے ثمرات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: قال ابن الجوزی فاذا کان هٰذا ابولهب الکافر الذی نزل القرآن بمذمته جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی صلی الله علیه وسلم فما حال المسلم من امته یسر بمولده و یبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته صلی الله علیه وسلم. لعمری انما کان جزاءه من الله الکریم ان یدخله بفضله العمیم جنات النعیم ولا یزال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده صلی الله علیه وسلم ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقرأة مولده الکریم ویظهر علیهم من مکانه کل فضل عمیم ومما جرب من خواصه انه امان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل البغیة والمرام فرحم الله امرءً اتخذ لیالی شهر مولده المبارک اعیادا لیکون اشد غلبة علی من فی قلبه مرض وعناد۔ (ما ثبت من السنة، ص ۔۔)

(ترجمہ) ابنِ جوزی فرماتے ہیں کہ جب ابولہب جیسے کافر کو جس کی مذمت قرآنِ کریم میں وارد ہوئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیدائش کی خوشی منانے کا صلہ ملا تو غور فرمایئے کہ جو مسلمان، آپ کا امتی، اپنے آقا و مولیٰ، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت باسعادت کی خوشی منائے اور آپ کی محبت میں

سے بھی گزر نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں طالبِ حقیقت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی عبد ——— تو آپ نے نبی عبد بننا پسند فرمایا تھا۔ حضرتِ اسرافیل علیہ السّلام نے اس وقت بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہوئے مژدہ سنایا تھا کہ آپ کی اس تواضع کے باعث اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ بروزِ قیامت آپ جملہ بنی آدم کے سردار ہوں گے، سب سے پہلے آپ قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے اور گنہگاروں کی سب سے پہلے شفاعت آپ ہی فرمائیں گے۔

(بقیہ صفحہ) سب استطاعت مال خرچ کرے تو اُسے کتنا صِلہ ملے گا۔ مجھے اپنی جانِ عزیز کی قسم، یقیناً اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی بدلہ ملے گا کہ اس پر فضل وکرم کی عام بارش ہوگی اور آرام وہ جنت میں اسے ٹھکانا دیا جائیگا ——— اور مسلمان تو ہمیشہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادتِ مبارکہ کی خوشی میں محفلیں کرتے آئے ہیں اور آپ کی پیدائش کے مہینے میں ضیافتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی راتوں میں مختلف طریقوں سے صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے۔ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتے اور میلادِ پاک پڑھنے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں جس کے سلسلے میں ان پر فضل وکرم کی عام بارش ہوتی رہتی ہے۔ محفلِ میلاد کی یہ خاصیت آزمائی ہوئی ہے کہ اس کی بدولت سال بھر امان ملتی ہے اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ جو شخص اس ماہِ مبارک کی راتوں کو روزِ عید کی طرح گزارے اُسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازے تاکہ اس خوشی منانے کی باعث بغض وعناد کے مارے دشمنانِ رسول جل بھن کر رہ جائیں۔

۷ـ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم شفیع المذنبین ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس بات کا خوب چرچا کیا اور سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس امر کا اتنی مرتبہ اعلان فرمایا کہ احادیث کے دفتر لبریز ہیں۔ ایسی آیات اپنے معانی میں ظاہر اور احادیثِ مطہرہ متواتر و متکاثرہ ہیں لیکن بُرا

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے فقیہ ابوالولید بن العواد رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبہ میں اپنے دولت خانے پر ۵۰۸ھ میں اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی۔ وہ فرماتے تھے کہ ان سے حدیث بیان کی حافظ ابو علی نے، ان سے ابو عمر نے۔ ان سے ابن عبدالمومن نے۔ ان سے داسہ نے۔ ان سے امام ابو داؤد نے، ان سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے، اُن سے عبداللہ بن نمیر نے، انہوں نے مسعر سے، انہوں نے ابی العنبس سے، انہوں نے ابی مرزوق سے انہوں نے ابی غالب سے اور انہوں نے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عصائے مبارک پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے۔ ہم تعظیم بجالانے کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ تو فرمایا عجمیوں کی طرح کھڑے مت ہُوا کرو جو آپس میں ایک دوسرے کی حد سے بڑھ کر تعظیم کیا کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ مَیں بھی اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہوں، جس طرح دوسرے بندے کھاتے ہیں اسی طرح مَیں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح دوسرے بیٹھتے ہیں ویسے ہی مَیں بھی بیٹھتا ہوں۔ ۵ے

(بقیہ صفحہ) ہو بغض و عناد کا کہ امام الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو ان میں سے کچھ نظر نہیں آیا اور جسطرح چمگادڑ سورج کی روشنی کا انکار کرتا ہے اسی طرح وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس خصوصیت کا انکار کر کے بار بار یوں لکھتے ہیں:- (۱) آسمان و زمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں کہ اس کو مانیے اور اس کو پکاریے تو کچھ فائدہ یا نقصان پہنچے۔ (تقویۃ الایمان مطبوعہ اثرن پریس) (۲) جو کوئی کسی کو اپنا حمایتی سمجھے گو یہی جان کر کہ اس کے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے، سو وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور اللہ کا ناشکرا ہے (ص ۳۲) (۳) اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں مَیں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔ ص ۸۷)۔ (۴) رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (ص ۱۰۷) اللہ تعالیٰ ان کے متبعین کو ہدایت دے (آمین)

۵ے یہ تواضع کے الفاظ ہیں۔ بڑوں کا تواضع کے طور پر کچھ فرمانا دلیل عظمت و کمال ہے لیکن چھوٹے انہیں سند بنا کر اگر بڑوں کیلئے وہی الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیں تو گستاخی اور بے ادبی ہے۔ بادشاہ قوم سے کہے کہ مَیں تمہارا خادم ہوں تو بجا ہے لیکن قوم اسے خادم کہے تو بد تمیز اور گستاخ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر سواری بھی فرما لیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ سواری پر دوسرے کو بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ مساکین کی تیمارداری کرتے اور غریبوں کی مجلس میں بیٹھ جاتے تھے۔ غلاموں کی دعوت بھی قبول فرما لیتے اور اپنے اصحاب سے اکثر مجالست رکھتے تھے اور مجلس میں اُن کے درمیان جہاں جگہ ملتی آپ اس جگہ بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری تعریف میں اس قدر مبالغہ نہ کرنا جتنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں نصاریٰ نے کیا (یعنی مجھے خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنا) میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ میرے متعلق یہی کہنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ ایک کم عقل عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے فلاں کی والدہ بیٹھ جاؤ، مدینہ منورہ میں جہاں بھی تمہارا کام ہوگا۔ میں اسے کرونگا (انشاء اللہ تعالیٰ)۔ جب تک اس عورت کی حاجت پوری نہ ہوئی وہ بیٹھی رہی اور اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی جگہ رہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہ بھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر سواری بھی فرما لیا کرتے تھے اور غلاموں تک کی دعوت قبول کر لیتے میں تامل نہیں فرماتے تھے جس روز بنو قریظہ قتل ہوئے اس روز آپ ایسے گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کی رسیوں کا پالان تھا اور جَو کی روٹی یا رنگ بدلی ہوئی چربی سے پکائے ہوئے کھانے پر بھی آپ کو بلایا جاتا تو انکار نہیں فرماتے تھے۔

ان سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پرانی کاٹھی پر سوار ہو کر حج کیا تھا جس پر لکیر دار کپڑا پڑا ہوا تھا اور جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ اس موقع پر آپ

دعا فرمائی تھی کہ:- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا لَا رِیَآءَ فِیْہِ وَلَا سُمْعَۃَ (اے اللہ! تو اسے حج مبرور بنا دے جو کسی کے دکھانے یا سنانے کے لئے نہ ہو) ـــــــ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو سواری پہ تواضع سے اپنا سرِ اقدس اس قدر جھکا یا ہوا تھا کہ گھٹنوں سے لگتا تھا۔

قربان جائیں آپ کی تواضع کے جبکہ فرمایا کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پہ فضیلت نہ دو اور انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو اور مجھے موسیٰ علیہ السلام سے نہ بڑھاؤ ابراہیم علیہ السلام سے ہم شک کے زیادہ حق دار ہیں۔ نیز فرمایا کہ جتنی تکالیف یوسف علیہ السلام کو زندان میں اٹھانی پڑی اگر میں اُن سے دوچار ہوتا تو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ اُٹھتا۔ ایک شخص نے مخاطبے کے وقت آپ کے لئے خیر البریّہ کا لفظ استعمال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ـــــــ آپ کے یہ جملہ ارشادات تواضع کے طور پہ ہیں ورنہ یہ تو یقینی بات ہے کہ آپ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں حضرت عائشہ صدیقہ، حسن، ابو سعید خدری اور کتنے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایات میں آپ کی افضلیت مذکور ہے۔

بعض صحابہ کرام کی مرویات میں آپ کی تواضع کے بارے میں یہ بھی ہے کہ آپ گھریلو کاموں میں بھی مشغول ہو جاتے تھے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے، بکری دوہتے، کپڑوں کو پیوند لگا لیتے۔ نعلین مبارک کی مرمت کر لیتے، اپنے ذاتی کام کرتے، گھر کا انتظام کرتے، اونٹ خود باندھتے، اونٹوں کے آگے چارہ ڈال دیتے۔ غلام کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیتے بلکہ اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے اور بازار سے اپنا سودا سلف خود اُٹھا لاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ کی لونڈیوں میں سے اگر کوئی آپ سے اعانت کی طلبگار ہوتی تو آپ اس کی اعانت فرماتے۔ جہاں وہ لے جانا چاہتی وہاں تشریف لے جاتے اور اس کی حاجت پوری کر کے لوٹتے۔ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ تو

اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو میں کوئی دنیاوی بادشاہ تو نہیں ہوں۔ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ بازار گیا۔ آپ نے شلوار کے لئے کپڑا خریدا۔ رقم گننے والے سے فرمایا کہ قیمت ادا کر دو بلکہ کچھ زیادہ دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے یہ سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا وہ دوکاندار رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دستِ کرم کو بوسہ دینے کے لئے لپکا تو آپ نے ہاتھ مبارک پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہلِ عجم کا وطیرہ ہے۔ وہی اپنے بادشاہوں کی ایسی تعظیم کرتے تھے۔ میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوں بلکہ تم میں سے ایک فرد ہوں اس کے بعد آپ نے کپڑا اٹھا لیا۔ میں اٹھانے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے ارشاد فرمایا ـــــ مالک اپنی چیز کو اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

فصل ۲۰

عدل، امانت، عفت اور صداقت مصطفےٰ کا بیان

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سب لوگوں سے بڑھ کر امین اور قول کے سچے تھے۔ آپ کے مخالفین و معاندین کو بھی اس امر کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اعلانِ نبوّت سے پہلے آپ کو امین کہا کرتے تھے ـــــ۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو تمام اخلاقِ صالحہ کا مجموعہ بنایا تھا۔ بایں وجہ آپ کو امین کہا جاتا تھا۔ اکثر مفسّرین نے ارشادِ باری تعالیٰ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ بابرکات مراد لی ہے۔

تعمیرِ خانۂ کعبہ کے وقت جب قریش میں اختلاف رُونما ہوا، وجہِ اختلاف یہ تھی کہ حجرِ اسود کو اٹھا کر کون اس کی جگہ پہ رکھے گا۔ آخر سب اس بات پر متفق ہوئے کہ کل صبح جو بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہو اس کا فیصلہ سب کے لئے قابلِ تسلیم ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سب سے پہلے خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے۔ حالانکہ یہ اعلانِ نبوّت سے پہلے کی بات ہے لیکن لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ واقعی یہ اِس اعزاز کے اوّلین حقدار ہیں اور مسرّت و شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ان کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں ۔۔۔۔۔۔

ربیع بن خیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دورِ جاہلیت میں لوگ آپ سے فیصلے کروایا کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم، میں آسمانوں میں امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ، مصنّف کتاب ہذا فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علی صدفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابو الفضل بن خیرون نے، ان سے ابو یعلی بن زوج الحرۃ نے، ان سے ابو علی سنجی نے، ان سے محمد بن محبوب المروزی نے۔ ان سے حافظ ابو عیسیٰ نے، ان سے ابو کریب نے ان سے معاویہ بن ہشام نے، انہوں نے سفیان سے۔ انہوں نے ابی اسحاق سے، انہوں نے ناجیہ بن کعب سے اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کہا کہ ہم آپ کی تکذیب تو نہیں کرتے بلکہ جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں ہم تو صرف اُسے جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ؀ [1]	تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

[1] پارہ ۷، سورہ الانعام، آیت ۳۳

ترمذی شریف کی اس حدیث کے علاوہ یہ بھی روایت ہے کہ ابوجہل نے یہ کہا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ آپ ہم میں کبھی جھٹلائے گئے ——— روایت ہے کہ بجنگ بدر کے روز اخنس بن شریق نے ابوجہل سے ملاقات کی اور پوچھا کہ اے ابوالحکم (دورِ جاہلیت میں قوم ابوجہل کو اسی لقب سے پکارتی تھی) یہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی ہماری گفتگو سننے والا نہیں ہے. لہٰذا اس خلوت میں مجھے مطلع فرمائیے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں یا جھوٹے. ابوجہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں، اور جھوٹ تو انہوں نے کبھی بولا ہی نہیں.

ہرقل (شاہِ روم) نے جب ابوسفیان سے سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا تو یہی پوچھا تھا کہ ان پر اعلانِ نبوّت سے پہلے کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی گئی تھی. ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا ——— نضر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ قریش سے کہا تھا کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے درمیان ایک نوعمر لڑکے تھے تو اس وقت تم انہیں ہر بات میں سچا مانتے اور امین کہتے تھے لیکن جب پختہ عمر کو پہنچے اور تمہارے پاس کلام الٰہی لے کر آئے تو تم نے انہیں جادوگر کہنا شروع کر دیا حالانکہ خدا کی قسم وہ جادوگر ہرگز نہیں ہیں.

حدیث شریف میں ان سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی ایسی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا جس پر آپ کا حق نہ ہو ——— حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ سچے تھے ——— یہ بھی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ (آپ نے ذوالخویصرہ سے فرمایا) تجھ پر افسوس ہے اگر میں انصاف نہیں کرتا تو اور کون انصاف کرے گا. اگر میں انصاف نہ کروں تو نامراد ہوا اور خسارے میں رہا ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے

ایک کے کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو پسند فرمایا، بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اُس سے بچنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔

ابوالعبّاس مبرد نے کہا ہے کہ کسریٰ (شاہِ ایران) نے اپنے دِنوں کی تقسیم کر رکھی تھی جس روز خوب ہوا چلتی وہ سونے کا دِن ہوتا جس روز آسمان ابر آلود ہوتا وہ شکار کا دِن ہوتا بارش کے روز شراب نوشی اور لہو و لعب کی محفلیں ہوتیں جن دِنوں میں مطلع صاف رہتا تو وہ کام دھندوں کے دِن ہوتے۔ ابن خالویہ نے کہا ہے کہ وہ دنیاوی سیاست سے بھی نابلد نکلا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی
وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝	دنیاوی زندگی اور وہ آخرت سے
سلہ	پورے بے خبر ہیں۔

لیکن ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دِن کو تین حصّوں میں تقسیم فرمایا ہوا تھا۔ ایک حصّہ عبادتِ الٰہی کے لئے، دوسرا حصّہ اہل و عیال کے واسطے اور تیسرا حصّہ اپنے واسطے۔ اپنے وقت کو بھی اپنی ذات اور دوسرے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمایا ہوا تھا۔ نیز خاص لوگوں کو حکم فرما رکھا تھا کہ وہ عوام النّاس کی دستگیری کریں اور تلقین فرمائی ہوئی تھی کہ جو شخص اپنی کوئی حاجت نہ لے کسی وجہ سے ہماری بارگاہ تک نہ پہنچ سکے تو اس کی تم حاجت روائی کر دیا کرو کیونکہ جو کسی مصیبت زدہ کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے میدانِ محشر کے خطرات سے امن و امان میں رکھے گا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی شخص کو دوسرے کی غلطی کے بدلے نہیں پکڑتے تھے اور نہ کبھی دوسرے سے تصدیق کرواتے تھے ــــــــ امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے

سلہ پارہ ۲۱، سورۃ الروم، آیت ۷

فرمایا۔ میں نے زمانہ جاہلیت کے کسی معمول کا کبھی قصد نہیں کیا۔ ماسوائے دو مواقع کے لیکن ان دونوں موقعوں پر جب میں نے ان میں شامل ہونے کا ارادہ کیا تو مشیت ایزدی درمیان میں حائل ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے کبھی کسی ناپسندیدہ کام میں شامل ہونے کا قصد بھی نہیں کیا یہاں تک کہ خدائے ذوالمنن نے مجھے نبوت و رسالت کے ساتھ معزز و مکرم فرمایا۔ (والحمد للہ علیٰ ذالک)

وہ دو چیزیں جن کا میں نے قصد کیا تھا اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا ایک روز میں نے اس سے کہا کہ آج تم میری بکریوں کی بھی نگرانی کرنا کیونکہ میں مکہ معظمہ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں آج نوجوانوں میں بیٹھ کر دل لگی کرنے کا ارادہ ہے چنانچہ اس مقصد کے تحت میں شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کے پہلے ہی مکان میں دف اور مزامیر بجائے جا رہے تھے کیونکہ وہاں شادی کی تقریب تھی میں سننے کے لئے نزدیک ہی بیٹھ گیا لیکن کچھ بھی نہ سُن سکا کیونکہ مجھے فوراً نیند آگئی اور گانے باجے کا شور بھی مجھے بیدار نہ کر سکا یہاں تک کہ مجھے سورج کی گرمی نے ہی بیدار کیا اور کچھ بھی نہ سن سکا بلکہ جیسا آیا تھا ویسا ہی لوٹ گیا ——— اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے دوسری دفعہ بھی پیش آیا اور یہی کچھ ہوا۔ ان دونوں مواقع کے علاوہ میں نے ناپسندیدہ اُمور کا کبھی ارادہ ہی نہیں کیا۔

فصل ۔ ۲۱

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقار، سکوت، سنجیدگی، مروت اور حسنِ سلوک کا بیان،

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابو علی الجیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی اور اُسے بیان کرنے اور لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی

ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی۔ ابوالعباس اللّولائی نے، انہیں خبر دی ابوذر ہروی نے انہوں ابوعبداللہ وراق نے، ان سے حدیث بیان کی لولوی نے ان سے امام ابوداؤد السجستانی نے، ان سے عبدالرحمن بن سلام نے، ان سے حجاج بن محمد نے، انہوں نے عبدالرحمن سے، انہوں نے ابی الزناد سے، انہوں نے عمر بن عبدالعزیز بن وہیب سے، انہوں نے خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ باوقار نظر آتے تھے اور آپ کے اطراف (منہ، ناک، کان وغیرہ) سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء فرمایا کرتے تھے یعنی اکثر اس طرح بیٹھتے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈال کر دونوں گھٹنوں کا گھیرا کر لیتے اور زانوؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔ (اسی کو عربی میں احتباء کہتے ہیں)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِّ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چار زانو بھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کبھار دونوں گھٹنوں اور زانوؤں کو پیٹ سے ملا کر بھی بیٹھ جایا کرتے تھے ——— عام طور پر آپ خاموش رہتے اور ضرورت کے بغیر کلام نہیں فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص سنجیدگی سے گفتگو نہ کرتا تو اس کی جانب سے منہ پھیر لیتے تھے۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا تبسّم کی حد تک تھا۔ آپ کا کلام واضح ہوتا اور اس میں نہ کوئی بے مقصد بات ہوتی اور نہ کسی قسم کا جھول نظر آتا۔ آپ کی تعظیم اور اتباع کے باعث بارگاہِ مصطفوی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہنسنا بھی صرف تبسّم کی حد تک محدود رہتا تھا۔ یعنی آپ کی مبارک محفل حلم وحیا اور خیر وخوبی کا مرقع

ہوتی تھی۔ بارگاہِ رسالت میں آوازیں بلند کرنے اور کسی پہ الزام تراشی کرنے یا کسی کی دِل آزاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ـــــــ جب وہ معلّمِ کائنات صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی زبانِ حق ترجمان سے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے گوہر لٹاتے تو شمعِ رسالت کے پروانے اپنے سروں کو جُھکا لیا کرتے تھے اور یُوں ہمہ تن گوش ہو کر سُنا کرتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ عادتِ مُبارکہ تھی کہ چلتے وقت قدرے آگے کو جُھکے رہتے گویا اُونچی جگہ سے نیچی جگہ کی طرف اُتر رہے ہیں اور آرام سے چلتے تھے ـــــــ دوسری روایت میں ہے کہ چلتے وقت آپ جسمِ مُبارک کو سمیٹ لیتے اور چلنے میں کاہلی یا سُستی کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے تھے ـــــــ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عادتیں سب سے احسن تھیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ھ) فرماتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کلام میں آہستگی اور ترتیل تھی ـــــــ ابنِ ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خاموشی چار وجہ سے تھی یعنی حِلم، احتیاط، تدبر اور تفکر کے باعث ـــــــ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ اگر کوئی آپ کے کلمات کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔

نبیٔ آخرِ الزمان سیّدنا محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خوشبو سے محبّت تھی اور کثرت سے اس کا استعمال فرماتے تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ خوشبو استعمال کرنے کی رغبت بھی دلاتے تھے فرماتے کہ دُنیا کی تمہاری چیزوں میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دِل میں ڈالی گئی ہے یعنی عورت اور خوشبو کی، لیکن میری آنکھوں کی

ٹھنڈک نماز میں ہے ——— آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنے سے منع فرماتے تھے اور اپنے سامنے سے کھانے کی تلقین فرمایا کرتے تھے نیز تاکید فرماتے تھے کہ مسواک کیا کرو اور انگلیوں کی گرہیں صاف رکھا کرو اور خصالِ فطرت کی پابندی کیا کرو۔

فصل ۔ ۲۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کے تحت قبل ازیں اتنی اخبار و احادیث مذکور ہو چکی ہیں جو طالبِ حقیقت کے لئے کافی و وافی ہیں۔ طالبِ حقیقت کے لئے اس سلسلے میں یہی بات کافی ہے کہ آپ نے دنیا کے مال و متاع اور اس کی آرائشوں سے ایسی حالت میں بھی اجتناب فرمایا جبکہ وہ آپ کے قدموں میں بکھری پڑی تھی اور پے در پے فتوحات ہو رہی تھیں لیکن اسی بے رغبتی کے باعث جب آپ نے دنیا کو خیرباد کہا تو اس وقت خانگی اخراجات کے باعث آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن (گروی) رکھی ہوئی تھی۔ آپ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے:- اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو صرف اتنا رزق دے جس سے وہ اپنی زندگیاں باقی رکھ سکیں۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی سفیان بن العاصی حافظ حسین بن محمد اور قاضی ابو عبداللہ تمیمی رحمۃ اللہ علیہم نے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی احمد بن عمر نے، ان سے ابوالعباس رازی نے، اُن سے ابو احمد جلودی نے ان سے ابوالحسین امام مسلم بن الحجاج نے، ان سے امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے، ان سے ابو معاویہ نے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے اسود سے اور انہوں نے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے وصال تک کبھی سیر ہو کر متواتر تین دن کھانا نہیں کھایا دوسری روایت میں ہے کہ کبھی متواتر دو دن سیر ہو کر جَو کی روٹی نہیں تناول فرمائی حالانکہ اگر آپ چاہتے تو اللہ تعالیٰ اس قدر عطا فرما دیتا جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی آل نے گندم کی روٹی آخری وقت تک شکم سیر ہو کر نہیں کھائی۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ترکے میں دینار و درہم اور بھیڑ، اُونٹ وغیرہ نہیں چھوڑے تھے۔ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے جنگی ہتھیار، ایک خچر اور تھوڑی سی زمین کے سوا کچھ اور ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ یہ چیزیں بھی صدقے کے طور پر لوگوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے وقت میرے گھر میں تھوڑے سے جَو تھے جنہیں مَیں نے ایک مٹکے میں ڈالا ہوا تھا۔ اِن کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھ سے فرمایا تھا:۔

اِنِّی عُرِضَ عَلَیَّ اَنْ تَجْعَلَ لِی بَطْحَاءُ مَکَّۃَ ذَھَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ اَجُوْعُ یَوْمًا وَاَشْبَعُ یَوْمًا۔ فَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَجُوْعُ فِیْہِ فَاَتَضَرَّعُ اِلَیْکَ وَاَدْعُوْکَ وَاَمَّا الْیَوْمُ الَّذِیْ اَشْبَعُ فِیْہِ فَاَحْمَدُکَ وَاُثْنِیْ عَلَیْکَ۔ (ص ۱۰۹)	بیشک مجھ سے یہ پیشکش کی گئی کہ میرے لئے مکہ کی سنگریزوں کی وادی سونے کی بنا دی جائے تو مَیں عرض گذار ہوا کہ اے رب! یوں نہیں بلکہ مجھے ایک روز بھوکا رکھ اور دوسرے روز شکم سیر فرما، تاکہ جب مَیں بھوکا رہوں تو اُس روز تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تجھے پکاروں اور جس روز شکم سیر ہو جاؤں تو تیری حمد وثنا بیان کروں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے تھے کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُقْرِئُکَ السَّلَامُ	بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے سلام بھیجا ہے
وَیَقُوْلُ لَکَ اَتُحِبُّ اَنْ اَجْعَلَ	اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اس پہاڑ کو
ھٰذِہِ الْجِبَالَ ذَھَبًا وَّ تَکُوْنَ	سونے کا بنا دیا جائے اور آپ جہاں بھی تشریف
مَعَکَ حَیْثُ مَا کُنْتَ فَاَطْرَقَ	فرما ہوں تو یہ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ
سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ یَا جِبْرِیْلُ	نے تھوڑی دیر سر جھکائے رکھا، پھر فرمایا کہ
اِنَّ الدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَہٗ وَ	جبریل! بیشک دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی
مَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَہٗ وَقَدْ یَجْمَعُھَا	ٹھکانہ نہ ہو اور اسکا مال ہے جس کے پلے
مَنْ لَّا عَقْلَ لَہٗ فَقَالَ لَہٗ جِبْرِیْلُ	زادِ آخرت نہ ہو اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس کے
ثَبَّتَکَ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ	پاس عقل نہ ہو حضرت جبریل عرض گزار ہوئے کہ
الثَّابِتِ۔	یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقیقت آشنائی
(ص ۱۰۹، ص ۱۱۰)	کے مقام پر قائم رکھا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ ہم ایسے آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم) ہیں کہ بعض اوقات پورا مہینہ گزر جاتا لیکن ہمارے گھروں میں آگ جلانے کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ کھجوروں اور پانی پر ہی گزر اوقات ہوتی رہتی ——— حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وقتِ وصال تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے کبھی شکم سیر ہو کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور یہی حالت آپ کے اہلِ بیت کی رہی ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابی امامہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

وسلم اور آپ کے اہلِ بیت بعض اوقات کئی کئی راتیں متواتر بھوکے رہتے اور رات کا کھانا میسر ہی نہ آتا ــــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ دسترخوان پر کھانا کھاتے اور نہ امیروں کی طرح چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں تناول فرماتے اور نہ بکری کا بھنا ہوا گوشت ہی تناول فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ جس بچھونے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمایا کرتے تھے وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ ــــــ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر پر مشتمل تھا جسے ہم دوہری کرکے بچھا دیتے اور آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک دفعہ ہم نے چادر بچھاتے وقت اس کی چار تہہ کر دیں صبح ہوتے ہی آپ نے دریافت فرمایا کہ رات میرے لئے کیا چیز بچھائی تھی ہم نے عرض کیا کہ اسی چادر کی چار تہیں کر دی تھیں۔ فرمایا۔ پہلے کی طرح ہی بچھایا کرو کیونکہ آج بستر کی نرمی نے مجھے نماز پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی تھی ــــــ جب کبھی آپ چارپائی پر آرام فرما ہوتے جو کھجور کے پتوں کی رسّی سے بنی ہوئی ہوتی تو اس سے آپ کی کروٹوں میں نشان پڑ جاتے تھے۔

اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا اور اس امر کا کسی سے کبھی تذکرہ بھی نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپ کو شکم سیر ہونے سے فاقہ زیادہ عزیز تھا۔ جب کبھی آپ رات کو بھوکے سوتے اور ساری رات بھوک کے ۔۔۔ سے بے قرار رہتے تو یہ حالت بھی دن کو روزہ رکھنے میں حائل نہیں ہوتی تھی حالانکہ اگر آپ چاہتے اور اپنے ربِّ کریم سے سوال کرتے تو وہ منعمِ حقیقی آپ کو بے بہا خزانے اور وافر پھل مرحمت فرماتا رہتا جن کے باعث آپ کی زندگی آرام کے ساتھ بسر ہو جاتی۔ آپ کی اس فاقہ کشی کی حالت کو دیکھ کر بعض اوقات

یں رو پڑتی تھی۔ اُدھر آنکھوں سے قطار اندر قطار آنسو گر رہے ہوتے اور اِدھر آپ کے شکمِ اطہر پہ ہاتھ پھیرتی جاتی اور عرض گزار ہوتی کہ قربان جاؤں۔ اس دنیا سے کم از کم آپ اتنا حصّہ تو قبول فرمالیں جس سے فاقے کی اذیت نہ اُٹھانی پڑے۔ یہ سُن کر آپ زبانِ حق ترجمان سے فرماتے کہ عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائی اولوالعزم پیغمبروں نے اس سے بھی کٹھن حالات میں صبر کا دامن تھامے رکھا حتّٰی کہ وہ دنیا سے تشریف لے گئے اور جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو صبر و قناعت کے باعث وہ عزّت و شرف سے نوازے گئے اور انہوں نے اجرِ عظیم پایا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر دنیا کی زندگی آرام و راحت سے بسر کرنے لگوں تو کل مجھے ان سے کم اجر ملے گا جو میرے لئے یقیناً ندامت کا باعث ہوگا۔ مجھے خدا کے ان دوستوں کی موافقت سے بڑھ کر اور کسی چیز کی تمنّا نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد آپ صرف ایک ماہ اس جہانِ فانی میں جلوہ افروز رہے اور پھر مالکِ حقیقی سے جاملے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فصل - ۲۳

خوفِ خدا، اطاعت اور شدّت عبادت کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اپنے رب سے ڈرنا۔ اس کے احکام کی پیروی کرنا اور کثرت سے عبادت میں مشغول رہنا اسی قدر سب سے زیادہ تھا جیسا آپ کو اللہ ربّ العزّت نے سب سے زیادہ علم مرحمت فرمایا تھا۔ اسی لئے تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنی سند کے ساتھ ابو محمد بن عتاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالحسن القابسی نے، ان سے ابو زید المروزی نے، ان سے ابو عبداللہ فربری نے۔ اُن سے محمد بن اسمٰعیل بخاری نے

ان سے یحیٰی بن بکر نے، انہوں نے لیث بن عقیل سے۔ انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے سعید بن المسیب سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو یقیناً کم ہنستے اور زیادہ روتے ——— اور ہماری روایت میں جسے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے نقل کیا اور جس کا رفع حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۲۷۹ھ) تک ثابت ہے، اتنا زیادہ ہے کہ:

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَآءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ۔ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ۔ (ص ۱۱۱-۱۱۲)

بیشک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچراتے ہیں کیونکہ ان پہ چار انگشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کسی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی پیشانی سجدے میں رکھی ہوئی نہ ہو۔ خدا کی قسم، جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور فرش زمین پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دیتے اور باری تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہوئے ضرور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ الفاظ: لَوَدِدْتُ اَنِّیْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہیں ——— حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت

سے نماز پڑھا کرتے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ جب بارگاہِ رسالت میں یہ گزارش پیش کی گئی کہ یا رسول اللہ! آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دیں (یا آپ کے سبب تو اگلوں اور پچھلوں کی لغزشیں بھی معاف فرما دی گئیں) تو اس معلمِ کائنات نے جواب دیا: کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر کام میں ہمیشگی ہوتی تھی جبکہ کوئی بھی دوسرا ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے آپ روزہ رکھتے تو یوں لگاتار رکھتے ہی چلے جاتے کہ ہمیں کبھی بھی افطار نہ کرنے کا گمان گزرتا تھا اور جب افطار کرتے (یعنی روزہ رکھنا چھوڑ دیتے) تو ایسا معلوم ہونے لگتا کہ اب کبھی روزے نہیں رکھیں گے۔ اسی کے مانند حضرت ابن عباس، حضرت ام سلمہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے لیکن انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا تو آپ نماز ہی پڑھتے ہوئے پائے جاتے اور اگر کوئی یہ چاہتا کہ آپ کو آرام فرمانے کی حالت میں دیکھوں تو آپ کو آرام فرماتے ہوئے دیکھتا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسواک کی، پھر وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی اور اس طرح پڑھتے تھے کہ جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں ذکرِ رحمت ہوتا تو آپ رحمت کی دعا مانگتے اور جب کوئی ایسی آیت آتی جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے۔ غرضیکہ اسی طرح پڑھتے ہوئے آپ نے پوری سورۂ بقرہ پڑھ لی اور رکوع فرمایا۔ رکوع میں بھی آپ اتنی دیر رہے جتنی دیر قیام فرمایا۔ رکوع کی حالت میں آپ یہ کہتے رہے سُبحَانَ ذِی الجَبَرُوتِ وَالمَلَکُوتِ وَالعَظمَۃِ۔ پھر آپ نے سجدہ کیا اور سجدے میں بھی یہی تسبیح پڑھتے رہے۔

دوسری رکعت میں آپ نے اِسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی۔ تیسری میں اِس سے اگلی اور چوتھی میں اُس سے اگلی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے بھی اسی کے مانند مروی ہے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ آپ سجدے میں بھی اتنی ہی دیر رہے جتنی دیر قیام فرمایا تھا اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی اتنی ہی دیر بیٹھے تھے یہاں تک کہ آپ نے سورۂ البقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۃ النساء اور سورۂ المائدہ پڑھیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ ایک شب نورِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرح نماز میں مشغول ہوئے کہ ایک ہی آیت کی بار بار تلاوت کرتے ہوئے ساری رات گزار دی ——— حضرت عبداللہ بن شخیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ نماز میں مصروف تھے اور آپ کے سینۂ مبارک سے اس طرح آواز آرہی تھی جیسا کہ کھولتی ہوئی ہانڈی سے آواز آیا کرتی ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر غمناک اور متفکر سے رہتے تھے۔ آپ کو دنیا کے آرام و راحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی خود سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَیں روزانہ سَو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ——— دوسری روایت میں ستر بار استغفار کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کی سنّت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا ——— معرفت میرا سرمایہ عقل میرے دین کی بنیاد، محبت جڑ۔ شوق میری سواری، ذکرِ الٰہی میرا مونس، وثوق میرا خزانہ، غم میرا رفیق، علم میرا ہتھیار، صبر میری چادر، رضا میری غنیمت، عاجزی میرا فخر، زہد میرا پیشہ، یقین میری قوت۔ صدق میرا سفارشی، احکامِ الٰہی کی اطاعت میرا حسب، جہاد میری عادت ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ——— ایک دوسری حدیث میں یہ بھی

ہے کہ ذکرِ الٰہی میرے دِل کا پھل ہے اور میرا غم اپنی امت کے لئے ہے اور میرا اِشتیاق اپنے پروردگار کی جانب ہے۔ (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

فصل ۲۴ احادیث کی روشنی میں حضور کی تواضع

جان لینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں توفیق مرحمت فرمائے کہ تمام انبیاء و مُرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم کی صفات ایسی ہی تھیں۔ وہ کمالِ خلق، حُسنِ صُورت، شرفِ نسب حُسنِ خلق اور جُملہ محاسن میں ایسے ہی تھے کیونکہ یہی صفات تو صفاتِ کمالیہ ہیں اور انبیائے کرام ہر کمال اور بشری اوصاف سے مالا مال ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم کو تمام مخلوق پر فضیلت ہے کیونکہ اُن کے مرتبے سب سے اشرف اور ان کے درجے سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں لیکن گروہِ انبیاء میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے جیسا کہ اللہ جلّ مجدہٗ نے فرمایا ہے:۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ [1]

یہ رسول ہیں کہ ہم نے اِن میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ [2]

اور بیشک ہم نے انہیں دانستہ چُن لیا اس زمانے والوں سے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں سب سے پہلے جو جماعت داخل ہوگی وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح خوب صورت ہوں گے۔ پھر اس حدیث کے آخر میں فرمایا کہ سارے ایک ہی آدمی کی صورت پر ہوں گے یعنی اپنے باپ حضرت

---

[1] پارہ ۳، سورہ البقرہ، آیت ۲۵۳ [2] پارہ ۲۵، سورہ الدخان، آیت ۳۲

آدم علیہ السّلام کی صورت پر جن کا قد آسمان میں ساٹھ ہاتھ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا کہ وہ کم گوشت ہیں۔ ان کے بال گھنگریلے ہیں اور ناک بلند گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں ــــــــ یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا۔ ان کا قد میانہ اور چہرے پر کئی تِل تھے۔ رنگت سُرخ ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں ــــــــ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی کمر تلوار کی طرح پتلی ہے۔

ــــــــ فرمانِ رسالت ہے کہ حضرت ابراہیم کی ساری اولاد میں اُن کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت میں رکھتا ہوں ــــــــ ایک حدیث میں ہے کہ گندمی رنگ والوں کو اگر دیکھا جائے تو ان میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام سب سے خوبصورت نظر آئیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السّلام کے سوا ہر نبی کو ایسی قوم میں بھیجا جو دوسرے لوگوں سے معزز تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں میں مبعوث فرمایا جو صاحبِ ثروت تھے۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت کی جس کو امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر انہیں اچھی صورت اور اچھی آواز سے نوازا اور تمہارے نبی رسیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان میں سب سے حسین اور سب سے اچھی آواز والا بنایا ــــــــ

اور اسی طرح حدیثِ ہرقل میں ہے کہ جب میں نے تم سے اس نبی کا نسب پوچھا تو تم نے کہا تھا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے اور یہ حقیقت ہے کہ رسول ہمیشہ اپنی قوم کے عالی نسب لوگوں میں ہی مبعوث فرمائے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السّلام کے بارے میں

فرمایا ہے:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ	بیشک ہم نے اسے صابر پایا۔ کیا اچھا بندہ
الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ ؎۱	بیشک وہ بہت رجوع لانیوالا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ	اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام اور
وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا	ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوّت دی اور اپنی
مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ	طرف سے مہربانی اور ستھرائی اور وہ کمال ڈرولا
تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ	تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنیوالا
يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ	تھا، زبردست و نافرمان نہ تھا اور سلامتی ہے
عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ	اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن وفات
وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ ؎۲	پائیگا اور جس دن مُردہ اٹھایا جائیگا۔

اور دوسرے مقام پر ان کے بارے میں فرمایا ہے:

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا	بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا	جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کریگا
وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ	اور سردار اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا
الصّٰلِحِيْنَ ۝ ؎۳	نبی ہمارے خالص بندوں میں ہے۔

اور بعض انبیائے کرام کے متعلق فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا	بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نُوح
وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ	اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے
عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا	جہان سے۔ یہ ایک نسل ہے ایک دُوسرے
مِنْۢ بَعْضٍ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؎۴	سے اور اللہ سُنتا جانتا ہے۔

؎۱ پارہ ۲۳، سُورۂ ص، آیت ۴۴ ؎۲ پارہ ۱۶، سُورۂ مریم، آیت ۱۲ تا ۱۵

؎۳ پارہ ۳، سُورۂ آلِ عمران، آیت ۳۹ ؎۴ پارہ ۳، سورہ آلِ عمران، آیت ۳۳، ۳۴

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ؁۱	بیشک وہ بڑا شکرگزار بندہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَکَہۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ؁۲	بیشک اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا۔ رودار (وجاہت والا) ہوگا دنیا و آخرت میں اور قرب والا اور لوگوں سے بات کریگا پالنے میں اور پکی عمر میں اور خاص بندوں میں ہوگا۔

اور ان کے بارے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ۙ وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ وَلَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ۙ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَیَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ؁۳	بچہ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانیوالا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا۔ میں جہاں کہیں ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

؁۱ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳ ؁۲ پارہ ۱۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۴۵، ۴۶

؁۳ پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۳۰ تا ۳۳

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا ؕ ۵ ؎[1]	اے ایمان والو! اُن جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ تو اللہ نے اسے بری فرما دیا، اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نہایت شرمیلے اور پرلے درجے کے باحیا تھے، اسی وجہ سے کوئی ان کا جسم نہیں دیکھ سکا تھا۔ بنی اسرائیل سے بعض مخالفین نے آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ کوئی کہتا کہ انہیں جلد کا مرض یعنی برص (کوڑھ) ہے کوئی کہتا کہ ان کے خصیے بہت بھاری ہیں اسی لئے جسم کو اس درجہ چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ان الزامات سے بری کرنا چاہا تو واقعہ یوں ہوا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السّلام نہانے لگے اور انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ حکم خداوندی سے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر دوڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس سے کپڑے مانگتے اور اس کے پیچھے دوڑتے جا رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس اچانک جا پہنچے وہ لوگ آپ کا سراپا بچشمِ خود دیکھ کر پکار اُٹھے کہ خدا کی قسم، اِن کے جسم پاک میں تو کوئی بھی عیب نہیں ہے۔ آپ نے اس پتھر کو پیٹنا شروع کر دیا جس کے باعث اس پر کئی نشان پڑ گئے۔ —— ان کے بارے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَوَھَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۵ ؎[2]	تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے کیا۔

؎[1] پارہ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۶۹ ؎[2] پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۲۱

اور انبیائے کرام کی ایک جماعت کی تعریف کرتے ہوئے اُن کا اعلان یوں نشر فرمایا:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ ۱	بیشک میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔

یہ اعلان حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف یں فرمایا ہے:

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ۝ ۲	بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور امانت دار ہو۔

اور اپنے حبیب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے فرمایا:

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۝ ۳	تو تم صبر کرو جیسا ہمّت والے رسولوں نے صبر کیا۔

اور بعض انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَ وَھَبْنَا لَہٗٓ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ کُلًّا ھَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۙ وَ زَکَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ	اور ہم نے انہیں (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یُوسف اور مُوسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ اور زکریّا اور یحییٰ اور عیسیٰ

---

۱ پارہ ۱۹، سورۂ الشعرا، آیت ۱۰۷، ۱۲۵، ۱۴۳، ۱۶۲، ۱۷۸، پارہ ۲۵، سورۂ الدخان، آیت ۱۸۔
۲ پارہ ۲۰، سورۂ القصص آیت ۲۶، ۳ پارہ ۲۶، سورۂ احقاف، آیت ۳۵،

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ [1]

اور الیاس کو۔ یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو، اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور اور سیدھی راہ دکھائی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا دھرا سب اکارت جاتا۔ یہ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی۔ تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لئے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی۔ تو تم انہیں کی راہ چلو۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ جل مجدہٗ نے انبیائے کرام کی تعریف فرماتے ہوئے ان کے صلاح، ہدایت، اجتباء، حکم اور نبوّت جیسے شاندار اوصاف کا ذکر فرمایا ہے نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

---

[1] پارہ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۸۴ تا ۹۰۔

وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ ۝ ؎۱	اور اسے (حضرت ابراہیم کو) ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

نیز ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ ؎۲	تو ہم نے اسے (حضرت ابراہیم کو) خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے،

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ ؎۳	اور بیشک ہم نے اِن سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا۔ کہ اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کردو بیشک میں تمہارے لئے امانتدار رسول ہوں۔

اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ؎۴	اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے

نیز ان کی تعریف میں یہ بھی فرمایا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ	بیشک وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب

؎۱ پارہ ۲۶، سورۂ الذاریات، آیت ۲۸
؎۲ پارہ ۲۳، سورۂ الصّفّت، آیت ۱۰۱
؎۳ پارہ ۲۵، سورۂ الدخان، آیت ۱۸،۱۷
؎۴ پارہ ۲۳، سورۂ الصّفّت، آیت ۱۰۲

مَرْضِيًّاo [1]	کو پسند تھا۔

اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کی یوں تعریف فرمائی ہے:

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّاo [2]	بیشک وہ چُنا ہوا تھا اور رسُول تھا غیب کی خبریں بتانے والا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کی توصیف میں یہ فرمایا ہے:

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌo [3]	کیا اچھا بندہ، بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

اور بعض انبیائے کرام کی توصیف یُوں فرمائی گئی:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِo اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِo وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِo [4]	اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور عِلم والوں کو، بیشک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اِس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔

اور حضرت داؤد علیہ السّلام کی شان میں فرمایا:

اِنَّهٗ اَوَّابٌo [5]	بیشک وہ بڑا رجُوع کرنیوالا ہے۔

اور حضرت داؤد علیہ السّلام کی شان میں یہ بھی فرمایا ہے:

وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِo [6]	اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قولِ فیصل دیا۔

---

[1] پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۵۴، ۵۵

[2] پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۵۱

[3] پارہ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۳۰

[4] پارہ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۴۵ تا ۴۷

[5] پارہ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۱۷

[6] پارہ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۲۰

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السّلام کا تذکرہ یوں فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ	یوسف نے کہا، مجھے زمین کے خزانوں پہ
اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ ؎۱	(انچارج) کر دے۔ بیشک میں حفاظت کرنے والا، علم والا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی توصیف میں یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا	عنقریب اللہ چاہے تو تم مجھے صابر
؎۲	پاؤ گے۔

اور حضرت شعیب علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا ہے:

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ	قریب ہے انشاء اللہ تم مجھے نیکوں
مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ ؎۳	میں پاؤ گے۔

اور ان کی توصیف میں یہ بھی فرمایا ہے:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا	میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا
اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا	ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی
بِاللّٰہِ ؕ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ	طرف سے ہے۔ میں نے اسی پہ بھروسہ کیا
اُنِیْبُ ۝ ؎۴	اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

اور حضرت لوط علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا ہے:

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ؎۵	اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا۔

بعض انبیائے کرام کا ذکر کر کے ان کی شان یوں بیان فرمائی ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی	بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے
الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا ؎۶	اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے

؎۱ پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۵۵ ؎۲ پارہ ۱۵، سورۂ الکہف، آیت ۶۹۔

؎۳ پارہ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۲۷ ؎۴ پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۸۸۔

؎۵ پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۷۴ ؎۶ پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۹۰۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ امید و خوف کی حالت اُن پر ہمیشہ طاری رہتی تھی ۔ ——— قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی آیات میں حضرات انبیائے کرام کے خصائل جمیلہ و محاسن محمودہ کا ذکر فرمایا ہے جو ان کے کمال منصب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان حضرات کے کتنے ہی اوصاف کا احادیث مطہرہ میں بھی تذکرہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بے شک وہ کریم بن کریم بن کریم بن کریم یعنی حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام ہیں یعنی نبی بن نبی بن نبی بن نبی ——— اور اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: تَنَامُ اَعْیُنُھُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُھُمْ (ص ۱۱۱) یعنی انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام باوجود اس کے کہ انہیں اتنی بڑی بادشاہی مرحمت فرمائی گئی لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور ازراہِ تواضع آسمان کی جانب نہیں دیکھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو لذیذ کھانے کھلاتے رہتے تھے لیکن خود جَو کی روٹی کھاتے تھے اور ایک مرتبہ اُن پر وحی آئی تو انہیں راس العابدین اور ابن محبۃ الزاہدین قرار دیا گیا۔ اگر کوئی بوڑھی عورت بھی آپ سے کوئی سوال کرتی اور اس وقت آپ لشکر کے اوپر ہوا میں اُڑ رہے ہوتے تو ہوا کو حکم دیتے کہ آپ کو نیچے لے آتی اور اس عورت کا سوال پورا کر کے وہاں سے جاتے۔

کسی نے حضرت یوسف علیہ السّلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ زمین کے خزانوں پر قابض و متصرف ہیں اس کے باوجود خود کیوں نہیں سیر ہو کر کھاتے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر میں شکم سیر ہو کر کھاؤں تو فاقہ کش اور بھوکے لوگوں کو بھول جاؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام پر توریت کا پڑھنا اتنا آسان کر دیا گیا تھا کہ وہ گھوڑے

کسنے کا حکم دینے اور اس کے تیار ہونے سے پہلے توریت شریف (پوری) کی تلاوت سے فارغ ہو جاتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے جیسا کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا ہے۔

وَ اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ ہ اَنِ اعْمَلْ	اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع
سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ[1]	زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ربّ سے سوال کیا تھا کہ اے اللہ! میری روزی ہاتھ کی کمائی سے کر دے تاکہ میں بیت المال سے مستغنی ہو جاؤں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز سب نمازوں سے محبوب ہے اور اسی طرح ان کا روزہ بھی سب روزوں سے محبوب تر ہے کیونکہ وہ آدھی رات سوتے، پھر تہائی رات اپنے پروردگار کے حضور قیام فرماتے اور پھر باقی چھٹا حصّہ بھی آرام فرماتے وہ ایک روز روزہ رکھتے اور دوسرے روز افطار کرتے یعنی دوسرے روز روزہ نہ رکھتے۔ وہ صوف کے کپڑے پہنتے، بالوں کا کپڑا، کمبل بچھاتے اور جَو کی روٹی کھاتے تھے اور اس میں بھی نمک اور راکھ ڈال کر، نیز پانی پیتے وقت اس میں آنسوؤں کے قطرے ڈال لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے نہ تو کبھی ہنسے اور نہ کبھی نظر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھتے ایک لغزش سرزد ہو جانے کے بعد یہ معمول ہوا اور باقی دنیاوی حیات گریہ وزاری میں ہی گزار دی۔ کہا گیا ہے کہ آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی تھی اور مبارک رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ بھیس بدل کر باہر نکلتے اور اپنے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ اگر لوگوں کی زبانی اپنی تعریف سنتے تو اور زیادہ تواضع کر لیتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ سواری کے لئے گدھا رکھ لیتے تو اچھا ہوتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے نزدیک میرا یہ مرتبہ نہیں کہ وہ مجھے گدھے کی محبت

---

[1] پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۱۰، ۱۱

میں مبتلا کرے۔ وہ بالوں کے کپڑے پہنتے اور درختوں کے پتوں سے گزر اوقات کرتے۔ انہوں نے کوئی گھر نہیں بنایا تھا۔ جہاں نیند آجاتی اسی جگہ سو جاتے اور یہ بات انہیں بہت ہی پسند تھی کہ کوئی انہیں مسکین کہہ کر پکارے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس) پہنچے تو لاغر ہونے کے باعث ان کے شکمِ مبارک سے سبزی کا رنگ ظاہر ہوتا تھا ــــــ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم نبینا و علیہم الصلوٰۃ و السلام فاقوں اور جووں کے چکر میں مبتلا رہتے تھے اور یہ حالت انہیں کسی کے دستِ نگر ہونے سے زیادہ پسند تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک خنزیر ملا تو انہوں نے فرمایا کہ تو سلامتی کے ساتھ چلا جا اس بات پر کسی نے اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو بدگوئی کا عادی بناؤں ــــــ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوراک گھاس تھی۔ اس کے باوجود خوفِ خدا کے باعث اکثر روتے رہتے تھے یہاں تک آنسوؤں کے کثرت سے بہنے کے باعث رخساروں پر اپنے راستے بنا لئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جانوروں اور وحشیوں کے ساتھ بھی کھا لیتے تھے اور وہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ لوگ ان سے دُور و نفور رہیں۔

امام ابنِ جریر طبری نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہما سے حکایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ رب العزت سے ہمکلام ہوئے تھے لہٰذا تکریم الٰہی اور افضالِ خداوندی کی تواضع کے پیشِ نظر ایک چھپر کے سائے میں رہتے اور ایک پتھر کے گڑھے میں کھانا کھاتے اور اسی میں چار پایوں کی طرح منہ سے پانی پیتے تھے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی صفات اور ان کے مبارک حالات چونکہ کتبِ معتبرہ میں مسطور ہیں اور ان بزرگوں کے اوصافِ حمیدہ

واخلاق جمیلہ نیز حسنِ صورت و حسنِ سیرت کی چونکہ عام شہرت ہے اس لئے ہم انہیں تفصیل کے ساتھ پیش کر کے اس کتاب کو ضخیم نہیں بنانا چاہتے۔ لیکن حضرات انبیائے کرام کی جانب بعض جاہل، ورغلین اور بے خبر مفسرین نے ایسی باتیں بھی منسوب کی ہوئی ہیں جو ان بزرگوں کی شان کے ہرگز شایانِ شان نہیں ہیں تو ایسی باتوں کی جانب مسلمانوں کو ہرگز توجہ نہیں دینی چاہیئے اور ان پہ کان نہ دھرے جائیں

فصل - ۲۵ اخلاق و آداب احادیث کی روشنی میں

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت سے نوازے۔ ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ

سلہ جیسا کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) نے تحذیر الناس" کتاب اسی موضوع پر لکھی کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی نہیں ہیں بلکہ آپ کے زمانہ میں چھ نبی آپ کے مثل موجود تھے اور آپ کے بعد اگر ہزاروں نبی اور آجائیں تب بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہیں آئیگا اور خاتمیت مرتبی کے نام سے ایک ایسی خاتمیت ایجاد کر دی جس کے سننے سے تیرہ سو سال کے مسلمان ناآشنا رہے تھے اور پورے اسلامی لٹریچر میں جس کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۷ء) نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب براہین قاطعہ میں محیط زمین کا علم شیطان و ملک الموت کے لئے نصوص سے ثابت مانا، اولیاء اللہ کے لئے بذریعہ کشف اس کا حصول تسلیم کیا لیکن فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے ثابت ماننے کو کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شرک قرار دیا اور ستم ظریفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھ دیا:- "یہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے"۔

مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کو بچوں پاگلوں اور جانوروں کے علم جیسا بتایا ___ جناب مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو خدا کے باغی بتایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شرک میں مبتلا دکھایا ہے ___ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو ایسے حضرات کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

فضائلِ مجیدہ اور خصال و کمال عدیدہ بیان کیے ہیں اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ان کی صحت ثابت کی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے صرف بعض احادیث و آثار نقل کرنے پر ہی کفایت کی ہے حالانکہ یہ میدان بہت وسیع اور دلائل بے شمار ہیں۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل و کمالات کا میدان اتنا وسیع ہے کہ اس کی جس طویل سے طویل تر رسی کے ساتھ پیمائش کی جائے وہ بھی ناکافی ہو کر رہ جائے گی۔ آپ کے خصائص کے علم کا سمندر تو یقیناً ٹھاٹھیں مار رہا ہے جسے ڈول مکدر نہیں کر سکتے لیکن بخوفِ طوالت ہم نے بعض معروف اور صحیح و مشہور احادیث کے پیش کرنے پر اکتفا کی ہے۔ ہم نے کثیر سے قلیل اور دریا سے قطرہ پیش کرنے کو کافی شمار کیا ہے۔ ہمیں یہی مناسب نظر آیا کہ اس باب کی فصلوں کو اس حدیث پر ختم کریں جو حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع کیا اور وہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل و فضائل کی جامع ہے اور راوی نے اس میں ایک ایسا جملہ بھی داخل کر دیا جو سیرت و فضائلِ مصطفٰے کے باب میں کافی و وافی ہے ہم اس حدیث کے بعد ایک تنبیہ لطیف بھی پیش کریں گے جس سے مشکل الفاظ کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ قاضی ابو علی حسین بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے نیز قاضی ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں، حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبیٔ اکرم، نورِ مجسم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلیۂ مبارک دریافت کیا، کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف کثرت

۱ے صحابۂ کرام کو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سچی محبت تھی اور جس سے محبت ہو بے اختیار اس کا ذکر زبان پہ آتا رہتا ہے۔ کثرت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرنا اور آپ کے حالات و کمالات معلوم کرنا ایمانی تقاضا اور محبت کی نشانی ہے جبکہ حبیب پروردگار کے فضائل و کمالات سن کر ناک بھوں چڑھانا اور اس بے عیب محبوب کے عیب تلاش کرنے رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ایسا کرنے والے کا سینہ نورِ ایمانی سے خالی اور عداوتِ رسول سے بھرپور ہے۔ ایسا آدمی دعوئی ایمان کے باوجود صاحبِ ایمان نہیں۔ اگرچہ پیشِ خویش عالم، فاضل، کامل کیوں نہ بنتا پھرے۔

سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میری یہ تمنا تھی کہ جو کچھ یہ بیان فرمائیں گے میں اُسے محفوظ کر لوں گا۔

انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا جسمِ اطہر بھاری تھا۔ آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند دمکتا تھا۔ میانہ قد والوں سے آپ لمبے اور بلند قامت آدمی سے دیکھنے میں نیچے معلوم ہوتے تھے۔ سرِ اقدس بڑا اور بال شکن دار تھے لیکن کنگھی کرنے سے سیدھے بھی ہو جاتے تھے۔ بصورتِ دیگر کانوں کی لَو سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

آپ کا رنگ چمکدار، پیشانی کشادہ، حاجب باریک اور لمبے تھے لیکن ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصّے کے وقت اُبھر آتی تھی۔ بینی مبارک نُورانی اور بلند تھی جس نے اسے غور سے نہ دیکھا ہوتا وہ باریک اور لمبی گمان کرتا۔ ریش مبارک بھاری، چشمانِ مبارک[1] گہری سیاہ، جن میں ہلکی سی سرخی کی جھلک تھی، رخسار مبارک صاف شفاف دہنِ اقدس مناسب کھلا ہوا، خوب صورت اور سفید دندانِ پاک جو جُدا جُدا تھے۔

سینے پر بالوں کی باریک سی دھاری، گردن گویا چاندی کی صراحی یا خوبصورت اور سرخی مائل سفید تصویر کی گردن کے مانند، درمیانہ قد، مضبوط بدن، شکمِ اطہر و سینۂ انور سامنے سے برابر تھے۔ سینہ رفیض گنجینہ فراخ۔ دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ، گیسوئے مُبارک گھنے تھے گردن کے نچلے حصے اور ناف کے درمیان بالوں کی باریک سی دھاری تھی جو خط سا دکھائی دیتا تھا۔ اس دھاری میں بال کم اور نورانی تھے۔ چھاتی اور شکمِ اطہر بالوں سے خالی۔ ان کے علاوہ بازوؤں اور کندھوں پر بال تھے۔

---

[1] چشمانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

سُرگیں آنکھیں حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رَمنا نُور کا

سینہ فراخ اور بلند، کلائی بڑی، ہتھیلی کشادہ ہاتھ پیر کی مبارک انگلیاں موٹی اور لمبی تھیں پٹھے صاف اور لمبے تھے۔ پاؤں درمیان سے اُبھرے ہوئے، جو زمین سے اُٹھے رہتے قدم مبارک صاف اور نرم تھے جن کے اُوپر پانی نہیں ٹھیرتا تھا۔ زمین سے اُٹھتے تو پوری قوت کے ساتھ اور چلتے وقت آگے کی جانب تھوڑا سا جھکاؤ رکھتے تھے۔ نیز بھی چلتے تو بڑے آرام سے۔ جب محوِ رفتار ہوتے تو یوں محسوس ہونے لگتا کہ گویا آگے کو گرنے والے ہیں۔

جب کسی جانب توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔ نگاہیں عموماً نیچی رکھتے تھے۔ آپ کی نظر آسمان کی نسبت، زمین کی جانب زیادہ رہتی تھی۔ آپ کا ملاحظہ فرمانا ایک جھلک کی مانند ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے پیچھے چلتے اور جو بھی ملتا اسے پہلے خود سلام کرتے۔

---

۵ مجدد مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

جیسے بلبلِ باغِ مدینہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سراپائے اقدس اپنے مخصوص ایمان افروز لہجے میں یوں منظوم پیش کیا ہے:

مصدرِ مظہریت پہ اظہر درود — مظہرِ مصدریت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے مُرجھائی کلیاں کھلیں — اُس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام
قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت — ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں — اُس سہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام
وصف جس کا ہے آئینۂ حق نما — اُس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں — اُس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام
وہ کرم کی گھٹا۔ گیسوئے مُشک سا — لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
لختِ لختِ دلِ ہر جگر چاک سے — شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
دُور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ تکلم کی خوبیاں دریافت کیں تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عموماً غمگیں اور متفکر سے نظر آتے تھے چونکہ آپ کو آرام و راحت سے کوئی واسطہ نہیں تھا اس لئے ضرورت کے بغیر کبھی کلام نہیں فرماتے

(بقیہ صفحہ)

چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال — اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا — اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی — اُن بھنوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
اُن کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ — ظلّہ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
اشک باریٔ مژگاں پہ برسے درود — سلکِ درِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
معنیٔ قد رأی، مقصدِ ما طغیٰ — نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا — اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود — اُونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے چراغِ قمر جھلملائے — اُن عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
اُن کے خد کی سہولت پہ بے حد درود — ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے — اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود — نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
شبنمِ باغِ حق یعنی رُخ کا عرق — اُس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام
خط کی گردِ دہن وہ دلِ آرا پھبن — سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
ریشِ خوش معتدل، مرہمِ ریشِ دل — ہالۂ ماہِ قدرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں — اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

تھے اور زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ کلام کی ابتدا اور انتہا میں زیادہ وضاحت فرماتے جامع کلمات کے ساتھ مفصّل کلام فرماتے لیکن گفتگو میں زائد از ضرورت ایک لفظ بھی نہ ہوتا اور کسی لفظ کے اضافہ کی ضرورت بھی نہ رہتی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ")

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں — اُس دہن کی تراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے — اُس زلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اُس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
اس کی باتوں کی لذّت پہ لاکھوں درود — اُس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
وہ دُعا جس کا جوبن بہارِ قبول — اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
جن کے گچھّوں سے لچھے جھڑیں نور کے — اُن ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اُس تبسّم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں — اُس گلے کی نظارت پہ لاکھوں سلام
دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف — ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام
حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل — یعنی مہرِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا — موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی ہمّت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون — ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم — اُس کفِ بحرِ ہمّت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں — انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تند خُو نہیں بلکہ طبیعت کے نرم تھے۔ کسی کو حقیر نہیں جانتے تھے۔ نعمت کی قدر کرتے اگرچہ قلیل ہوتی اور اس کی مذمت سے پوری طرح گریز کرتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی قطعاً تعریف نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ حرص کی نشانی ہے اور برائی بھی نہیں کرتے تھے اگر کوئی حقوق اللہ سے تعرض کرتا (یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم فرمودہ حدوں کو توڑتا) تو آپ کا غصّہ اس وقت تک دُور نہیں ہوتا تھا جب تک اس سے انتقام نہ لے لیتے لیکن اپنی ذات کے لئے کبھی غصّے میں نہیں آئے اشارہ پوری ہتھیلی سے فرماتے۔ جب تعجب کا اظہار فرمانا مقصود ہوتا تو ہتھیلی کو اوپر نیچے کرتے اور جب کلام فرماتے تو اسے ہلا دیتے اور دائیں انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے جب ناراض ہوتے تو چہرۂ انور کو پھیر لیتے۔ خوش ہوتے تو نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال — ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
رفعِ ذکرِ جلالت پہ ارفع درُود — شرحِ صدرِ صدارت پہ لاکھوں سلام
دِل سمجھ سے وراء ہے مگر یُوں کہوں — غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام
کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غِذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھِنچ کر بندھی — اس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام
انبیاء تہ کریں زانو ان کے حضور! — زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام
ساقِ اصلِ قدم، شاخِ نخلِ کرم — شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم — اس کفِ پا کی حُرمت پہ لاکھوں سلام
جس سُہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند — اس دِل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدے پہ روزِ ازل سے درُود
یادگاریٔ اُمّت پہ لاکھوں سلام

صرف تبسّم کی حد تک تھا اور جب کلام فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا بارانِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔

حضرت امامِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ جب مَیں نے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حُلیہ مُبارک کچھ عرصہ مخفی رکھنے کے بعد اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے بیان کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بتانے سے پہلے ہی وہ آگاہ ہو چکے ہیں کیونکہ انہوں نے والدِ محترم، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھر میں تشریف لانے، سے تشریف لے جانے اور آپ کے لباس مجلس اور شکل و شباہت کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے ہر بات تفصیل کے ساتھ بتا دی تھی۔

حضرت امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والدِ محترم سے پُوچھا تھا کہ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے دولت خانے میں کس طرح تشریف لایا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دولت خانے میں تشریف لانا آپ کی مرضی پر منحصر تھا جتنا وقت وہاں تشریف رکھنا چاہتے۔ اس کے تین حصّے کئے ہوئے تھے۔ ایک حصّہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے۔ دوسرا حصّہ اہل و عیال کے لئے اور تیسرا حصّہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ پھر اس تیسرے حصّے کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم کیا ہُوا تھا۔ عام پر خاص کو ترجیح دیتے لیکن روکتے کسی کو بھی نہیں تھے۔

امّت کے حق میں یہ آپ کی عادتِ کریمہ تھی کہ اہلِ فضل کو ترجیح دیتے اور دین میں فضیلت کے لحاظ سے حاجت مندوں میں تقسیم فرماتے۔ اُن میں بعض ایک حاجت والے۔ بعض دو حاجتوں والے اور بعض بے شمار حوائج والے ہوتے تو ان کی ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے اور آپ کا یہ اشتغال اُن کی تسکین اور دلجوئی کے لئے ہوتا تھا۔ لوگوں کے حالات

پوچھتے اور جواب کے لائق ہوتا وہ مشورہ بھی دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ حاضرین کو چاہیے کہ ہماری یہ باتیں ان لوگوں تک بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں اور جو لوگ اپنی حاجت ہماری بارگاہ تک پہنچانے سے مجبور ہوں تو دوسرے کو چاہیئے ایسے لوگوں کی حاجتیں ہم تک پہنچائیں کیونکہ جو شخص کسی مجبور کی حالت بادشاہ و حکام تک پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ثابت قدم رکھے گا۔ آپ کی بارگاہ میں ضروری باتوں کے سوا اور کسی بات کا ذکر نہیں ہوتا تھا اور نہ آپ کسی غیر ضروری بات کو پسند فرماتے تھے۔ یہ بارگاہِ رسالت کے آداب تھے۔ سفیان بن وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بارگاہِ رسالت میں خالی ہاتھ حاضر ہوتے اور دولتِ علم سے ایسے مالا مال ہو کر جاتے کہ فقیہ بن جاتے تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ بیرونِ خانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حالت کیا ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بغیر ضرورت کے کلام نہیں فرماتے تھے لوگوں کو آپس میں ملانے کی کوشش کرتے اور متفرق نہ ہونے دیتے۔ ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے تھے اور اسی کو ان لوگوں پہ والی (گورنر) بناتے تھے۔ عام لوگوں سے علیحدہ رہتے لیکن کسی سے رُوگردانی نہیں فرماتے۔ اچھے کام پہ حوصلہ افزائی فرماتے اور بُرے کاموں کو ناپسند فرماتے تھے۔

آپ کے معمولات میں اعتدال اور عدم اختلاف تھا۔ غفلت اور تساہل کو قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتے تھے تاکہ آپ کو دیکھ کر دوسرے غافل اور کاہل نہ بننے پائیں۔ ہر کام میں میانہ روی پسند تھی۔ کسی کے حق میں کمی نہ کرتے اور غیر مستحق کو تجاوز نہیں کرنے دیتے تھے۔ جو حضرات آپ کا جس قدر قرب حاصل کر لیتے اسی قدر دوسروں سے بہتر اور افضل شمار ہوتے۔ لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے آپ کی بارگاہ میں عظیم شمار ہوتے تھے۔

پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ معین نہیں فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی معین کرنے سے منع فرماتے تھے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو مجلس کے آخری سرے میں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اپنے ہم نشینوں کو علیٰ قدر مراتب نوازتے رہنا آپ کا معمول تھا جس کے باعث ہر مقرب بارگاہ یہی گمان کرتا تھا کہ آقائے دوجہاں کی خصوصی نظر کرم میرے ہی حال پر ہے جو شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا یا کسی حاجت کے تحت اسے آنا پڑتا تو جب تک وہ فارغ ہو کر چلا نہ جاتا آپ اس کے پاس ہی تشریف رکھتے۔ جس نے بھی بارگاہِ رسالت میں اپنی حاجت پیش کی، آپ نے اس کی حاجت روائی ضرور فرمائی۔ اگر پوری کرنے کے قابل نہ ہوتی تو سمجھا بجھا کر اسے مطمئن فرما دیتے تھے۔

آپ کی کرم نوازی اور حسنِ سلوک کا دائرہ لوگوں کے درمیان بڑا وسیع تھا۔ آپ سب کے لئے مہربان باپ کی طرح تھے اور وہ سارے آپ کے نزدیک حقوق کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت والے تھے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے نزدیک لوگ حق میں برابر تھے۔ آپ کی مجلس علم و حیا اور صبر و امانت کی محفل ہوا کرتی تھی۔ اس میں نہ تو کوئی آواز بلند کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی کی جاتی تھی۔ نیز منہ دیکھ کر گفتگو نہیں کی جاتی تھی۔ یہ الفاظ پہلی روایتوں میں نہیں ہیں۔ صحابہ کرام بھی آپ کی مقدس مجلس میں تقویٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے اور آپس میں تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ بڑوں کی عزت کرتے چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے۔ غریبوں کی حاجت روائی کرتے اور مسافروں کی حالت پر ترس کھایا کرتے تھے۔

پھر انہوں نے ہم نشینوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت

مقدسہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوش مزاج، کریم الخلق اور نرمی کا برتاؤ کرنے والے تھے۔ بدخلق اور سخت مزاج نہ تھے اور نہ بازاروں میں آواز بلند کرتے اور نہ فحش باتیں کبھی زبانِ مبارک پہ لاتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ کسی سے ایسا مزاح کرتے جو مقامِ ادب سے غافل کردے یا جسے طبیعت پسند نہ کرے کبھی مایوس نہ ہوتے۔ تین چیزیں آپ کی سیرتِ مقدسہ میں قطعاً نہ تھیں،

۱۔ ریاکاری۔

۲۔ بیکار گفتگو۔

۳۔ غیر مفید کام

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تین باتوں سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ (۱) لوگوں کو برائی سننے اور ملامت کرنے —— (۲) کسی کی پردہ دری کرنے —— (۳) ایسا کلام کرنے سے جس میں ثواب کی امید نہ ہو —— جب آپ زبانِ حق ترجمان سے کچھ ارشاد فرماتے تو اہل مجلس سروں کو اس طرح جھکا لیا کرتے تھے جیسے ان کے سروں پہ پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپس میں کبھی گفتگو کرلیا کرتے تھے لیکن وہ آپس میں کسی بات پر جھگڑتے نہیں تھے جو شخص بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوتا تو اس کی التجا پوری توجہ سے سنی جاتی تھی اور اتنی دیر آپ خاموش رہتے تھے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کرلیتا۔

کلام کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ آپ ہنستے تو اہل مجلس بھی ہنستے (یہ یاد رہے کہ از روئے احادیثِ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا تبسم فرمانے تک محدود تھا) اور آپ تعجب کا اظہار فرماتے تو وہ بھی متعجب ہوتے۔ اجنبی آدمی کی سخت کلامی پر صبر فرماتے اور عام حکم تھا کہ جب کسی حاجت مند کو دیکھو تو

تو اس کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرو۔ مکافات کرنے والے کے سوا کسی کی تعریف قبول نہ فرماتے اور نہ کسی کی بات کاٹتے۔ اگر کوئی تجاوز کرتا تو اسے روک دیتے یا وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت سفیان بن وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت یہاں پوری ہو گئی۔

دوسرے راوی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سکوت کی کیا کیفیت ہوتی تھی تو جواب ملا کہ آپ کی خاموشی کے چار اسباب تھے (۱) حلم ——— (۲) احتیاط ——— (۳) اندازہ ——— (۴) تفکر ———

آپ، کا اندازہ اس وجہ سے تھا کہ سب پر نظر رہے اور ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سماعت فرما سکیں۔ آپ کا تفکر فنا ہونے والی اور باقی رہنے والی چیزوں کی حقیقت سے آشنائی کے باعث تھا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلم صبر آمیز تھا۔ خفت اور سبکی کے مواقع پر بھی آپ غصے میں نہیں آتے تھے۔ آپ کے اندازہ فرمانے میں بھی چار خوبیاں جمع تھیں ——— (۱) نیک باتیں اختیار کرنا تاکہ لوگ ان میں پیروی کریں ——— (۲) بُری باتوں سے دُور رہنا تاکہ لوگ ان سے اجتناب کریں ——— (۳) اس چیز کی کوشش کرنا جس کا امت کو فائدہ ہو ——— (۴) ان مصالح کا اختیار کرنا جو امت کے لیے دنیا اور آخرت میں مفید ہوں خدائے ذوالمنن کا شکر و احسان ہے کہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ اوصاف لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فصل - ۲۶ جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گزشتہ حدیث پاک کے مشکل الفاظ کا عام فہم مطلب | پہلی حدیث کی شرح میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں :-

اَلْمُشَذَّبُ : اس میں دراز قد اور قدرے نحیف آدمی مُراد ہے اور یہ دوسری حدیث کے مطابق ہے کیونکہ اس میں بھی یہی مذکور ہے کہ آپ دراز قد نہ تھے۔

اَلشَّعْرُ الرَّجِلُ : اس سے وہ بال مراد ہیں جو نہ زیادہ شکن دار ہوں اور نہ بالکل سیدھے یعنی دستِ قدرت نے شانہ کیا ہوا تھا اور بال مبارک الجھے ہوئے بھی نہ تھے۔

اَلْعَقِيْقَةُ : اس سے سر کے ایسے بال مراد ہیں کہ اگر انہیں جُدا جُدا کیا جائے تو ہو جائیں ورنہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے یعنی گُتھے ہوئے رہیں۔ دوسری روایت میں اس کے لئے لفظ عقیصة استعمال ہوا ہے۔

اَزْهَرُ اللَّوْنِ : اس سے روشن رنگ یا خوبصورت رنگ مراد ہے جیسا کہ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا میں مفہوم ہے۔ دوسری حدیث میں اس کی تشریح یوں ہے لَیْسَ بِالْاَبْیَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ۔ اس میں بھی امہق سے بالکل سفید اور لفظ آدم سے گندمی رنگ مراد ہے —— ایک اور حدیث میں ابیض مشرب آیا ہے یعنی ایسا سفید رنگ جس میں سُرخی کی جھلک پائی جائے۔

اَلْحَاجِبُ الْاَزَجُّ : ایسے قوس دار حاجب جن کے بال گھنے ہوں۔

ب ـ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حبیب پروردگار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نورانی چہرے کی توصیف میں گلشنِ دین وایمان کو بہار درکنار کرتے ہوئے فرمایا ہے :

صبحِ طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نُور کا | صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نُور کا
باغِ طیبہ میں سُہانا پھول پھولا نور کا | مست بُو ہیں بُلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نُور کا
چودھویں کے چاند کا مُجرا ہے سجدہ نُور کا | بارہ بُرجوں سے جھکا اِک اِک ستارہ نُور کا
تیرے ہی ماتھے یہ ہے اے جانِ سہرا نُور کا | بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نُور کا

اَلْاَقْنٰی، لمبی ناک جو درمیان سے قدرے ابھری ہوئی ہو

اَلْاَشَمُّ، ناک کی لمبی پوری کو کہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ؛

بینی پُر نور پر رخشاں ہے بکّہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اُڑتا پھریرا نور کا

مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا
لو سیاہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا

آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

ہیبتِ عارض سے تھرّاتا ہے شعلہ نور کا
کفشِ پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا

شمعِ دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

کیا بنا نامِ خدا اسرا کا دولھا نور کا
سر پہ سہرا نور کا، بر میں شہانہ نور کا

وصفِ رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا!
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

وضعِ واضع میں تری صورت ہے معنیٔ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

انبیاء اجزا ہیں، تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقے سے ہے اُن پر نام سچّا نور کا

یہ جو مہر و ماہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

سُرمگیں آنکھیں حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

ک گیسو، ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع ص
کھٰیٰعٓصٓ اُن کا ہے چہرہ نور کا

اے رضا یہ احمدِ نوری کا فیضِ عام ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

اَلْقَرَنُ ؛ حاجبوں کے بالوں کا ملا ہوا ہونا مراد ہے۔ اس کی ضد بَلَجٌ یعنی جدا جدا ہونا ہے ———— ام معبد والی حدیث میں آپ کا یہ وصف لفظ قرانِ بن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اَلْاَدْعَجُ ؛ سے آنکھ کے گہرے سیاہ بال ہیں ———— دوسری حدیث میں اَشْکَلُ الْعَیْنِ اور اَسْجَرُ الْعَیْنِ جس سے آنکھ کی وہ سفیدی مراد ہے جس میں سرخی کی جھلک بھی ہو۔

اَلضَّلِیْعُ ؛ سے وسیع وکشادہ مراد ہے۔

اَلشَّنَبُ ؛ سے دانتوں کی خوبصورتی یا ان کے درمیان معمولی سا فاصلہ مراد ہے جیسے عموماً نوجوانوں کے دانت ہوتے ہیں۔

اَلْفَلَجُ ؛ سے مراد سامنے والے دانتوں کا فاصلہ ہے۔

دَقِیْقُ الْمَسْرُبَۃِ ؛ بالوں کی وہ دھاری یا لکیر جو سینے سے ناف تک ہو۔

بَادِنٌ ؛ سے مراد پُر گوشت ہے۔

مُتَمَاسِکٌ ؛ سے معتدل اور مضبوط جسم مراد ہے جیساکہ دوسری حدیث میں ہے کہ لَمْ یَکُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ یعنی آپ ڈھیلے ڈھالے اور نرم گوشت والے نہیں تھے۔

اَلْمُکَلْثَمُ ، سے مراد کم لمبی ٹھوڑی (ذقن) ہے۔

سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ ، سے شکم مبارک اور سینہ پُر نور کا سامنے سے برابر ہونا مراد ہے۔

مَشِیْحُ الصَّدْرِ ؛ اگر یہ لفظ اسی طرح درست ہے تو اس سے مراد اقبال ہے اس کا ایک مطلب سینے میں کسی جانب ہونا بھی مراد ہے۔ اسی سے سَوَآءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ کی تشریح بھی ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کے سینۂ فیض گنجینہ سے شکم اطہر

باہر کو نکلا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ مَسِیحُ یعنی سین اور فتح میم کے ساتھ ہو اس صورت میں اس کا مطلب عریض و کشادہ ہوگا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے جس کی ابنِ درید رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت کی ہے۔

اَلْکَرَادِ یْسُ: اس سے سر کی ہڈیاں مراد ہیں اور یہ اس قول کی طرح ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے جَلِیْلُ الْمُشَاشِ وَالْکَتِدِ لفظ مشاش سے کندھوں کے سرے اور کَتِد سے کندھوں کا اجتماع مراد ہے۔

شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ: اس سے ہتھیلیوں اور قدموں کا پُر گوشت ہونا مراد ہے۔

اَلزَّنْدَانِ: اس سے کلائیوں کی ہڈیاں مراد ہیں۔

سَائِلُ الْاَطْرَافِ: اس کا مطلب لمبی انگلیاں ہے ——— ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں سائل الاطراف یا سائن الاطراف اور اس طرح لام کو میم سے بدل دینے میں معنی بھی بدل جاتا ہے، اگر اس کیساتھ روایت درست ہو جبکہ دوسری روایت میں سائِرُالْاَطْرَاف آیا ہے جس سے اعضاء کی موٹائی کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ حدیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

رَحْبُ الرَّاحَۃِ: اس سے مراد وسیع ہتھیلی ہے یا انتہائی سخی ہونا۔

خَمْصَانُ الْاَخْمَصَیْنِ: ایسے قدم جو درمیان سے اُونچے اور زمین سے اٹھے ہوئے ہوں۔

مَسِیْحُ الْقَدَمَیْنِ: اس سے صاف قدم مراد ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یَنْبُوْ عَنْھُمَا الْمَآءُ ——— اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس کے خلاف واقع ہوا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب قدم مُبارک کو زمین پر رکھتے تو پورا قدم زمین سے لگ

جاتا جس میں نہ کسی جانب جھکاؤ ہوتا اور نہ کسی جگہ ابھار ہوتا یہ مفہوم مَسِیحُ الْقَدَمَیْنِ والی روایت کی تائید کرتا ہے ——— اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو مسیح اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کا جھکاؤ کسی اور جانب نہیں تھا اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے قدم مبارک پر گوشت نہ تھے لیکن یہ قول شَثْنُ الْقَدَمَیْنِ کے خلاف ہے۔

اَلتَّقَلُّعُ: اس کا مطلب قوت سے قدم اٹھانا ہے۔

اَلتَّکَفُّوْءُ: آگے کی جانب جھک کر چلنے کو کہتے ہیں۔

اَلْهَوْنُ: اس سے نرمی اور وقار مراد ہے۔

اَلذَّرِیْعُ: لمبے قدم اٹھانے کو کہتے ہیں یعنی جلدی جلدی قدم اٹھانا اور کافی آگے قدم رکھنا جبکہ متکبر کی چال اس کے برعکس ہوتی ہے۔ آپ منزل کی جانب متوجہ رہتے۔ آپ کا تیز چلنا بھی مشقت کے بغیر اور آسانی کے ساتھ تھا اور جیسا کہ مذکور ہوا جب آپ چلتے تو محسوس ہوتا کہ نیچی جگہ کی جانب اتر رہے ہیں۔

یَفْتَحُ الْکَلَامَ وَیَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ: یعنی دہن مبارک کشادہ تھا جبکہ اہل عرب منہ کی فراخی کو خوبی شمار کرتے اور چھوٹے منہ کو مذموم گردانتے تھے۔

اَشَاحَ: اعراض کرنا۔ منہ پھیرنا۔

حَبُّ الْغَمَامِ: اولے۔ ژالہ۔

فَیَرُدُّ ذَالِکَ بِالْخَاصَّةِ عَلَی الْعَامَّةِ: اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وقت مقرر فرمایا ہوا تھا جس میں صرف خاص حضرات ہی بارگاہِ رسالت میں باریاب ہو سکتے تھے اور آپ کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفید ہو کر انہیں عام حضرات تک پہنچاتے تھے۔ بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ اس خاص وقت کو عام لوگوں کے لئے بھی بدل دیا جاتا تھا۔

عــہ مولانا کفایت علی کافی رحمۃ اللہ علیہ نے اس محرومی کا ذکر یوں کیا ہے :- (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

یَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا: اس سے مراد محتاجوں اور تشنگانِ علم و عرفان کی بارگاہِ رسالت میں حاضری ہے۔

وَلَا یَنْصَرِفُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ: یعنی طالبین اپنی تشنگی بجھائے بغیر نہیں لوٹتے تھے جیسا کہ اکثر ہوتا رہا اور ان لفظوں کو ظاہری مفہوم پر ہی محمول کرنا چاہیئے۔

اَلْعَتَادُ: تیار شدہ، موجود چیز۔

اَلْمُوَازَرَۃُ اَلْمُعَاوَنَۃُ وَقَوْلُہٗ لَا یُوَاطِنُ الْاَمَاکِنَ: یعنی نماز کے لئے کوئی جگہ معین نہ فرماتے یا مجلس میں کوئی جگہ معین نہ فرمانے اور دوسری حدیث میں اس حرکت سے تفصیلی

(الغنیۃ صفحہ)

رہی حسرت کہ گیسو کو نہ دیکھا
سرِ زلفِ معنبر کو نہ دیکھا

نہ پوچھو کشتۂ دیدار کا حال
فروغِ عارضِ گل رُو نہ دیکھا

رہے اکثر کفِ افسوس ملتے
مگر اُن ہاتھ کو ہم نے نہ دیکھا

ہزاروں کے تڑپنے کا تماشا
قفس میں تو نے وہ گل رُو نہ دیکھا

بھلا کہیئے کہ کیا دیکھا جہاں میں
اگر کافیؔ نے تم کو یاں نہ دیکھا

بدن تھا آپ کا جانِ تجلّیٰ
عیاں تھی چہرہ پر شانِ تجلّیٰ

تصوّر کس کی صورت کا بندھا ہے
کہ چھایا دل پہ سامانِ تجلّیٰ

رُخ پُر نور پہ بالوں کا عالم
بہارِ سنبلستانِ تجلّیٰ

رسول اللہ کے نورِ جبین کو
بجا ہے گر کہیں جانِ تجلّیٰ

نہ تھا کچھ آتشِ دیدار سے کم
دُرِ دندان کی لمعانِ تجلّیٰ

برو دوش و سر و دست مبارک
رہا کافی کو ارمانِ تجلّیٰ

قدِ عالی کی موزونی سے کہیے
سہی سروِ گلستانِ تجلّیٰ

نہ دیکھا آہ دیدارِ مبارک
رہا کافی کو ارمانِ تجلّیٰ

طور پر منع فرمایا ہے۔

صَابِرَۃٌ : اس سے مراد ہے کہ ساتھی یا آنے والے کے ارادے کے مطابق ٹھہرے رہتے۔

لَا تُؤْبَنُ فِیْہِ الْحُرَامُ : یعنی آپ کی مجلس میں عورتوں کی بدگوئی نہ کی جاتی یعنی انہیں بُرائی سے یاد نہ کیا جاتا۔

لَا تُنْثٰی فَلَتَاتُہٗ : یعنی اِدھر اُدھر دیکھ کر بات نہ کی جاتی۔ نہ کسی کی پردہ دری کی جاتی۔

یَرْفِدُوْنَ : مدد کرنا۔ اعانت کرنا۔

اَلسَّخَابُ : بہت چلّانے والا۔

لَا یَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُّکَافِیٍ : بعض کا قول ہے کہ مدح وثنا میں مبالغہ ہو تو پسند نہ فرماتے۔ ——— ایک قول یہ ہے کہ یہ مُسلم کے بارے میں ہے ——— بعض کا قول ہے کہ یہ احسان کا بدلہ دینے والے کے متعلق ہے جس پہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے احسان فرمایا ہو۔

یَسْتَفِزُّہٗ : ہلکا جاننا جیسا کہ دوسری حدیث میں آپ کی تعریف میں ہے کہ ——— آپ کی مُبارک ایڑیاں زیادہ پُرگوشت نہ تھیں۔

ے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی مبارک ایڑیوں کی شان یُوں بیان کی ہے:۔

عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

جا بجا پرتو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید، شب کو ماہ و اختر ایڑیاں

نجمِ گردوں تو نظر آتے ہیں چھوٹے اور وہ پاؤں
عرش پر پھر کیوں نہ ہوں محسوس لاغر ایڑیاں

دب کے زیرِ پا نہ گنجائش سمانے کی رہی
بن گیا جلوہ کفِ پا کا اُبھر کر ایڑیاں

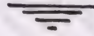
اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ: اس سے مراد لمبے بال ہیں۔ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

دو قمر، دو پنجہ، خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

تا بخ روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں!

اے رضا طوفانِ محشر کے تلاطم سے نہ ڈر
شاد ہو، ہیں کشتئ امت کو لنگر ایڑیاں



بابِ سوم

اِس باب میں وہ صحیح اور مشہور احادیث پیش کی جائیں گی جن سے یہ صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں سیدنا محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کیا ہے اور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو جہانوں کی کن کن بزرگیوں کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں حضور کا مقام

لَاخِلَافَ اَنَّهٗ اَکْرَمُ الْبَشَرِ وَسَیِّدِ وَلَدِ اٰدَمَ وَاَفْضَلُ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاَعْلَاهُمْ دَرَجَةً وَاَقْرَبُهُمْ زُلْفٰی وَاَعْلَمْ اَنَّ الْاَحَادِیْثَ الْوَارِدَةَ فِیْ ذَالِكَ كَثِیْرَةٌ جِدًّا وَقَدِ اقْتَصَرْنَا مِنْهَا عَلٰی صَحِیْحِهَا وَمُنْتَشِرِهَا وَحَصَرْنَا مَعَانِیْ مَا وَرِدَ مِنْهَا فِیْ اثْنٰی عَشَرَ فَصْلاً۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے معزز بشر اور اولادِ آدم کے سردار ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسانوں سے افضل ہیں، آپ کا مرتبہ اُن سب سے بلند ہے اور خدا کے سب سے قریب ہیں جاننا چاہیے کہ اِس بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ بہت زیادہ ہیں جن سے ہم نے صحیح اور مشہور حدیثیں ہی پیش ہیں اور جن معانی میں وہ وارد ہیں ان کے لحاظ سے ہم نے انہیں بارہ[1] فصلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (ص ۱۳۰)

---

[1] مصنف کتاب یعنی امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو بارہ فصلوں میں لکھنے کا مژدہ سنایا لیکن لکھنے بیٹھے تو بارہ کی جگہ پندرہ فصلیں ہو گئیں۔ نہ ایسے امام زمانہ، صاحبِ دل اور عاشقِ رسول کے

باقی اگلے صفحہ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰)

لئے بڑی مشکل تھا کہ وہ بارہ کی جگہ بارہ سو فصلیں لکھ دیتے اور نہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات اتنے محدود ہیں کہ مخلوق سے کوئی فرد یا تمام افراد ان کا احاطہ کر سکیں بہر حال جب بھی کسی صاحبِ دل نے حبیبِ خدا کے اوصاف بیان کرنے کی خاطر اپنے رہوارِ قلم کو اذنِ خرام دیا تو وہ عشقِ رسول کے نشے میں سرشار ہو کر کچھ اس طرح سرپٹ دوڑنے لگتا ہے کہ منزلوں پر منزلیں طے ہوتی چلی جاتی ہیں دیکھنے والے انگشت بدندان رہ جاتے ہیں لیکن وہ اس میدان کی وسعتوں کو دیکھ کر یہی سمجھتا ہے کہ ابھی تو ذرا بھی فاصلہ طے نہیں کیا اور آخر کار اسے اپنی مجبوری و معذوری کا اظہار کرتے ہی بنتی ہے اور شاعرِ رسول، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظوں میں بے اختیار پکار اُٹھتا ہے :-

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

فصل - ۱

شانِ مصطفوی

اس فصل میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوِ مرتبت. مقامِ اصطفاء رفعتِ شان، افضلیت، اولادِ آدم کی سرداری اور آپ کے دنیاوی مراتبِ جلیلہ کے بیان پر جو اخبار و احادیث مشتمل ہیں وہ پیش کی جائیں گی نیز جن میں آپ کی ذاتِ بابرکات کے خصائص اور آپ کے اسمِ مبارک کی برکتوں کا ذکر ہے ان میں سے بعض پیش کی جائیں گی۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد العدل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور مجھے اچھی قسم میں رکھا. جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ایک گروہ اصحاب الیمین[1] کا ہے اور دوسرا اصحاب الشمال[2] کا۔ پس میں اصحاب الیمین سے ہوں اور ان میں بھی سب سے بہتر ہوں. پھر ان دونوں کے تین تین حصے کئے اور مجھے تیسرے بہتر حصے میں رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک حصہ اصحاب المیمنہ[3] ہے. دوسرا اصحاب المشئمہ[4] اور تیسرا السابقون[5] کا ہے. میں السابقین میں سے ہوں اور ان میں بھی سب سے بہتر۔ پھر ان تینوں کے قبیلے بنائے تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے. وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[6]۔ تو میں اولادِ آدم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے متقی اور سب سے معزز ہوں اور یہ بہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا. پھر قبائل کے گھر بنائے اور مجھے بہتر گھر میں رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] پارہ ۲۷، سورہ واقعہ، آیت ۳۸
[2] پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۴۱
[3] پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۸
[4] پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۹
[5] پارہ ۲۷، سورۃ الواقعہ، آیت ۱۰
[6] پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، آیت ۱۳

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝ ۔۔۔۔ حضرت ابوسلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بارگاہِ رسالت مآب میں یوں عرض گزار ہوئے:

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (۱۳۱)	یارسول اللہ! آپ کو نبوت کب مرحمت فرمائی گئی؟ فرمایا جب آدم روح اور بدن کے درمیان تھے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چنا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو، بنی کنانہ سے قریش کو، ان سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و معزز ہوں اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا (یعنی تحدیث نعمت کے طور پہ کہہ رہا ہوں) ۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت میں ہے کہ میں جملہ اولین و آخرین سے زیادہ بزرگ ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہماری بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! میں نے زمین کے گوشے گوشے کو چھان مارا لیکن آپ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا اور بنی ہاشم سے بہتر کسی قبیلے کو نہ پایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

ﮯ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

وآلہ وسلم کی خدمت میں جب براق پیش کیا گیا اور آپ نے اس پہ سوار ہونے کا عزم فرمایا تو براق خوشی سے اچھلنے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے براق! تو نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کیسی حرکتیں کر رہا ہے؟ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ جو تیری پیٹھ پہ سوار ہونے لگے ہیں بارگاہِ خداوندی میں ان سے بڑھ کر معزز و مکرم اور کوئی نہیں ہے۔ براق یہ سن کر مارے ندامت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ——— اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اُن کی پشت مبارک میں زمین پہ اتارا اور حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک میں کشتی کے اندر رکھا اور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھا جب انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا اسی طرح ہر دور کے اندر مجھے مبارک پشتوں سے مبارک ارحام کی جانب منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اپنے والدین کریمین کے گھر جلوہ افروز ہوا، جو بدکاری کے نزدیک بھی نہیں پھٹکے تھے ——— اس مضمون کو آپ کے عمِ محترم، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے یوں بیان فرمایا ہے:

۱۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اپنے اپنے جسموں کو پتوں سے ڈھانپ رہے تھے اس وقت سے بہت پہلے آپ مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزار رہے تھے۔

۲۔ پھر ان کے ساتھ آپ بھی زمین پر تشریف لے آئے حالانکہ آپ نہ تو قبل ازیں بشر تھے اور نہ انسان کی بنیاد کے مانند آپ مضغہ اور علق رہے تھے۔

۳۔ ظہورِ بشریت کے بعد آپ نطفہ کی شکل میں محفوظ مقامات کے اندر سوار کے مانند متمکن رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہوا تھا جس سے اگلی منزل پہ پہنچتے اور پچھلی روپوش ہوتی جاتی۔

۴۔ آپ اصلاب سے ارحام کی جانب منتقل ہوتے رہے جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

۵۔ آپ کا ہر مسکن محفوظ تھا کہ خندقوں اور بلند چٹانوں سے گھرا ہوا تھا لیکن آپ اُن مقامات میں بھی اس کائنات کی زبان بن کر رہے۔

۶۔ جب آپ رونق افزائے دہر ہوئے تو تشریف آوری کے باعث زمین پُر نور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔

۷۔ ہم آپ کی ضیاپاشی اور نورانیت کے صدقے ہی میں تو راہِ ہدایت پر گامزن ہیں

حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایتیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے پانچ ایسی چیزیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ چھ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئیں، یعنی —— (۱) ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب طاری ہو جانے کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی۔ (۲) تمام زمین نماز پڑھنے کی خاطر میرے لئے پاک ٹھہرائی گئی تاکہ میرے امتی کو جہاں موقع میسر آئے وہیں نماز پڑھ لے (۳) میرے لئے مالِ غنیمت حلال فرما دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے غنائم حلال نہیں فرمائے گئے۔ (۴) میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۵) مجھے شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں اس کی جگہ یہ ہے کہ جو مانگو گے ملے گا —— ایک روایت میں ہے کہ مجھ پر امت پیش کی گئی تو کوئی فرمانبردار اور نافرمان مجھ پر مخفی نہ رہا

ایک روایت میں ہے کہ مجھے ہر گورے اور کالے کی جانب مبعوث فرمایا گیا ہے کہا گیا ہے کہ کالے سے اہلِ عرب مراد ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر لوگوں کا رنگ گندمی ہوتا ہے پس وہ سیاہ ہیں اور گورے سے مراد عجمی ہیں —— ایک قول یہ ہے کہ سفیدی اور سیاہی امتوں کے لحاظ سے ہے —— یہ بھی کہا گیا ہے کہ گورے سے

اِنسان اور کالے سے جنّات مراد ہیں ——— اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والی روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ رُعب کے ساتھ میری مدد فرمائی گئی ہے اور مجھے جوامع الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں اور مَیں بحالتِ خواب تھا کہ:

اِذْ جِیْئَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ۔	جب زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں۔ پھر میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔
(ص ۱۳۳)	

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے:۔

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (ص ۱۳۳)	میرے ساتھ نبیوں کی آمد ختم کردی گئی۔

؎ ختمِ نبوت کے مسئلے میں وہابیہ نے برٹش گورنمنٹ کے اشارے پر بڑی دھاندلی مچائی، حکومت ایک خود ساختہ نبی کھڑا کرنا چاہتی تھی جس کے راستے میں خاتمیت نمایاں رکاوٹ تھی۔ آخری نبی کے بعد دوسرا نبی کہاں سے آئے؟ سب سے پہلے حکومت کے اشارے پر مولوی اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) نے امکانِ نظیر کا فتنہ کھڑا کردیا اور تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا کہ حضور جیسے کروڑوں نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔

ان کے بعد میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) مولوی امیر احمد سہسوانی (المتوفی ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء) اور مولوی محمد قاسم نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) نے اس فتنے کو آگے بڑھاتے ہوئے شش مثل کا عقیدہ ایجاد کردیا کہ حضور کے زمانہ میں آپ کے ہمنام اور ہم پلّہ چھ نبی اور موجود تھے۔ اس موضوع پر شیخوپور (ضلع بدایوں) میں مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) اور مولوی امیر احمد سہسوانی کے مابین مناظرہ ہوا تھا جس کے مجموعے کو وہابیہ نے مناظرہ احمدیہ کے نام سے اگلے سال ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں کانپور سے حسبِ منشا شائع کرکے اس فتنے کو خوب ہوا دی۔

اس کے بعد مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء) کے سوال پر مولوی محمد قاسم نانوتوی

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ عَلَی الْحَوْضِ وَاَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔ (ص ۱۳۳)

میں تمہارے لئے حوضِ کوثر پہ آگے جانے والا ہوں اور تمہارے اوپر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور اللہ کی قسم مجھے یہ ہرگز خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے تو اس چیز کا خطرہ ہے کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگو گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) نے تحذیر الناس کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا صاف انکار کر دیا اور صاف لکھ دیا "غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (ص ۱۴)

۲- بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا (ص ۳۴) اور کتاب کی ابتدا میں ہی یہ لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بلحاظ زمانہ آخری نبی ماننا ان عوام کا کام ہے جو اہلِ فہم نہیں ہیں کیونکہ اس عقیدے سے خدا کو زیادہ گو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال اور قرآنِ کریم کو بے ربط ماننا لازم آتا ہے

موصوف کا یہ رسالہ تحذیر الناس پہلی مرتبہ ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا۔ موصوف نے بڑی محنت سے انگریزوں کی مشکل آسان تو کر دی اور دجالوں کے لئے نبوت کا دروازہ کھول دیا لیکن خود اس کاوش سے کما حقہٗ استفادہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: میں امّی نبی ہوں۔ مجھے جوامع الکلم اور خواتم الکلم مرحمت فرمائے گئے ہیں اور میں خازنینِ دوزخ و حاملینِ عرش کو جانتا ہوں ——— یہ بھی انہی سے روایت ہے کہ میں قیامت سے پہلے ہوں۔

ابن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: باری تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اے حبیب! جو چاہو مجھ سے مانگو۔ میں عرض گزار ہوا کہ اے رب! مانگوں تو کیا مانگوں جبکہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، حضرت نوح علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی حکومت عطا فرمائی جو ان کے بعد کسی کو مرحمت نہیں فرمائی جائے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، اے حبیب!

مَا اَعْطَيْتُكَ خَيْرٌ مِّنْ ذَالِكَ	میں نے جو تمہیں مرحمت فرمایا ہے وہ ان سب
اَعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ وَجَعَلْتُ	سے بہتر ہے میں نے تمہیں کوثر عطا کیا اور
اِسْمَكَ مَعَ اِسْمِيْ يُنَادِيْ بِهٖ	تمہارے نام کو اپنے نام کیساتھ ملایا جس کی منادی

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نہ کر سکے اور ابھی یہی دیکھ رہے تھے کہ مخالفت کا جوش ٹھنڈا ہو تو نبوت کا دعویٰ کر دیا جائے لیکن قضا کے تیر نے مہلت نہ دی اور اس حسرت کو دل میں لئے ہوئے ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کو راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔

جب نبوت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے والے بالا کوٹ، دہلی، سہسوان اور نانوتہ میں پیوندِ خاک ہو گئے تو مرزا غلام احمد قادیانی نے اُن کے مشن کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں کھل کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ہماری کتاب کھلا خط اِن مباحث پر تحقیقات کا منہ سے بولتا شاہکار اور حقیقت کا بے مثال اظہار ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ وَجَعَلْتُ الْاَرْضَ طُهُوْرًا لَّكَ وَ لِاُمَّتِكَ وَغَفَرْتُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فَاَنْتَ تَمْشِیْ فِی النَّاسِ مَغْفُوْرًا وَّلَمْ اَصْنَعْ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ وَجَعَلْتُ قُلُوْبَ اُمَّتِكَ مَصَاحِفَهَا وَخَبَأْتُ لَكَ شَفَاعَتَكَ وَلَمْ اَخْبَأْهَا لِنَبِیٍّ غَیْرِكَ۔ [١٣٢]

فضاؤں میں سنی جاتی ہے اور زمین کو تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے پاک قرار دیا اور تمہاری خاطر تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے اور تمہیں بخشوانیوالا بنایا اور قبل ازیں میں نے ایسا کسی کیساتھ نہیں کیا اور تمہاری امت کے دلوں کو صحیفے بنایا اور حق شفاعت کو تمہارے لئے اٹھا رکھا تھا جبکہ یہ حق کسی دوسرے نبی کے لئے نہیں رکھا گیا۔

دوسری حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوش خبری دی ہے کہ تمہاری امت کے جو اشخاص سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ستر ہزار مزید ہوں گے۔ ان میں سے کسی کا حساب نہیں لیا جائے گا اور مجھ پر یہ کرم بھی فرمایا ہے کہ میری امت قحط سالی سے نہیں مرے گی اور نہ کبھی مغلوب ہوگی۔ مجھے نصرت، عزت اور رعب عطا فرمایا گیا ہے جو ایک ماہ کی مسافت تک اثر انداز ہے۔ میرے لئے اور میری امت کے لئے غنائم کو حلال فرمایا گیا ہے اور ہم سے پہلے لوگوں پر جو سختی فرمائی گئی ہے وہ ہم سے اٹھالی گئی ہے اور ہمارے اوپر دین میں تنگی نہیں رکھی گئی۔

---

١٣٢ جملہ انبیاء اپنی امتوں کو بعد میں آنے والے نبی اور خصوصاً نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دیتے تھے لیکن آپ چونکہ آخری نبی ہیں، اس لئے آپ نے کسی نبی کی بشارت نہیں دی بلکہ صاف فرما دیا کہ میرے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کا انتظار نہ کرنا بلکہ صرف قیامت کے منتظر رہنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے ہی معجزے عطا ہوئے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو معجزہ عطا ہوا ہے وہ وحی (قرآن کریم) ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔

محققین حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے اس وقت تک آپ کا یہ معجزہ بھی رہے گا۔ دیگر انبیائے کرام کے معجزے وقتی تھے ابد میں ان کی کوئی نشانی بھی نظر نہیں آئی۔ صرف اسی وقت کے لوگوں نے انہیں دیکھا لیکن قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک موجود رہیگا اور ہر کوئی اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی طرح محض ایک خبر ہو کر نہیں رہ جائے گا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کلام تو بہت طویل ہے جس کا ہم نے خلاصہ پیش کر دیا لیکن اعجاز قرآن پر تفصیل سے بحث معجزات کے باب میں کی جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو سات نجیب اس کی امت سے عطا فرمائے گئے اور تمہارے نبی کو چودہ مرحمت فرمائے جن میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود اور عمار بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ——— حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا بیان ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا بندہ اور سب سے آخری نبی ہوں۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں ——— حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے آسمانی مخلوق پر اور جملہ انبیائے کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ پوچھا گیا کہ آسمان والوں پر فضیلت کس طرح معلوم ہوئی تو فرمایا کہ اہلِ آسمان سے باری تعالیٰ نے فرمایا تھا:۔

وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰهٌ	اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے
مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ	سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا
جَهَنَّمَ ‌ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى	دیں گے۔ ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں
الظّٰلِمِيۡنَ ۵ ؎۱	ستم کاروں کو۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے :۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۵	بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن
؎۲	فتح فرمادی۔

صحابۂ کرام عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ! دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ کو کیا فضیلت حاصل ہے؟ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ، نے ان کے بارے میں فرمایا ہے :

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا	اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی
بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ	زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے

اور میرے متعلق اللہ رب العزت نے یہ فرمایا ہے :۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً	اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر
لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۵ ؎۳	ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے
	والی ہے، بشارت دیتا اور ڈر سناتا۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! ہمیں اپنے متعلق کچھ بتائیے اور اسی طرح کی روائتیں حضرت ابوذر، حضرت شداد بن اوس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں جن کی دعا کا ذکر باری تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے

؎۱ پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۲۹ ؎۲ پارہ ۲۶، سورۂ الفتح، آیت پہلی۔
؎۳ پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۴ ؎۴ پارہ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۲۸

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؁ (۱)

اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ اُن پر تیری آئتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اور مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں کیونکہ جب مَیں اُن کے شکم مُبارک میں جلوہ افروز تھا تو انہوں نے خواب دیکھا کہ اُن کے جسمِ مبارک سے ایک نور نکلا ہے جس سے سرزمینِ شام اور بصریٰ کے مکانات تک جگمگا اٹھے ہیں

مَیں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ اُسی دوران جب ایک روز میں اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ بکریاں چرا رہا تھا تو دو[2] شخص آئے جنھوں نے نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور دوسری روایت میں تین شخص مذکور ہیں۔ ان کے پاس سونے کا ایک طشت تھا جو برف جیسے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوُا تھا۔ انہوں نے میرا شکم مُبارک چیر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ سینے سے لے کر پیٹ کی جھلّی تک چیر دیا اور اندر سے خون کا ایک سیاہ لوتھڑہ نکال لیا پھر میرے دِل اور پیٹ کو اس برف جیسے پانی سے خوب دھویا۔ پھر انہوں نے ایک چیز پکڑی۔ دیکھا تو وہ ایسی نورانی مہر تھی جو نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ میرے دِل پہ رحمت کی مُہر لگا دی جس کے باعث وہ ایمان اور حکمت سے بھر پور ہو گیا۔ پھر دل کو اس کی جگہ پہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے شخص نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ اسی طرح مل گیا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔

(سبحان اللہ)

---

(۱) پارہ پہلا۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ان کا دل بہت مضبوط ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو کائنات کا مشاہدہ کرتی ہیں اور دو کان ہیں جو دور و نزدیک سے برابر سنتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ امت کے دس افراد کے ساتھ ان کا وزن کریں۔ وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر کہا سو کے ساتھ وزن کرتے ہیں۔ وزن کیا تو میں ان سے بھاری نکلا۔ پھر کہا کہ ایک ہزار کے ساتھ وزن کرتے ہیں۔ وزن کیا تو میں ان سے بھی بھاری نکلا۔ تو ایک اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اب وزن کرنا چھوڑ دیجئے، انہیں ساری امت کے ساتھ بھی تولا جائیگا تو یہی بھاری نکلیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ پھر انہوں نے باری باری اپنے سینے سے لگایا اور میری آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر کہنے لگے۔ اے حبیب! گھبرائیے نہیں۔ آپ کو یہ جان کر دلی مسرت ہوگی کہ جو کچھ آپ کے ساتھ کیا گیا ہے وہ مکمل خیر خواہی ہے۔ اس حدیث کے باقی حصے میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں نے بارگاہِ رسالت مآب میں یہ بھی عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (ماشاء اللہ) کس قدر بزرگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب وہ فرشتے میرے پاس سے چلے گئے تو یہ تمام واقعہ اس طرح میرے پیش نظر تھا جیسے میں ان کے سارے کام کا معائنہ کرتا رہا تھا۔

امام ابو محمد مکی اور فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہما نے حکایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام لغزش واقع ہو جانے کے بعد بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے کہ اے اللہ! مجھے بحقِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معاف فرمادے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میری خطا بخش دے اور توبہ قبول فرما۔ اللہ رب العزت نے استفسار فرمایا کہ اے آدم! تم مقام محمد سے کس طرح روشناس ہوئے؟ عرض گزار ہوئے کہ میں نے جنت میں ہر جگہ یہی لکھا دیکھا تھا۔

کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس کے دیکھنے سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب بندوں سے معزز و مکرّم ہیں دوسری روایت میں ہے کہ جنت میں ہر جگہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ محمد عبدی و رسولی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی لغزش کو معاف کر دیا گیا اس کی حکایت کرنیوالے دونوں حضرات کے نزدیک فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ کی تاویل یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہوئے تھے کہ اے پروردگار! میں نے پیدا ہوتے ہی جب عرش کی جانب دیکھا تو اس پہ لکھا ہوا پایا کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تو میں نے اسی وقت جان لیا تھا کہ تیری بارگاہ میں جو رتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا ہے وہ کسی دوسری کا نہیں کیونکہ ان کے نام نامی و اسم گرامی کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی فرمائی کہ اے آدم! مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم، وہ اگرچہ تمہاری اولاد سے ہیں اور تمام انبیاء سے آخر میں ہوں گے لیکن اس محبوب کو اگر پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی کنیت ابو محمد رکھ چھوڑی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی کنیت ابوالبشر ہے۔

سریح بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ ہر اس گھر میں حاضری دیتے ہیں جس میں محمد یا احمد نام کا کوئی آدمی رہتا ہو۔ ان فرشتوں کی عبادت یہی ہے

قاضی ابن قانع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابی الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جب مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی تو میں نے عرشِ الٰہی پر لکھا ہوا دیکھا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اَیَّدتُہٗ بِعَلیٍّ ۔ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں جن کی علی کے ذریعے میں نے مدد فرمائی ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا کی تفسیر میں مروی ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی ہے جس پر لکھا ہوا تھا کہ اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہو اور پھر مشقت اٹھائے اور اس شخص پر بھی تعجب ہے جو دوزخ پر یقین رکھتے اور اس کے باوجود اسے ہنسی آئے نیز اس شخص پر بھی تعجب ہے جو زمانے کی گردش اور دنیاداروں کی ہیرا پھیریوں کو دیکھ کر پھر ان پر اعتبار کرتا ہے اور میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں (جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کے ہر دروازے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو گا میں اسے عذاب نہیں دوں گا۔ —— بعض حضرات سے مذکور ہے کہ پرانے پتھروں پر مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُصْلِحٌ وَّسَیِّدٌ اَمِیْنٌ لکھا ہوا پایا گیا ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پرہیزگار ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور امانت دار سردار ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

علامہ شنطاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس کے ایک بازو پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے بازو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہے —— مورخین حضرات بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان (پاکستان و بھارت) میں ایک ایسا پھول ہے جس کا رنگ سرخ ہے لیکن سفید قدرتی رنگ میں اس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ لکھا ہوا ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۴۸ھ) نے اپنے والدِ محترم امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۱۴ھ) سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا۔ کہ اے لوگو! تم میں سے جس کا نام محمدؐ یا احمد ہے وہ جنت میں چلا جائے۔ اس حکم سے اللہ تعالیٰ کا مقصد اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمِ مبارک کی عظمت و کرامت دکھانا ہے۔

ابنِ قاسم علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب السماع میں اور ابنِ وہب رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے کہ میں نے اہلِ مکہ مکرمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس گھر میں محمدؐ نامی کوئی شخص رہتا ہو اس گھر میں برکت ہوتی ہے اور انہیں وافر روزی دی جاتی ہے ـــــــ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں آخر تمہارا نقصان کیا ہے کہ تمہارے گھر میں ایک دو بلکہ تین محمدؐ ہوں یعنی اس نام کے کئی آدمی ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو ان میں سے قلبِ مصطفےٰ کو اپنے لئے مخصوص فرما لیا اور انہیں خلعتِ رسالت سے مزین کر کے مبعوث فرمایا ـــــــ حضرت نقاش علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا	اور تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو
رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْا	ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی
اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا	بھی ان کی بیبیوں (ازواجِ مطہرات)
لہ	سے نکاح کرو۔

لہ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۳

تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پہ جلوہ افروز ہوئے اور خطاب فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ رب العزت نے مجھے تم پہ واضح فضیلت دی ہے اور میری ازواجِ مطہرات کو تمہاری بیویوں پر فضیلت دی ہے۔

فصل ۲ واقعۂ معراج احادیث نبوی کے اجالے میں

ان میں سے مناجات، رویت الٰہی، امامت انبیاء، سدرۃ المنتہیٰ تک عروج اور اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کا دیکھنا ہے۔ واقعۂ معراج واسرار آپ کے اُن خصائص سے ہے جس کے ذریعے آپ کے درجاتِ عالیہ ومناصبِ رفیعہ کا اظہار ہوتا ہے اور جن پہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبردار کیا ہے اور صحیح احادیث واخبار نے ان خصائص کی شرح کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ [1]	پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ [1]

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ہ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ہ وَمَا	اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اُترے۔ تمہارے صاحب

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت پہلی۔

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ
اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ
الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ
مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا
يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ
يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا
زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ
رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى
[1]

نہ بہکے اور نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی
بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ
تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے
انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے
پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان
بریں کے سبب سے بلند کنارے پر تھا۔
پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا
تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا
فاصلہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی
اپنے بندے کو۔ جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ
نہ کہا جو دیکھا۔ تو کیا تم ان سے ان کے
دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے
تو وہ جلوہ دو بار دیکھا۔ سدرۃ المنتہٰی کے
پاس۔ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب
سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ آنکھ
نہ کسی طرف پھری۔ نہ حد سے بڑھی۔
بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں
دیکھیں۔

واقعۂ معراج و اسراء کی صحت میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس کی تفصیلات نیز اس کے عجائبات و خصائص کی شرح احادیث صحیحہ مشہورہ

---

[1] پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۱ تا ۱۸

ہیں وارد ہے۔ سب سے پہلے ہم اس سلسلے کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو اس موضوع کی دوسری احادیث سے اکمل واتم ہے اور زیادات کی جانب بھی ضرور اشارے کر دیئے جائیں گے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی شہید ابو علی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ ابو بحر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا جو سفید رنگ کا جانور، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ وہ اتنا تیز رفتار جانور ہے کہ جتنی دور ایک عام انسان کی نظر پہنچتی ہے اتنے فاصلے پر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس گیا اور اسی پتھر کے ساتھ براق کو باندھا جس کے ساتھ دیگر انبیائے کرام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی اور مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔

اس کے بعد وہ ہمیں لے کر آسمان تک پہنچے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا گیا، آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا۔ میرے ساتھ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مزید پوچھا گیا کہ انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا۔ ہاں انہیں بلایا گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہیں حضرت آدم علیہ السلام بھی تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔

اس کے بعد براق ہمیں دوسرے آسمان تک لے گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو آواز آئی۔ آپ کون ہیں؟ جواب دیا۔ میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ میرے ساتھ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ہیں۔ مزید پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا۔ ہاں بلایا گیا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ دونوں خالہ زاد بھائی یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام وہاں تشریف فرما تھے۔ اُن دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں۔

اِس کے بعد براق ہمیں تیسرے آسمان تک لے گیا اور پچھلے آسمانوں والا معاملہ وہاں بھی پیش آیا یعنی اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ آخر کار جب دروازہ کھولا گیا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السّلام کو تشریف فرما پایا۔ جنہیں نصف حُسن عطا فرمایا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر و برکت کی دُعا کی۔ ازاں بعد براق ہمیں چوتھے آسمان تک لے گیا اور وہاں بھی مثلِ سابق سوال جواب ہوئے۔ دروازہ کھلنے پر معلوم کہ وہاں حضرت اِدریس علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دُعائیں دیں۔ ان کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ لے   اور ہم نے اس کو بلند مکان پر اٹھا لیا

پھر براق ہمیں پانچویں آسمان تک لے گیا وہی واقعہ یہاں بھی پیش آیا اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ہارون علیہ السّلام جلوہ افروز ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں —— پھر براق ہمیں چھٹے آسمان تک لے گیا یہاں بھی اسی طرح سوال و جواب ہوئے اور دروازہ کھلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام رونق افروز ہیں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور خیر و برکت کی دعائیں دیں —— اس کے بعد براق ہمیں ساتویں آسمان تک لے گیا اور مثلِ سابق معاملہ درپیش آیا۔ دروازہ کھُلنے پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ اور بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی ہے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جس فرشتے کی اس میں داخل

لے پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۵۷۔

ہونے کی ایک مرتبہ باری آجاتی ہے دوبارہ قیامت تک نہیں آئے گی۔

سدرۃ المنتہیٰ

اس کے بعد براق مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے گیا جس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں اور پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم نے ڈھانپ رکھا ہے یعنی خاص رحمتِ خداوندی نے اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے۔ مخلوق کی کیا مجال جو اس کے حسن و کمال کو بیان کر سکے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو چاہی وحی فرمائی اور روزانہ پچاس نمازیں فرض فرما دیں۔ جب مَیں فارغ ہو کر واپس آ رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا۔ یا سید المرسلین! اللہ ربّ العزّت نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ مَیں نے جواب دیا۔ روزانہ پچاس نمازیں۔ کہنے لگے، حضور! واپس جا کر تخفیف کروائیے کیونکہ آپ کی امت میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مَیں قبل ازیں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ مَیں لوٹا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کے لئے عرض گزار ہوا۔ اللہ جلّ شانہ، نے پانچ نمازیں معاف فرما دیں۔ مَیں نے واپس آتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے پانچ نمازوں کی معافی کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ حضور! آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے واپس جا کر مزید تخفیف کروائیے۔ سید الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں کہ مَیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے کہنے پر لوٹتا اور بارگاہِ خداوندی میں نمازوں کی تخفیف کا مسئلہ پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ جلّ مجدہ نے فرمایا کہ اے حبیب آپ کی امت پر روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے۔ یہ اگرچہ گنتی میں پانچ نمازیں ہونگی لیکن ان کا ثواب اتنا مرحمت فرماؤنگا جتنا پچاس نمازوں کا ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کے کسی امتی نے نیکی کا ارادہ کیا اور اسے کر نہ سکا تب بھی اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اسے کر لیا تو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ اس کے برعکس جس نے کسی بدی کا قصد کیا اور

اسے نہ کر سکا تو اس معاملے کو کالعدم شمار کیا جائے گا اور اگر اس بُرائی کا مرتکب ہوگیا تو ایک بُرائی ہی لکھوں گا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ واپس آتے وقت جب اِس دفعہ بھی مَیں موسیٰ علیہ السلام سے مِلا اور انہیں اس امر کی اطلاع دی تو وہ کہنے لگے حضور! بارگاہِ خداوندی سے اور تخفیف کروا لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس سلسلے میں اب بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے

حدیث شق الصدر

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوب بیان کیا ہے۔ جس خوبی کے ساتھ یہ حدیث انہوں نے بیان کی ہے اسی طرح اس حدیث کو ان سے کوئی بیان نہیں کر سکا۔ دیگر راویوں سے بیانات میں بہت کچھ خلط ملط ہو گیا ہے۔ خاص طور پر اُس روایت میں جو شریک بن ابی نمیر سے مروی ہوئی ہے کہ اُس روایت کے شروع میں فرشتے کا آنا۔ آپ کے شکمِ مبارک کا چاک کرنا اور اسے آبِ زمزم سے دھونا مذکور ہے حالانکہ یہ آپ کے بچپن کا واقعہ ہے جبکہ آپ پر وحی نہیں آتی تھی۔ شریک نے اپنی روایت میں اسے معراج کو وحی سے پہلے بتایا ہے حالانکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معراج کا واقعہ وحی کے بعد ہوا اور کتنے ہی علمائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بھی زیادہ پہلے آپ کو معراج کروائی گئی۔

ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے جو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنا۔ آپ کے سینہ مبارک کو چاک کرنا اس وقت کے ساتھ بیان کیا ہے جبکہ آپ دایہ کے پاس رہتے اور بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ پس انہوں نے اِس واقعہ

کو معراج سے علیحدہ بیان کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ دونوں واقعات کو خوب بیان کیا ہے۔ نیز اس لحاظ سے بھی ان کی روایت بہت عمدہ ہے کہ انہوں نے پہلے بیت المقدس تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک ایک ہی واقعہ کے طور پر مسلسل بیان کیا ہے یعنی آپ آپ بیت المقدس تشریف لے گئے اور اس کے بعد آسمانوں کی جانب عروج ہوا۔ اس سے وہ تمام اشکال دور ہو جاتے ہیں جو دوسرے حضرات نے پیدا کر دیئے ہیں۔

یونس نے ابن شہاب سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ پھر اس سے جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا۔ اس کے بعد آبِ زمزم سے دھویا۔ اس کے بعد ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لائے اور اسے میرے دل میں انڈیل کر سینہ برابر کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر آسمانوں پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ اُن کی روایت میں بعض واقعات کے اندر تقدیم و تاخیر اور کسی قدر کمی بیشی ہو گئی ہے نیز یہ کہ کو نسے آسمان پر کس نبی سے ملاقات ہوئی اس میں بھی کچھ تبدیلی واقع ہو گئی ہے

ہاں ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی وہ حدیث جس کی روایت انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے وہ سب سے محفوظ اور عمدہ روایت ہے —— حدیثِ اسرا کے اندر بعض روایتوں میں جو باتیں زیادہ مذکور ہوئی ہیں وہ ہم مفید نکتوں کے ساتھ ان کے مقامات پر پیش کریں گے۔

شبِ معراج میں انبیاء سے ملاقات

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں ہے کہ ہر نبی نے آپ سے مرحبا نبی صالح اور بھائی صالح کہا تھا لیکن حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے مرحبا نبی صالح اور فرزند

۱۳ ع ـــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریق سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر براق مجھے اور اوپر لے گیا یہاں تک کہ میں مستوی پر چلا گیا اور قلموں کے چلنے کی آوازیں سننے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر براق مجھے اور اوپر لے گیا حتیٰ کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچا جو ایسے مختلف رنگوں سے مزین تھا کہ عقل اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے میرا گزر ہوا تو وہ رو پڑے ندا آئی۔ اے موسیٰ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ عرض گزار ہوئے۔ اے پروردگار! تو نے اس نوجوان کو میرے بعد دنیا میں بھیجا لیکن میری امت کی نسبت اس کی امت جنت میں زیادہ جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ میں انبیائے اکرام کی جماعت میں تھا کہ نماز کی تیاری ہو گئی میں نے نماز میں ان کی امامت کا فریضہ انجام دیا۔ تو کسی نے کہا کہ یا رسول! یہ مالک فرشتہ داروغۂ دوزخ ہیں۔ انہیں سلام کر لیجیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان کی جانب دیکھا تو پہلے انہوں نے سلام کیا ــــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ میں چل پڑا یہاں تک کہ بیت المقدس میں آیا اور وہاں اُترا کہ میں نے براق کو صخرہ نامی پتھر سے باندھ دیا۔ پھر فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو بعض فرشتوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا، کیا اِن کو بُلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا۔

یہ سُن کر اُن فرشتوں نے مجھے سلام کیا اور کہا مرحبا! بہترین بھائی اور بہترین خلیفہ ــ یہ کیا ہی بہترین بھائی اور بہترین خلیفہ ہیں۔ اس کے بعد حضرات انبیائے کرام علیہم

السلام کی ارواحِ مقدسہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کی۔ چنانچہ راوی نے ہر نبی کے مقدس الفاظ ذکر کئے ہیں۔ آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کی اور بیان کرنے سے پہلے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حضرات نے تو رب تعالیٰ و تبارک کی مدح و ثنا بیان کی۔ اب میں بیان کرتا ہوں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّ اَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْئٍ وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّةً وَّسَطًا وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَهُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَ وَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ (ص ۱۲۵)

سب تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جس نے مجھے سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور خوشخبری دیتا، ڈر سناتا ہوا اور مجھ پر قرآن کریم نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو بہتر اور معتدل بنایا اور میری امت ہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے اور اس نے میرا سینہ کھولا۔ میرا بوجھ مجھ سے دُور کیا اور میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور آخری نبی بنایا۔

یہ سماعت فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے تو یہی واضح ہو رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم سب سے افضل ہیں۔ؐ

ؐ افضلیت مصطفےٰ اور آپ کے خصائص پر تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ——— حدیث خصائص و حدیث

باقی اگلے صفحہ پر

اِس کے بعد ذکر کیا ہے کہ آپ کو آسمانِ دنیا کی جانب چڑھایا گیا اور وہاں ایک آسمان سے دوسرے آسمان پہ پہنچتے رہے جیسا کہ مذکور ہوا ——— اور ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ مجھے سدرۃ المنتہٰی تک لے گئے جو چھٹے آسمان میں ہے۔ اوپر سے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۷۵) ہے جس میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خصائصِ جمیلہ ارشاد فرمائے جو کسی نبی و رسول نے نہ پائے اور ان کی وجہ سے اپنا تمام انبیاء اللہ پر تفضیل پانا ذکر فرمایا۔ یہ روایت متواتر المعنی ہے۔ امام قاضی عیاض نے شفا شریف میں اپنے پانچ صحابہ کی روایت سے آنا بیان فرمایا۔ ابوذر، ابنِ عمر، ابنِ عباس، ابوہریرہ، جابر رضی اللہ تعالٰی عنہم پھر حدیث کے چار پانچ متفرق جملے نقل کیے۔

علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں فتح الباری شرح صحیح البخاری امام علامہ ابنِ حجر عسقلانی سے اخذ کر کے اس پہ کلام لکھا جس میں احادیث حذیفہ و ابوہریرہ کے کہ صحیحین میں وارد ہے اور کوئی روایت پوری نقل نہ کی۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ نے کتب کثیرہ کے مواضع متفرقہ قریبہ و بعیدہ سے اس کے طُرق و روایات و شواہد و متابعات کو جمع کیا تو اس وقت کی نظر میں اسے چودہ صحابی کی روایت سے پایا۔ ابوہریرہ۔ حذیفہ، ابودردا، ابوامامہ، سائب بن یزید جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، ابوذر، ابنِ عباس، ابوموسٰی اشعری، ابوسعید خدری، مولٰی علی، عوف بن مالک، عبادہ بن صامت، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ان میں سے ہر ایک کی حدیث اس وقت کاملاً میرے پیشِ نظر ہے۔ امام خاتم الحفاظ، علامہ ابنِ حجر عسقلانی پھر امام علامہ احمد عسقلانی نے چھ طُرق مختلفہ کی تطبیق سے اُن خصائص و نفائس کا عدد، جو اُن حدیثوں میں متفرقاً وارد ہوئے۔ سولہ ۱۶ سترہ ۱۷ تک پہنچایا، فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ نے ان کے کلام پہ اطلاع سے پہلے مبلغ شمار تینتیس ۳۳ تک پہنچایا۔ والحمد للہ رب العالمین۔ یہ بھی انہیں دو اماموں کے اس فرمانے کی تصدیق ہے کہ جو بغور کامل تتبع احادیث کرے ممکن ہے کہ اس سے زائد پائے، حالانکہ فقیر کو نہ اس وقت کمال تفحص کی فرصت نہ مجھ جیسے کوتاہ دست، قاصر النظر کی ناقص تلاش، تلاش میں داخل۔ اگر کوئی عالم

باقی اگلے صفحہ پر

جو کچھ نازل ہوتا ہے اس کا منتہٰی یہی مقام ہے اور جو کچھ زمین سے عروج کر کے اوپر جاتا ہے اس کی انتہا بھی یہی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ——اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (جب چھا رہا تھا سدرہ پر جو چھا رہا تھا)

فراش علیہ الرحمۃ نے ذہبب رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اور روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ یہی سدرۃ المنتہٰی ہے۔ آپ کے نقوش قدم پر چلنے والے زیادہ سے زیادہ یہاں تک عروج کر سکتے ہیں۔ سدرۃ المنتہٰی کی جڑ سے ایسے پانی کی نہریں نکلتی ہیں جو خراب نہیں ہوتا اور ایسے دودھ کی جن کا ذائقہ نہیں بدلتا اور ایسی شراب کی جو پینے والوں کو لذت دیتی ہے اور شہدِ مصفٰی کی نہریں بھی رواں ہیں۔ یہ اتنا بڑا درخت ہے کہ اس کے سائے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سوار ستر برس تک چل سکتا ہے اس کا ہر پتا سائبان کی طرح ہے۔ اس درخت کو نور نے اور نور کو ملائکہ نے ڈھانپ رکھا ہے کہتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی کا یہی مطلب ہے۔

اپنا حبیب بنایا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے حبیب! جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶): وسیع الاطلاع استقرا بہ آئے تو عجب نہیں کہ عددِ طرق و شمارِ خصائص اس سے بھی بڑھ جائے۔ قصد کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اس رسالہ اور اس کے بعد ان مسائل کثیرہ کے جواب سے جو حیدر آباد و بنگلور و پنجاب و سلطان پور و خیر آباد وغیرہا بلاد اور خاص شہر کے آئے ہوئے ہیں اور اس مسئلہ مونگیری کی وجہ سے برعایت الاقدم فالاقدم' ان کے جواب تعویق میں پڑے ہیں بحول اللہ تعالیٰ فارغ پا کر اس حدیث کے جمع طرق میں ایک رسالہ بنام البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص لکھوں اور اس میں ہر طریق و روایت کو مفصل جداگانہ نقل کر کے خصائص حاصلہ پر قدرے کلام کروں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لَا رَبَّ غَیْرُہٗ۔ (تجلی الیقین، مطبوعہ مراد آباد، ص ۶، تا ۸)

ہوئے کہ اے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور انہیں بہت بڑی بادشاہی مرحمت فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا۔ لوہے کو ان کے لئے نرم کیا اور پہاڑوں کو ان کا مطیع بنا دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی بادشاہی مرحمت فرمائی کہ جن و انسان اور شیاطین تک ان کے زیر فرمان کر دیئے اور ایسی عظیم بادشاہی عطا فرمائی کہ اُن کے بعد کسی کو ایسی بادشاہی مرحمت نہیں فرمائی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت و انجیل کا علم عطا فرمایا اور انہیں ایسا معجزہ مرحمت فرمایا کہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے نیز انہیں اور ان کی والدۂ محترمہ کو شیطان لعین کے شر سے محفوظ رکھا تاکہ وہ ملعون ان پر کسی طرح قابو نہ پا سکے۔

اللہ جلّ مجدہ نے فرمایا اے حبیب! میں نے تمہیں خلیل اور حبیب بنایا ہے چنانچہ توریت میں محمد حبیب الرحمٰن رکھا ہوا ہے اور میں نے تمہیں تمام انسانوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے اور تمہاری امت کو یہ شرف بخشا کہ وہ فضیلت کے لحاظ سے ساری امتوں میں اوّل اور زمانے کے لحاظ سے سب سے آخر ہے۔ ان کا خطبہ پڑھنا اس وقت تک درست نہیں جب تک وہ یہ شہادت نہ دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہیں سارے نبیوں سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں مبعوث کیا۔ تمہیں سبع مثانی یعنی سات آیتوں والی سورت دی جو صحیح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ ہے اور وہ تمہارے سوا کسی نبی کو مرحمت نہیں فرمائی گئی۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات بھی تمہیں دیں، جو عرش اعظم کے نیچے کا خزانہ ہیں اور یہ بھی کسی اور نبی کو عطا نہیں فرمائیں نیز تمہیں فاتح اور آخری نبی بنایا ——— دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین چیزیں مرحمت فرمائی گئیں (۱) نماز پنجگانہ۔ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ (۳) امت کی بخشش یعنی امت محمدیہ کا جو فرد بھی کہ خدا کا شریک نہ ٹھہرائے اس کی مغفرت ہو جائے گی اور اس کے مہلک گناہ تک بخش دیئے جائیں گے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل حالت میں دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے ــــــ شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ یہ تفضیل اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے باعث ہے۔ پھر اس میں یہ بھی ہے کہ مجھے ان سے اور اوپر لے جایا گیا جس کی نہایت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ گمان تھا کہ مجھ سے اوپر کوئی نہیں لے جایا جائے گا ــــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں انبیائے کرام کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم نے فرمایا کہ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس حاضر ہوئے اور میرے کندھوں کے درمیان اشارے کے انداز میں ہاتھ رکھا پس میں ایک درخت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس درخت میں دو گھونسلے لٹک رہے تھے جیسے پرندوں کے گھونسلے ہوتے ہیں۔ ایک گھونسلے کے اندر میں بیٹھ گیا اور دوسرے میں جبرئیل علیہ السلام۔ پھر وہ درخت بڑھنے لگا یہاں تک کہ آسمان سے جا لگا۔ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام سمٹے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ عظمتِ الٰہی کے پیش نظر سمٹ رہے تھے۔ اس کے بعد میرے لئے آسمان کا دروازہ کھولا گیا۔ میں نے ایک بہت بڑا نور دیکھا۔ پھر میرے درمیان ایک پردہ ڈال دیا گیا جس کے پھندنوں میں موتی اور یاقوت لٹک رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی جو اس نے چاہی۔

اذان کی تعلیم

بزاز نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اذان کی تعلیم

دینے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک جانور دے کر سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس جانور کو براق کہتے ہیں۔ جب مخبرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر سوار ہونے کا قصد فرمایا تو براق اچھلنے کودنے لگا جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ اے براق! تسلی رکھ۔ ان سے بارگاہِ خداوندی کا اور کون معزز و مکرم ہے جو تجھ پر سواری کرتا۔ اس کے بعد آپ سوار ہو گئے اور اس حجاب تک پہنچے جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کے نزدیک ہے۔

اس دوران میں ایک فرشتہ حجاب کے اندر سے نکلا تو سردارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ حضور! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں مکانی لحاظ سے دوسروں کی نسبت تجلیاتِ الٰہیہ کے زیادہ نزدیک رہتا ہوں لیکن اپنی پیدائش کے وقت سے اب تک میں نے اس فرشتے کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

اس فرشتے نے جواب اَللّٰہُ اَکْبَرْ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ حجاب کے اندر سے آواز آئی۔ میرے بندے نے ٹھیک کہا ہے، واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ اس کے بعد فرشتے نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ واقعی میرے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح باقی اذان کا ذکر کیا لیکن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پھر وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دستِ اقدس تھام کر آسمان والوں کی امامت کے لئے آپ کو آگے بڑھا دیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں حضرت آدم، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام بھی تھے ——— امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سب پر واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارضی مخلوق اور سماوی سب پر

فضیلت ہے۔

مصنفِ کتاب ہذا یعنی قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو حجاب کا ذکر ہے وہ مخلوق کی نسبت سے ہے ورنہ خالق کے لئے کوئی چیز حجاب بن سکتی ہی نہیں مخلوق محجوب ہو سکتی ہے لیکن خالق تو محجوب ہونے سے پاک ہے کیونکہ محجوب وہ چیز ہوتی ہے جو مقدر اور محسوس ہو پس اللہ تعالیٰ مخلوق کی بصارت، بصیرت اور ادراک پر کسی چیز کے ساتھ جس طرح اور جب چاہے پردہ ڈال سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ عز جلالہ ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ [1] — ہاں ہاں بیشک وہ اُس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم (حجاب میں) ہیں۔

پس راوی کے اس حدیث میں لفظ حجاب استعمال کرنے سے یہی مفہوم لینا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لئے حجاب رکھا ہے تاکہ وہ عظیم سلطنت، عظمت اور عجائب ملکوت اور شانِ جبروتی پر عین الیقین کے ساتھ اطلاع پانے سے حجاب میں رہیں۔ — اسی معنی پہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول بھی دلالت کر رہا ہے۔ جب انہوں نے کہا تھا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت سے اب تک اس فرشتے کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ بات اس امر پہ بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز حجاب نہیں بن سکتی۔ —— اسی معنی پر کعب احبار علیہ الرحمۃ کا وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں پیش کیا ہے کہ اِلَیْهَا یَنْتَهِیْ عِلْمُ الْمَلٰٓئِکَةِ وَعِنْدَهَا یَجِدُوْنَ اَمْرَ اللّٰهِ لَا یُجَاوِزُهَا عِلْمُهُمْ۔ کہ فرشتوں کے علم کی حد یہاں تک ہے اور انہیں احکامِ الٰہیہ بھی یہاں

[1] پارہ ۳۰، سورۂ المطففین، آیت ۱۵

ملتے ہیں۔ اور ان کا علم اس سے آگے تجاوز نہیں کرتا یعنی اس سے آگے کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔

رہا راوی کا یہ قول کہ اَلَّذِیْ یَلِی الرَّحْمٰنُ (وہ جو رحمٰن سے ملتا ہے) اس کا صحیح محمل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ وہ حجاب جو عرشِ رحمٰن سے ملتا ہے یعنی اس کا محذوف مضاف عرش ہے یا بڑی بڑی نشانیاں یا عظیم حقائق و معارف یا کوئی اور چیز جس کا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور مضاف کے محذوف ہونے کی قرآنی مثال یہ ہے کہ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔ [1] گاؤں سے پوچھ۔

یہاں مضاف اہل ہے جو محذوف ہے یعنی جملے کو یہاں سمجھنا چاہیئے کہ، وَسْئَلِ اَهْلَ الْقَرْيَةِ یعنی گاؤں والوں سے پوچھ ــــــ رہی یہ بات کہ پردے کے پیچھے سے آواز آئی "کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ پس ظاہر اس کلام کا یہ ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے لیکن پردے کے پیچھے سے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۝ [2]

کسی آدمی کو حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ بشر پردۂ عظمت کے ادھر ہو۔

معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی آنکھ کو اس سے روک دیا گیا ہے لیکن یہ بات اگر صحیح ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو ممکن ہے کہ آپ نے اس کے بعد یا اس سے پہلے دیکھا ہو اور آپ کی آنکھوں کے آگے سے پردا اٹھا دیا گیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] پارہ ۱۳، سورہ یوسف، آیت ۸۲ [2] پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱۔

فصل ۔ ۳

معراج جسمانی و روحانی

علمائے متقدمین کا معراج کے جسمانی و روحانی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں ان کے تین اقوال ہیں ــــ ایک جماعت تو اس طرف گئی ہے کہ معراج روحانی ہے اور وہ بھی خواب کی حالت میں جبکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے خواب حق ہیں اور وحی کی طرح ہیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء) سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے حالانکہ ان سے اس کے خلاف مشہور ہے اور اسی کی جانب محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ[1]	اور ہم نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو۔

اور جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفی ۵۸ھ / ۶۷۷ء) سے حکایت کی گئی ہے کہ میں نے (شبِ معراج) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسدِ مبارک کو گم نہیں کیا تھا ــــ اور یہ فرمان رسالت بھی کہ اسی حال میں کہ میں سویا ہوا تھا ــــ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۳ھ / ۷۱۱ء) کا یہ قول کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ حرام میں محوِ خواب تھے اور پھر باقی واقعہ بیان کیا اور اس کے آخر میں ہے کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجدِ حرام میں تھا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء) فرماتے ہیں۔

وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَ	سلف اور مسلمانوں کی بڑی بڑی ہستیاں

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۶۰

الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى اَنَّهُ اَسْرَاهُ
بِالْجَسَدِ وَفِي الْيَقْظَةِ وَهٰذَا
هُوَالْحَقُّ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ
وَّجَابِرٍ وَّاَنَسٍ وَّحُذَيْفَةَ
وَعُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ
مَالِكِ ابْنِ صَعْصَعَةَ وَاَبِيْ
حَبَّةَ الْبَدْرِيِّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ
وَّالضَّحَّاكَ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ
وَقَتَادَةَ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ وَّ
ابْنِ شِهَابٍ وَابْنِ زَيْدٍ وَالْحَسَنِ
وَاِبْرَاهِيْمَ وَمَسْرُوْقٍ وَمُجَاهِدٍ
وَعِكْرِمَةَ وَابْنِ جُرَيْجٍ وَهُوَ
دَلِيْلُ قَوْلِ عَائِشَةَ وَهُوَ قَوْلُ
الطَّبَرِيِّ وَابْنِ حَنْبَلٍ وَجَمَاعَةٍ
عَظِيْمَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَهُوَ
قَوْلُ اَكْثَرُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ
الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِيْنَ وَ
الْمُتَكَلِّمِيْنَ وَالْمُفَسِّرِيْنَ (ص ۱۵۰-۱۵۱)

اس جانب گئی ہیں کہ معراج جسم کیساتھ بیداری میں ہوئی اور یہ قول حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ عمرو، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ ابوحبہ بدری، ابن مسعود ضحاک سعید بن جبیر قتادہ۔ ابن المسیب، ابن شہاب، ابن زید حسن بصری - ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریر جیسے حضرات (صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا قول ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول بھی اسی جانب دلالت کرتا ہے۔ یہی امام ابن جریر طبری امام احمد بن حنبل اور مسلمانوں کی عظیم جماعت (و اصنح الکثریت) کا قول ہے اور متاخرین میں سے اکثر فقہاء، محدثین متکلمین اور مفسرین کا یہی قول ہے۔

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ معراج کا وہ حصہ جو بیت الحرام سے بیت المقدس تک ہے وہ جسمانی ہے اور بیداری کی حالت میں۔ لیکن بیت المقدس سے آسمانوں کی جانب جو معراج کروائی گئی وہ روحانی ہے اور وہ اس آیہ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ [1]	پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہیں کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

اِن کا استدلال یہ ہے کہ جس عظیم قدرت پر تعجب کیا جاتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جس بزرگی کے باعث آپ کی تعریف کی جاتی ہے اور جس معراج کے ذریعے آپ کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے اس کی انتہا اس آیت میں مسجدِ اقصٰی تک بیان کی گئی ہے[ع]۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مسجدِ اقصٰی سے آگے بھی جسمانی معراج ہوئی ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا کیوں کہ وہ تو تعریف میں اور بھی بڑھ کر ہے۔

اس کے بعد مذکورہ دونوں فریقوں (پہلے اور تیسرے) نے اس بات میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی یا نہیں۔

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت پہلی

[ع] اس آیہ کریمہ میں معراج کی انتہا بیت المقدس تک نہیں بلکہ یہ پہلی منزل کی انتہا ہے۔ معراج کی یہاں تین منزلیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی کی ابتدا و انتہا بتا دی گئی کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک ہے۔ باقی دو منزلوں کو کس نے دیکھا ہے کہ اُن کی ابتدا و انتہا بیان کی جاتی۔ لہٰذا صرف اتنا بتا دیا کہ معراج کا دوسرا حصہ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا پر مشتمل ہے اور معراج کا تیسرا حصہ اس محبوب کے سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ محبوب و محب کے راز و نیاز کا معاملہ ہے دوسروں کو بس اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ بائع دنی میں محبت نے جو چاہا سنایا اور جو چاہا دکھایا کیونکہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

اس نماز کے بارے میں حضرت انس وغیرہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں گزر چکی ہیں۔ اس نماز کا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۶ھ / ۶۵۶ء) نے انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس آنے تک براق کی پیٹھ سے جدا نہیں ہوئے تھے ——— اس سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ توفیق الٰہی کے ذریعے فرماتے ہیں کہ:

وَالْحَقُّ مِنْ هٰذَا وَالصَّحِيْحُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اِنَّهٗ اِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَالرُّوْحِ فِی الْقِصَّةِ كُلِّهَا وَعَلَيْهِ تَدُلُّ الْاٰيَةُ وَالصَّحِيْحُ الْاَخْبَارِ وَلَا يُعْدَلُ عَنِ الظَّاهِرِ وَالْحَقِيْقَةِ اِلَى التَّاوِيْلِ اِلَّا عِنْدَ الْاِسْتِحَالَةِ وَلَيْسَ فِی الْاِسْرَاءِ بِجَسَدِهٖ وَحَالَ يَقْظَتِهٖ اِسْتِحَالَةٌ اِذْ لَوْ كَانَ مَنَامًا لَقَالَ بِرُوْحِ عَبْدِهٖ وَلَمْ يَقُلْ بِعَبْدِهٖ وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى وَلَوْ كَانَ مَنَامًا لَمَا كَانَتْ فِيْهِ اٰيَةٌ وَلَا مُعْجِزَةٌ وَلَمَا اسْتَبْعَدَهُ الْكُفَّارُ وَلَا كَذَّبُوْهُ فِيْهِ وَلَا ارْتَدَّ بِهٖ ضُعَفَاءُ مَنْ اَسْلَمَ وَافْتَتَنُوْا بِهٖ اِذْ مِثْلُ هٰذَا مِنَ

اس سلسلے میں حق اور درست بات ان شاء اللہ تعالیٰ یہی ثابت ہوگی کہ معراج کا سارا قصہ جسم اور رُوح کے ساتھ ہوا اور اس پر آیت اور صحیح و قابل اعتبار احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ظاہر معنی اور حقیقت سے پھرا نہیں جاتا مگر جب وہ بات محال ہو تو جسم کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں معراج ہونا محال کب ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو فرمایا جاتا کہ بِرُوْحِ عَبْدِهٖ (اپنے بندے کی روح کو) اور بِعَبْدِهٖ (اپنے بندے کو) نہ فرمایا جاتا نیز اللہ تعالیٰ نے تو مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى فرمایا ہے۔ اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو نہ اس میں کوئی نشانی تھی نہ معجزہ، دریں حالات کفار اس کو بعید جان کر انکار نہ کرتے اور

اَلْمَنَامَاتِ لَا يُنْكَرُ بَلْ لَمْ يَكُنْ ذَالِكَ مِنْهُمْ اِلَّا وَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ خَبَرَهٗ اِنَّمَا كَانَ عَنْ جِسْمِهٖ وَحَالَ يَقْظَتِهٖ اِلٰى مَا ذُكِرَ فِي الْحَدِيْثِ مِنْ ذِكْرِ صَلٰوتِهٖ بِالْاَنْبِيَاءِ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ فِيْ رِوَايَةِ اِنَسٍ اَوْ فِي السَّمَاءِ عَلٰى مَا رَوٰى غَيْرُهٗ۔

(ص۱۵۱، ص۱۵۲)

کمزور ایمان والے مسلمان مرتد نہ ہوتے اور فتنے میں نہ پڑتے۔ چونکہ خواب کی ایسی باتوں کا انکار نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا وہی انکار نہ کرتے۔ بات یہ ہے کہ وہ جان گئے کہ واقعات معراج کی خبر دینا جسمانی اور بیداری کی حالت میں ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے آپ کا انبیائے کرام کیساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھنا، حضرت انس کی روایت کے مطابق یا دوسرے کی روایت کے بموجب آسمان میں پڑھنا۔

اور جبرئیل علیہ السلام کا براق لے کر آنے کا ذکر کرنا۔ معراج کی خبر دینا، آسمان کے دروازے کھلوانا۔ وہاں یہ پوچھا جانا کہ تمہارے ساتھ کون ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کا جواب دینا کہ میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، نیز انبیائے کرام سے آسمان میں ملاقات کرنا اور اس کے مرحبا وغیرہ کہنے کی خبر دینا اور نماز کی فرضیت کا معاملہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے لوٹنے کی خبر دینا ——— اور معراج کی بعض خبروں میں ہے کہ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر آسمان کی جانب چڑھ گئے۔ آگے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر مجھے لے کر اتنا اوپر گئے کہ انتہائی بلندی پر جا ظاہر ہوئے حتیٰ کہ میں قلموں کے چلنے کی آوازیں سننے لگا ——— اور بیشک میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا ——— اور بیشک میں جنت میں داخل ہوا اور اس میں وہ چیزیں دیکھیں جن کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۶۸ھ ر ۶۸۷ء) فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ آنکھ کا دیکھنا ہے۔ خواب کا دیکھنا نہیں ہے ——— امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۰ھ / سنہ ۷۲۸ء) سے مروی ہے کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ میرے پاس جبریل آئے۔ انہوں نے میری ایڑھی کو دبایا۔ پس میں اٹھ بیٹھا لیکن مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا تو میں اپنی جگہ لیٹ گیا۔ یہی واقعہ تین دفعہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تیسری دفعہ اس نے میرا بازو پکڑا اور مسجد کے دروازے تک لے گیا۔ وہاں ایک جانور تھا۔ جیسا کہ آپ نے براق کی خبر دی ہے۔

حضرتِ ام ہانی کی روایت

حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کروائی گئی اس رات آپ میرے غریب خانے میں جلوہ افروز تھے اور آخر میں آپ نے نمازِ عشاء پڑھی اور ہمارے درمیان محوِ خواب ہو گئے تھے۔ فجر طلوع ہونے سے ذرا پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بیدار کر دیا تھا جب آپ صبح کی نماز ادا کر کے فارغ ہو گئے اور ہم بھی تو آپ نے فرمایا۔ اے ام ہانی! میں نے آخر میں تمہارے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی جیسا کہ تم نے مجھے اس وادی میں دیکھا۔ اس کے بعد میں بیت المقدس گیا اور اس میں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اب۔ تمہارے ساتھ پڑھی ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ——— یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ کو جسمانی معراج ہوئی۔

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۱۳ھ / سنہ ۶۳۴ء) نے بارگاہِ رسالت میں گزارش کی کہ یا رسول اللہ! شب معراج میں نے آپ کو تلاش کیا لیکن درِ دولت پر جلوہ افروز نہ پایا۔ آپ نے جواباً مجھے فرمایا کہ حضرت جبریل مجھے اٹھا کر مسجدِ اقصیٰ لے گئے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۲۴ھ / سنہ ۶۴۵ء) سے روایت ہے۔ وہ

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کروائی گئی اُس رات میں نے مسجدِ حرام کے اگلے حصے میں نمازِ عشاء ادا کی۔ اس کے بعد میں صخرہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک فرشتہ کھڑا ہے جس کے پاس تین برتن ہیں۔ اس کے بعد حدیث کا باقی حصہ بیان کیا۔ —— یہ تصریحات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ (جسمانی معراج کا ہونا) محال نہیں ہے اِسی لئے ایسی جملہ روایات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا گیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ/۶۵۲ء) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی جبکہ میں مکۂ مکرمہ میں تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ انھوں نے میرے سینے کو چاک کیا اور اسے آبِ زمزم سے دھویا۔ یہ واقعہ آخر تک بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر اُوپر چڑھ گئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۳ھ/۷۱۲ء) کی روایت میں ہے کہ میرے پاس وہ آئے اور مجھے چاہِ زمزم پر لے گئے۔ پھر میرا سینہ چاک کیا۔ ——

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۸ھ/۶۷۸ء) کی روایت میں ہے کہ بیشک میں نے رکاوٹ محسوس کی جب قریش مجھ سے وہ باتیں پوچھ رہے تھے (بیت المقدس کے بارے میں) جن کی جانب میں نے توجہ نہیں کی تھی۔ پس مجھے اس بات سے اتنی تکلیف ہوئی کہ ایسی تکلیف پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھا کر میرے سامنے پہنچا دیا۔ —— ایسا ہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۸ھ/۶۹۷ء) سے مروی ہے —— اور حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۲۴ھ/۶۴۴ء) سے مروی حدیثِ معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی جانب لوٹ آیا اور انہوں نے اپنا پہلو بدلا نہیں تھا۔

فصل ۔ ۴

معراج کو خواب کا واقعہ بتانیوالوں کے دلائل کا ابطال

ان حضرات نے اپنے دعوے کی دلیل اس ارشادِ باری تعالیٰ :۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۔ ؎۱	اور ہم نے نہ کیا وہ دِکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو ۔

کو بنایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رؤیا یعنی خواب رکھا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ۔ ؎۲	پاکی ہے اس کے لئے جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو

یہ آیت اس خیال کا رد کر رہی ہے کیونکہ یہ اگر خواب کی بات ہوتی تو اسے سیر قرار نہ دیا جاتا اور فِتْنَةً لِّلنَّاس سے بھی ہماری تائید ہو رہی ہے اور خواب میں آنکھ کے ساتھ دیکھنا ہوتا ہے جبکہ سیر پورے انسانی جسم کے ساتھ ہوتی ہے نیز خواب کی بات میں کوئی فتنہ نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا اِنکار کرتا ہے کیونکہ نیند کی حالت میں ہر کوئی ایسے خواب دیکھ لیتا ہے کہ وہ ایک ساعت میں زمین کے مختلف مقامات پر ہو آیا ہے :

علاوہ بریں اِس آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا کے بارے میں مفسّرین کرام کا اختلاف ہے ۔ بعض حضرات اس جانب گئے ہیں کہ یہ قضیۂ حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے

؎۱ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۰ ؎۲ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱

اور جو کچھ اس کے سبب لوگوں کے دلوں میں واقع ہوا اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

اور ان حضرات کا یہ قول کہ حدیث میں اس کا نام منامی (خواب کی حالت میں) رکھا گیا ہے اور ان کا قول ہے کہ دوسری حدیث میں ہے کہ میں خواب اور بیداری کے درمیان تھا —— اور ان کا یہ بھی قول ہے کہ وہ سوئے ہوئے تھے —— اور وہ کہتے ہیں کہ پھر میں بیدار ہوا —— قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حجت نہیں ہے جبکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ جب فرشتہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ محوِ خواب ہوں یا معراج کے لئے چلنے کی خاطر جب پہلی بار فرشتہ آیا تو آپ سو رہے ہوں لیکن حدیث میں یہ تو نہیں ہے کہ معراج کے سارے واقعات کے درمیان آپ سوتے ہی رہے۔ ہاں آپ کا یہ ارشادِ گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب میں بیدار ہوا تو مسجدِ حرام میں تھا۔ شاید اس جاگنے سے اَصۡبَحۡتُ یعنی صبح کرنا مراد ہو یا دولت خانے میں واپس آکر سو گئے ہوں اور یہ دوبارہ جاگنا مراد ہو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی یہ سیر ساری رات نہیں رہی بلکہ رات کے ایک حصے میں تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں پھر بیدار ہوا اور میں مسجدِ حرام میں تھا۔ یہ حالت آپ کی اس وجہ سے ہوئی ہو کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اس کے عجائبات کے مطالعہ نے آپ کو ڈھانپ لیا ہو اور ملاءِ اعلیٰ کے مشاہدے اور اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کے معائنہ نے آپ کے باطن کو وارفتہ کر دیا ہو اور اس کیفیت سے جب آپ نے بشری حالت کی جانب عود فرمایا تو مسجدِ حرام میں تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نیند اور بیداری دونوں اپنے اصلی معنی میں ہوں جو ان لفظوں کا مقتضی ہے لیکن یہ سیر جسم کے ساتھ کروائی گئی ہو اور آپ کا قلب مبارک حاضر رہا ہو کیونکہ

رُؤۡیَا الۡاَنۡبِیَاءِ حَقٌّ تَنَامُ —— انبیائے کرام کا خواب برحق ہوتا ہے

اَعْیُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ۔ (ج ۱۵۵) (کیونکہ) اُن حضرات کی آنکھیں سوتی ہیں اور اُن کے دِل نہیں سوتے۔

اور بعض نکتہ دان حضرات نے اس امر کی جانب میلان ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کا آنکھیں بند کرنا شاید اسی لئے ہو کہ محسوسات میں سے کوئی چیز آپ کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی جانب مشغول نہ کرے لیکن انبیائے کرام کو نماز پڑھاتے وقت یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی ——— اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معراج کے دوران آپ کی مختلف حالتیں رہی ہوں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہاں چت لیٹنے کو سونے والے کی حالت ہونے کے باعث نیند سے تعبیر کیا گیا ہے اور عبد بن حمید کی وہ روایت جو انہوں نے ہمام سے کی، وہ اس خیال کو تقویت دیتی ہے جس میں ہے کہ میں سو رہا تھا ——— اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ میں چت لیٹا ہوا تھا ——— اور دوسری روایت میں ان کا یہ قول ہے کہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا ——— پس ہو سکتا ہے کہ ہیئت کے باعث آپ نے اس حالت کو نیند کہا ہو جیسا کہ اکثر سونے کی ہیئت یہی ہوتی ہے۔

بعض حضرات اس جانب گئے ہیں کہ واقعہ معراج پہ یہ اضافے یعنی نیند کی حالت میں بتانا اور شکم مبارک کے چاک کرنے کا ذکر کرنا اور ربّ عزّ وجلّ کی نزدیکی وغیرہ کے اس حدیث میں جو واقعے ہیں یہ اسی حدیث میں ہیں جو شریک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ ۱۴۰ھ / ۷۵۷ء) کی اس روایت میں ہیں جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اور یہ باتیں ان کی روایت سے منکر ہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شکم مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ آپ کے بچپن میں ہوا تھا اور نبوّت سے بہت ہی پہلے اور اسی لئے اس حدیث میں کہا ہے کہ بعثت سے پہلے، حالانکہ معراج کا واقعہ بالاجماع بعثت کے بعد پیش آیا

ہے پس یہ سب باتیں روایت انس کے ان اضافوں کو ناقابلِ یقین ٹھہرا رہی ہیں اور اس پر طرّہ یہ کہ خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی طرق سے بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے دوسروں سے روایت کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے انہوں نے یہ بات نہیں سُنی۔ اسی لئے کبھی تو کہتے ہیں کہ مالک بن صعصعہ سے ——— اور امام مسلم کی کتاب میں ہے کہ شاید مالک بن صعصعہ سے ہو۔ یہاں یہ بات شک کے ساتھ ہے ——— ایک جگہ کہا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ/۶۵۲ء) حدیث بیان کرتے تھے۔

رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک جسم کو گم نہیں کیا تھا ——— اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے مشاہدے سے نہیں فرمایا کیونکہ اس وقت تو انہیں شرف زوجیت حاصل ہی نہیں ہُوا تھا اور نہ ان کی عمر ہی اتنی تھی کہ کسی بات کو یاد رکھا جا سکتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت وہ پیدا بھی نہ ہوئی ہوں کیونکہ اس امر میں اختلاف ہے کہ واقعہ معراج کب ہُوا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴ھ/۷۴۲ء) اور ان سے موافقت رکھنے والوں کا قول ہے کہ معراج شریف ابتدائے اسلام میں بعثت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ہجرت کے وقت آٹھ سال تھی ——— ایک قول یہ ہے کہ معراج ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی جبکہ صواب کے نزدیک یہی قول ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ ان میں سے ہر قول کے دلائل باعثِ طوالت ہیں جن سے ہمیں یہاں سروکار نہیں۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت موجود ہی نہیں تھیں تو معلوم ہُوا کہ انہوں نے اس واقعہ کو کسی دوسرے سے روایت کیا ہے تو ان کا سُنا

ہوا بیان دوسروں کے ذاتی بیانات پر راجح کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت امِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کی روایات میں بطورِ نص وارد ہے اور وہ سارے بیانات اس بیان کے خلاف ہیں نیز حدیثِ عائشہ پایۂ ثبوت کو بھی نہیں پہنچی جبکہ دوسری حدیثیں اس کی نسبت زیادہ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہیں اور حدیثِ امِ ہانی سے ہماری مراد وہ روایت نہیں ہے جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کیا گیا ہے نیز حدیثِ عائشہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا جسمِ مبارک مجھ سے گم نہیں ہوا تھا حالانکہ انہیں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کا شرف مدینہ منورہ میں حاصل ہوا تھا۔ یہ جملہ وجوہات حدیثِ عائشہ کی تضعیف کر رہی ہیں۔ ہاں جس بات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول صریح دلالت کر رہا ہے وہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو معراج جسمِ مبارک کے ساتھ ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اپنے ربّ کو نہیں دیکھا تھا۔ اگر ان کے نزدیک واقعہ معراج خواب کی بات ہوتی تو انکار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ رویت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا) فرمایا ہے چونکہ اس آیت میں رویت کو دل کی جانب منسوب کیا ہے لہٰذا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مذکورہ رویت بحالتِ خواب یا وحی کے ذریعے دیکھنا ہے نہ کہ آنکھوں سے یا کسی دوسری حس کے ذریعے مشاہدہ کرنا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی) اس کی معارض ہے کیونکہ اس آیت میں رویت کو اللہ تعالیٰ نے آنکھ کی جانب منسوب کیا ہے اور مفسرینِ کرام نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آنکھ نے جس حقیقت کو دیکھا دل نے اس میں کوئی شک یا وہم محسوس نہ کیا بلکہ اس رویت کی تصدیق کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے دل نے

اس چیز کا انکار نہ کیا جو آپ کی چشمانِ مبارک نے دیکھا تھا۔

فصل - ۵

رویتِ باری تعالیٰ

سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس رویت کا انکار کیا ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابوالحسین سراج بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے ساتھ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ کہ اے امّ المؤمنین کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تمہاری یہ بات سن کر میرے رونگھٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ جو ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی تم سے بیان کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ (ان میں سے ایک یہ ہے کہا جو تم سے یہ کہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں) پھر باقی ساری حدیث بیان کی۔ علماء کی ایک جماعت نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ —— یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ/ ۶۵۲ء) سے مشہور ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور ان سے نفی و اثبات، دونوں قسم کی روائتیں مروی ہیں اور اس رویت کے انکار و امتناع کی محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت قائل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے —— ان سے عطا بن

ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۱۵ھ / ۷۳۳ء) نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دل کی آنکھوں سے اللہ رب العزت کو دیکھا ہے ——

اور ابن العالیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۰ھ / ۷۰۸ء) نے ان سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۷۳ھ / ۶۹۲ء) نے کسی آدمی کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیج کر دریافت کیا کہ کیا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دیکھا ہے۔ ان سے یہی مشہور ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دونوں آنکھوں سے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رویت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور ان کی حجت یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۝ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا کیا تم اُن
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۝ سے اُن کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۝ ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان تقسیم کیا ہوا ہے۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دو مرتبہ دیدار سے مشرف فرمایا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام کیا ——— نیز اس روایت کو امام ابوالفتح رازی اور فقیہ عبداللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب احبار

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۳۳ھ / ۶۵۳ء) سے حکایت کیا ہے۔

عبداللہ بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم بنو ہاشم تو یہی کہتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ربّ کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اتنے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ پہاڑ بھی گونج اُٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور کلام کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرما دیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ربّ سے کلام کیا اور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے دل کے ساتھ دیکھا۔

شریک (ابن شہاب تابعی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۴۰ھ / ۷۵۷ء) نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۳۲ھ / ۶۵۲ء) کے حوالے سے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے۔

امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۷۳ھ / ۹۸۴ء) نے محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا۔ کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے نہ کہ اپنی آنکھ سے ——— مالک بن یخامر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے ربّ کو دیکھا اور اس (اللہ تعالیٰ) نے ایک کلمے کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) ملاءِ اعلیٰ کس بات پر جھگڑتے ہیں: (الحدیث)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایت کی ہے کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۱۰ھ / ۷۲۸ء) اس بات پر حلف اٹھا جاتے تھے کہ سیدنا محمد

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے ـــــــ ابو عمر طلمنکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵ھ/ ۷۲۴ء) سے یہی بات بیان کی ہے اور بعض متکلمین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ/ ۶۵۲ء) کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت کی ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، ہاں ـــــــ نقاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۳۶۹ھ/ ۹۸۱ء) نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی حکایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا قائل ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ نے اپنی آنکھ سے دیکھا، دیکھا یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سانس ٹوٹ گیا ـــــــ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دل سے دیکھنے کے قائل تھے اور انہوں نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ آپ نے اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۵ھ/ ۷۱۳ء) فرماتے ہیں کہ میں نہ تو یہ کہتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ نہیں دیکھا ـــــــ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عکرمہ، امام حسن بصری، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس آیت کی تاویل میں جو حکایت کی گئی ہے اس میں اختلاف ہے ـــــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حکایت کی گئی ہے کہ آپ نے اپنے دل کے ساتھ دیکھا ہے ـــــــ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے امام عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۹۰ھ/ ۹۰۲ء) نے اپنے والد ماجد کے اس قول کی حکایت کی ہے کہ فخرِ دو عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے ——— امام ابن عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ کی تفسیر میں مروی ہے کہ ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا سینہ مبارک رویت کے لئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے لئے کھول دیا گیا تھا ——— ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) اور ان کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے کہا ہے کہ سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے اور کہا ہے کہ جتنے معجزے اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیائے کرام کو عطا فرمائے وہ سب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مرحمت فرمائے گئے اور رویت کی فضیلت کے ساتھ آپ کو دیگر انبیائے کرام سے مخصوص فرمایا گیا۔

ہمارے بعض مشائخ نے رویت کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس امر کی کوئی واضح دلیل نہیں پائی گئی لیکن اس کا وقوع جائز ہے قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات صریح حق ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے کہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں عقلاً جائز ہے اور یہ ایسی بات نہیں ہے جسے محال کہا جا سکے۔ اس کے دنیا میں جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اس کا سوال کیا تھا۔ یہ بات قطعاً محال ہے کہ نبی اس بات سے بے خبر رہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرنا جائز ہے اور کس چیز کا سوال کرنا جائز نہیں ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی چیز کا سوال کیا تھا جس کا وقوع جائز ہے اور محال نہیں ہے لیکن اس کے وقوع ومشاہدے کا تعلق اس غیب سے ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔ ماسوا اُن حضرات کے جن کو اللہ تعالیٰ یہ علم مرحمت فرمائے۔

اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ تو میری رویت کا متحمل نہیں ہو سکتا پھر انہیں ایسی چیز کی مثال کے ساتھ یہ بات سمجھائی

جو بنیادی لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ طاقتور تھی اور وہ چیز پہاڑ ہے

ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو دنیا میں رویت باری تعالیٰ کو محال بتاتی ہو بلکہ اس میں ایک گونہ جواز پایا جاتا ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کے محال یا ممتنع ہونے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہر موجود کی رویت جائز اور غیر مستقبل (جو محال نہ ہو) ہے۔

لاتدرکہ الابصار کا مفہوم جن حضرات نے رویت کے محال ہونے کی ارشادِ خداوندی: لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ سے دلیل پکڑی ہے۔ یہ حجت نہیں کیونکہ اس آیت کی تاویلات میں اختلاف ہے اور اس کا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ دنیا میں رؤیت محال ہے اور اس آیت سے بعض حضرات نے خود رؤیت کے جواز اور عدم استحالہ (محال نہ ہونے) پر استدلال کیا ہے۔

آیہ کریمہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں ——— ایک قول یہ ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک یعنی احاطہ نہیں کر سکتیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں بلکہ دیکھنے والے اس کا ادراک کرتے ہیں ان جملہ تاویلات میں سے کسی تاویل کا بھی یہ تقاضا نہیں ہے کہ رؤیت منع یا محال ہے۔

اسی طرح ان حضرات کے لئے لَنْ تَرَانِیْ ——— اور تُبْتُ اِلَیْکَ میں بھی حجت نہیں ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ پس جس نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تو مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتا تو یہ ایک تاویل ہے اور اس میں امتناع کی نص نہیں ہے اور یہ ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق۔ پس جب تاویلات کے دروازے کھل جائیں اور احتمال مسلط ہونے لگیں تو انہیں روکنے کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول تُبْتُ اِلَیْکَ کا مطلب یہ ہے کہ مَیں نے اپنے اس سوال سے جو میرے لئے مقدر نہیں فرمایا گیا تھا۔ تیری جانب رجوع کیا ——— حضرت ابوبکر ہزلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشادِ باری تعالیٰ:۔ لَنْ تَرَانِیْ کی تفسیر میں کہا ہے کہ دنیا میں کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ میری جانب دیکھ سکے اور جو میری طرف دیکھے گا وہ مر جائے گا۔

مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض سلف صالحین اور علمائے متاخرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ دنیا میں اسلئے ممتنع ہے کہ اہلِ دنیا کی ترکیب اور قوائے جسمانی ضعیف ہیں۔ آفات اور فنا سے اس کے عوارض تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اُن کے اندر رویت کی طاقت ہی نہیں ہے۔ جب آخرت میں انہیں دوسری ترکیب سے مرکب فرمایا جائے گا۔ قوتِ ثابتہ۔ باقیہ مرحمت فرمائی جائے گی۔ آنکھوں اور دِلوں کو پورا نور عطا فرمایا جائے گا تو اس وقت رویتِ باری تعالیٰ کی قوت سے مشرف ہو جائیں گے

اسی سے ملتا جلتا مفہوم میں نے حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ/۷۹۵ء) سے دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اس لئے نہیں دیکھا جا سکتا کہ وہ باقی ہے اور باقی کو فانی چیز نہیں دیکھ سکتی۔ جب آخرت میں باقی رہنے والی آنکھیں مرحمت فرما دی جائیں گی تو ان باقی آنکھوں سے اُس ذاتِ باقی کو دیکھا جائے گا۔

یہ کلام کتنا خوب صورت اور عمدہ ہے نیز اس میں استحالہ امحال ہونے اکی کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے کہ ضعفِ قدرت کے باعث رویت میسّر نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے قوی فرما دے اور بارِ رویت کے تحمل کی طاقت عطا فرما دے تو اس کے حق میں یہ چیز ممتنع نہیں رہے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ بصارت اور نفوذِ ادراک کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اِسی قوتِ خداداد کے ذریعے سے انہوں نے

قوت

ادراک کیا جو بھی ادراک کیا اور دیکھا، جو بھی دیکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الاشعری الباقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۴۰۳ھ بمطابق ۱۰۱۲ء) نے مذکورہ دونوں آیتوں کے اختیار کئے جانے والے بعض معانی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اسی لئے تو بے ہوش ہو کر گرے تھے اور پہاڑ نے اپنے ربّ کو دیکھا تھا۔ اسی لئے تو وہ پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اندر ادراک پیدا کر دیا تھا۔ واللہ اعلم انہوں نے یہ مفہوم اس آیت کریمہ سے نکالا ہے۔

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ؕ ۱؎	ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ، یہ اگر اپنی جگہ پہ کھڑا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔

اور اس کے بعد اللہ مجدہٗ نے فرمایا ہے:۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ۲؎	پھر جب اُس کے ربّ نے پہاڑ پہ اپنا نُور چمکایا۔ اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرے بے ہوش ہو کر۔

پہاڑ پر تجلّی فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ظہور ہُوا اور اس قول کے مطابق پہاڑ کو رویت حاصل ہوئی ——— امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہما (المتوفی ۱۴۸ھ ۷۶۵ء) کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجلّی فرمانے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کی جانب مشغول کر دیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور ایسے بے ہوش ہوتے کہ کبھی ہوش میں آنا نصیب ہی نہ ہوتا۔ ان کا یہ قول بھی اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رؤیت کا شرف حاصل ہُوا تھا۔

پہاڑ کے بارے میں بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ اسے بھی رؤیت حاصل ہوئی تھی

جو علمائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو رویت کا شرف حاصل ہوا ہے انہوں نے پہاڑ کی رویت سے اس پر استدلال کیا ہے کیونکہ انہوں نے اسے رویت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جبکہ مذکورہ آیات میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ممانعت یا وجوب کی کوئی نص نہیں ہے۔

یہ قول کہ بیشک آپ نے (اللہ تبارک وتعالیٰ کو) اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہ قطعی دلیل یا نص نہیں ہے کیونکہ اس قول کا مدار سورۃ النجم کی جن دو آیتوں پر ہے ان کے معانی میں علماء کا تنازع ماثور ہے اور دونوں جانب احتمال ممکن ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس سلسلے میں کوئی قطعی اور متواتر ارشادِ گرامی بھی نہیں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اُن کے اپنے عقیدے کی خبر دیتی ہے اور انہوں نے اس کی اسناد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب نہیں کی ہے تاکہ اس اعتقاد کے مطابق عمل واجب ہو ——— آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اسی کے مانند ہے۔ ——— حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تاویل کا احتمال ہے اور یہ متن وسند دونوں کے لحاظ سے مضطرب ہے ———

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری حدیث مختلف، محتمل اور مشکل ہے پس اس میں مروی ہے کہ: نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (وہ نور ہے، مَیں اُسے کیسے دیکھوں) ہمارے بعض مشائخ نے اس کی حکایت یوں کی ہے، نُوْرَانِیٌّ اَرَاہُ (نورانی کو میں دیکھتا ہوں) ——— آخری حدیث میں ہے کہ جب مَیں نے سوال کیا تو فرمایا: رَاَیْتُ نُوْرًا (میں نے نور کو دیکھا) ان میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے جو رویت (کے نظریہ) کی صحت پر حجت قرار پا سکے۔

رأیتُ نورًا کی تشریح

اگر رَاَیْتُ نُوْرًا فرمانا صحیح ہے تو (اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے

کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے ایک نور دیکھا تھا جو رویتِ باری تعالیٰ سے حجاب بن کر مانع رہا ——— اور یہ قول کہ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ بھی اسی کی جانب لوٹتا ہے کیونکہ حجابِ نور کی موجودگی میں کس طرح دیکھا جبکہ اس نے بصارت کو ڈھانپ رکھا تھا اور یہ اُسی کے مانند ہے جیسا کہ آخری حدیث میں ہے کہ اس کا حجاب نور ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے اسے آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ قلب کے ساتھ دو مرتبہ دیکھا ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کی؛ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی (پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب تر آیا۔)

اللہ تعالیٰ جس نے آنکھ کو دیکھنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، وہ دِل کو بھی یہ طاقت دینے پر قادر ہے اور جس طرح چاہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر کوئی حدیث اس باب میں ایسی مِل جائے جو نص ہو تو اس پر عقیدہ رکھنا اور اس کی جانب پھرنا واجب ہے جبکہ نہ ہی میں کوئی استحالہ ہو اور نہ قطعی مانع جو اُسے رَد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی راہِ صواب کی توفیق بخشنے والا ہے۔

فصل ۔ ۶

اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی

واقعہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا اللہ تعالیٰ سے مناجات اور کلام کرنا بھی وارد ہوا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ؛ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی سے ظاہر ہے اور کتنی ہی احادیث میں اِن امور کا ذکر ہے۔ اکثر مفسرین کرام اس جانب ہیں کہ اِس آیت میں وحی فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے یعنی پہلے اُس نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام پہ وحی فرمائی اور حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو پہنچائی۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

بغیر کسی واسطے کے وحی فرمائی اور اسی کے نزدیک خیال امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ظاہر کیا ہے اور اسی جانب بعض متکلمین گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے معراج میں اپنے رب سے کلام کیا اور امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء) سے بھی اس قول کو بیان کیا گیا ہے اور انہوں نے اس قول کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیان کیا ہے جبکہ دوسرے کتنے ہی حضرات نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

حضرت نقاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے واقعہ معراج کے تحت ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے اوپر چڑھایا یہاں تک کہ آوازوں کا آنا بند ہوگیا، تو اس وقت میں نے اپنے رب کا کلام سنا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! مطمئن رہو اور میرے اور نزدیک آجاؤ۔ میرے اور نزدیک آجاؤ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متعلقہ معراج میں بھی اسی کے مانند ہے اور ان حضرات نے اس ارشادِ باری تعالیٰ کو اپنے حجت بنایا ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔ ؎	اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے اِدھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں وحی کی تین کیفیتیں بیان فرمائی گئی ہیں:۔

؎ پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۵۱

پہلی قسم: پردے کے پیچھے سے وحی کرنا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا گیا

دوسری قسم: فرشتہ بھیج کر وحی فرمانا ہے جیسا کہ تمام انبیائے کرام کا سال ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بھی زیادہ ایسی ہی وحی نازل فرمائی گئی۔

تیسری قسم: براہِ راست کلام فرمانا ہے چنانچہ بالمشافہ اور مشاہدے کے ساتھ کلام کا کوئی اور صورت (اس تیسری قسم کے لئے) باقی نہیں رہی ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جگہ وحی فرمانے سے مراد وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطے کے قلبِ مصطفےٰ میں القا فرمائی تھیں۔

ابوبکر بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے واقعۂ معراج کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو مذکورہ آیت سے بھی اس مفہوم پر واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا ہے ——— چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ جب فرشتے نے یہ کہا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ——— تو پسِ پردہ مجھ سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ واقعی میں بہت بڑا ہوں۔ واقعی میں بہت بڑا ہوں ——— اور اذان کے سارے کلمات کا اسی طرح جواب دیا گیا۔ ان دونوں حدیثوں کے مشکلات کا اگلی حدیث میں اور وہ امور جو ان سے متعلق ہیں ان کا ذکر اگلے باب کی پہلی فصل میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ جل مجدہٗ کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کلام فرمانا اور ان انبیاء سے جن کو اس نوازش کے لئے مخصوص فرمایا گیا ایسا امر ہے جو عقلاً جائز اور غیر ممتنع ہے اور اس کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل ایسی نہیں ہے جو قطعی ہو۔ پس اگر کوئی خبر ممانعت کی صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں احتمال ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا قطعی ہے۔ یہ برحق اور ایسی دلیل قاطع ہے جسے اللہ تعالیٰ نے

قرآنِ کریم میں نص کے طور پر ذکر کیا ہے اور مصدر کے ساتھ تاکید فرمائی ہے تاکہ حقیقت پر دلالت کرے (اور مجاز کا شبہ نہ گزرنے پائے) اسی لئے ان کا ٹھکانہ ساتویں آسمان پر مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ یہ رفعتِ کلام کے سبب ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان سب سے اُونچے اٹھائے گئے یہاں تک کہ آپ مستوی پر پہنچے جہاں سے قلموں کے چلنے کی آواز سنتے تھے۔ پس آپ کے حق میں کلامِ الٰہی کو سننا محال اور بعید کیسے ہو سکتا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخصوص فرمایا جس کو چاہا اور بعض پر بعض کے درجے بلند فرمائے۔

فصل - ۷

قابَ قوسین

حدیثِ معراج میں جو واقع ہوا اور آیۂ کریمہ: دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ہ کے ظاہر مفہوم سے جو نزدیکی اور قرب معلوم ہوتا ہے تو اکثر مفسرین نے اس نزدیکی اور قرب کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان بتایا ہے یا دونوں میں سے ایک کے ساتھ مخصوص ہے یا سدرۃ المنتہیٰ سے نزدیکی مراد ہے۔

رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جو بارگاہِ خداوندی کے قربِ خاص سے مشرف فرمائے گئے تھے۔ کہا گیا ہے کہ دَنَا سے قرب اور تَدَلّٰی سے انتہائی قرب (نزدیکی) مراد ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔

امام مکی اور امام ماوردی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ وہ ربّ تعالیٰ کا جلوہ تھا جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وارد ہوا تھا۔ پھر وہ ان کے اور نزدیک ہو گیا یعنی وہ اس کا امر اور حکم تھا ——— نقاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بندے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ہوا۔ پھر اور قریب سے قریب تر ہوا اور اپنی قدرت و عظمت سے جو چاہا انہیں دکھایا۔ وہ (نقاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ بات مقدم ہے اور موخر یہ ہے کہ شب معراج نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رفرف آیا۔ آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر اتنے بلند ہوئے کہ قرب خداوندی میں جا پہنچے۔

ایک روایت یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ سماوی مخلوق کی آوازوں کا آنا بند ہو گیا اور (اس وقت) میں نے اپنے رب عزوجل کا کلام سنا ——— صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی جانب چڑھے اور اللہ رب العزت کے قرب خاص میں لے گئے۔ پھر اور نزدیک ہوئے یہاں تک کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ اس وقت آپ کی جانب وحی فرمائی گئی جو چاہی اور پچاس وقت نماز پڑھنے کی وحی فرمائی گئی (اس کے بعد نماز میں تخفیف کر کے گنتی میں پانچ اور ثواب میں پچاس کر دی گئی) اور اس کے بعد حدیث نبوی پوری بیان کی ——— محمد بن کعب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اپنے رب کے نزدیک ہوئے اور یہاں تک قریب ہو گئے کہ گویا دو کمانوں کا فاصلہ (درمیان میں) رہ گیا۔

امام محمد جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کی کوئی حد نہیں ہے جبکہ بندوں سے نزدیکی کی حد ہوتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ قرب الٰہی کی کیفیت منقطع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو

اس کی نزدیکی نے کس طرح محجوب کیا اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرب مرحمت فرمایا کہ آپ کے قلب مبارک کو معرفت اور ایمان سے بھر دیا گیا اور پھر سکون قلب کے ساتھ مقام قرب کی طرف اُتر آئے اور آپ کے قلب انور سے شکوک و شبہات کو دور کر دیا گیا

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ جو خدا کا قرب یا خدا سے قرب مذکور ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق بخشے، اس سے مراد مکانی یا فاصلے کا قرب نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا نزدیک ہونا یا قرب خاص میں پہنچنا یہ آپ کی عظیم قدر و منزلت، مرتبہ کی بلندی، انوار معرفت کا ظاہر ہونا اور غیبی اسرار کا مشاہدہ کرنا اور قدرت حاصل ہونا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید احسان فرمانا، آپ کو مزید انس دلانا، آپ کے لئے کشادگی اور بزرگی کے اظہار کی خاطر ہے اور اس کی تاویل بھی اُسی طرح کی جائے گی جس طرح اس فرمان رسالت کی تاویل کی جاتی ہے کہ ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ اس نزول سے مراد افضال، اجمال، قبول اور احسان فرمانا ہے۔

امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں جس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ حقیقت میں ذات کے ساتھ قریب ہوئے ہیں تو یہ مسافت کے لحاظ سے قریب بتاتا ہے حالانکہ جو ذات کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے جتنے قریب ہونے کا مدعی ہوا وہ اتنا ہی حقیقت کو سمجھنے سے دُور ہو گیا کیونکہ ذات باری تعالیٰ کے لئے قرب و بُعد (قریب اور دُور ہونا) سرے سے ہی نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ:- قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں جس نے اس ضمیر (واحد غائب) کو اللہ تعالیٰ کی جانب عائد کیا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب راجع نہیں کیا تو

اس سے مراد یہ ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی قرب، لطف مقام، اظہارِ معرفت اور حقیقت کے انتہائی شرف سے مشرف فرمانا ہے اور دنو (قرب) اگر خدا کی جانب سے ہے (جیسا کہ بعض روائتیں مذکور ہو چکی ہیں) تو یہ اجابتِ رغبت، قضائے مطالب، اظہار احسان اور مقام و منصب، کی رفعت کو بلند تر سے بلند ترین کر دینے سے عبارت ہے۔

اِس تقرب والے ارشادِ باری تعالیٰ کی وہی تاویل کی جائے گی جو ارشادِ خداوندی مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً (جو ایک بالشت میری طرف آئے میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں) یہاں بھی قرب سے اجابت، قبولیت، احسان و کرم فرمانا اور مرادوں سے جلد از جلد جھولیاں بھر دینا مراد ہے۔

فصل - ۸

وہ فضائل و خصائص مصطفےٰ جن کا اظہار میدانِ حشر میں ہوگا

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور جب وہ ایک وفد کی صورت بن جائیں گے تو ان کا خطیب میں ہونگا جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو انہیں بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک آدم علیہ السلام کی ساری اولاد سے مکرم ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔

ابنِ زحیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ روایت جو انہوں نے ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو سب سے پہلے میں

ہوں گا اور جب وہ اکٹھے کئے جائیں گے تو اُن کا قائد میں ہوں گا اور جب وہ خاموش ہونگے تو ان کا خطیب (اُن کی طرف سے بولنے والا) مَیں ہوں گا اور جب وہ مایوس ہوجائیں گے تو انہیں خوشخبری دینے والا مَیں ہوں گا۔ لوأ الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور مَیں اپنے رب

لہ مجدد مائۃ حاضرہ، امام احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھ احادیث مقدسہ متعلقہ شفاعت کو ایک ہی خوشنما لڑی میں پرو کر یوں بیان فرمایا ہے:

ارشاد لبست و ہفتم، حدیث موقف مفصل مطول احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1] اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس اور ترمذی[2] و ابن خزیمہ نے ابو سعید خدری اور احمد و بزار و ابن حبان و ابو یعلیٰ نے صدیق اکبر اور احمد[5] و ابو یعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعًا الی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور عبداللہ[6] بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بسندِ صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا روایت کی۔ اِن سب کے الفاظ جُدا جُدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے۔ لہٰذا میں اُن کے متفرق لفظوں کو ایک منتظم سلسلہ میں یکجا کر کے اِس جانفزا قصہ کی تلخیص کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ (جملوں کے شروع میں جو حروف ہیں یہ بحساب ابجد الف سے واؤ تک انہیں چھ حدیثوں کی طرف اشارہ ہے) ارشاد ہوتا ہے:— روزِ قیامت —— ا۔ اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک میدان وسیع ہموار میں جمع کریگا کہ سب دیکھنے والے کے پیشِ نظر ہوں اور پکارنے والے کی آواز سُنیں —— ھ۔ دن طویل ہوگا —— د۔ اور آفتاب کو اُس روز دس برس کی گرمی دیں گے، پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے یہانتک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائیگا۔ پسینے آنا شروع ہونگے قدِم آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہوجائیگا، پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ آدمی غوطے کھانے لگیں گے، غرپ غرپ کریں گے جیسے کوئی ڈبکیاں لیتا ہے —— ا۔ قربِ آفتاب سے غم وکرب اُس درجہ کو پہنچے گا کہ طاقت ہوگی، تابِ تحمل باقی نہ رہے گی —— ج۔ رہ رہ کر زمین گھبرا ہٹیں لوگوں کو اٹھیں گی ا۔ آپس میں کہیں گے، دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو، کس حال کو پہنچے۔ کوئی ایسا

کی بارگاہ میں جملہ اولادِ آدم سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اس روز ایک ہزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۱) نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے ــــ ب۔ کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے۔ ــــ ۂ۔ پھر خود ہی تجویز کریں گے کہ آدم علیہ السلام ہمارے باپ ہیں اُن کے پاس چلا چلیئے۔ پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے ــــ د۔ اور پسینے کی وہی حالت ہے کہ منہ میں لگام کی طرح ہوا چاہتا ہے ــــ ۂ عرض کریں گے ــــ و اے باپ ہمارے ــــ ۂ اے آدم! آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ قدرت سے بنایا اور اپنی روح آپ میں ڈالی اور اپنے ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا ــــ ب اور سب چیزوں کے نام آپ کو سکھائے ــــ د اور آپ کو اپنا صفی کیا ــــ ۂ آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے ــــ ب کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے ــــ ۂ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے ــــ ب لست ہناکم ــــ ۂ انہ لا یھمنی الیوم الا نفسی ــــ ۂ ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری۔ میں اس قابل نہیں مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ ایسا پہلے کبھی کیا نہ آئندہ کبھی کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا غم ہے۔ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ تم اور کسی کے پاس جاؤ ــــ د عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں فرمائیں گے ــــ د اپنے پدرِ ثانی ــــ ۂ نوح کے پاس ــــ ب کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا ــــ و وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔ ــــ ۂ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے۔ اے نوح! ــــ و اے نبی اللہ! ــــ ۂ آپ اہلِ زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔ اللہ نے عبدِ شکور آپ کا نام رکھا ــــ د اور آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان نہ رکھا ــــ ۂ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس بلا میں ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے ــــ ۂ کہ ہمارا فیصلہ کر دے ــــ ۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے ــــ ب

خادم میرے اِرد گرد پھر رہے ہوں گے جو اُن اموتوں کی مانند ہیں جنہیں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۲) لست هناکم ــــ د لیس ذاکم عندی ــــ ۵ انه لا یهمنی الیوم الا نفسی ــــ له ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله و لن یغضب بعدہ مثله نفسی نفسی اذهبوا الیٰ غیری۔ مَیں اس قابل نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ نکلیگا۔ آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا کھٹکا ہے۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ و عرض کریں گے۔ پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے ــــ ب خلیل الرحمٰن ــــ ۵ ابراہیم علیہ السّلام کے پاس جاؤ ــــ د کہ اللہ نے اُنہیں اپنا دوست کیا ہے ــــ ا لوگ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس حاضر ہوں گے۔ عرض کریں گے ــــ و اے خلیل الرحمٰن! اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اہلِ زمین پر اُس کے خلیل ہیں۔ اپنے رَبّ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے ــــ ۵ کہ ہمارا فیصلہ کر دے ــــ له آپ دیکھتے نہیں ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرمائیں گے ــــ ب لست هناکم ــــ د لیس ذاکم عندی ــــ ۵ لا یهمنی الیوم الا نفسی ــــ له ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله و لن یغضب بعدہ مثله نفسی نفسی اذهبوا الیٰ غیری۔ مَیں اس قابل نہیں یہ کام میرے کرنے کا نہیں۔ آج مجھے بس اپنی جان کی فکر ہے۔ میرے رَبّ نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ اس سے پہلے ایسا ہوا نہ اس کے بعد ہو۔ مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے۔ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے مجھے اپنی جان کا تردّد ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ ــــ و عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے ــــ له تم موسیٰ کے پاس جاؤ ــــ ب وہ بندہ جسے خدا نے توریت دی اور اس سے کلام فرمایا اور اپنا راز دار بنا کر قرب بخشا ــــ ۵ اور اپنی رسالت دے کر برگزیدہ کیا ــــ له لوگ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس حاضر ہونگے اور عرض کریں گے

(ترمذی میں) ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۳) اے موسٰی! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجیے۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ موسٰی علیہ السلام فرمائیں گے ــــ ب لست هناكم ــــ د ليس ذاكم عندی ــــ ھ انه لا يهمنی اليوم الا نفسی ــــ ۃ ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسی نفسی اذهبوا الی غيری۔ میں اس لائق نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ مجھے آج اپنے سوا دوسرے کی فکر نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ کبھی کیا تھا اور نہ کبھی کرے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ ــــ و عرض کریں گے، پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے ــــ ا تم عیسٰی کے پاس جاؤ ــــ ب وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول اور اس کے کلمہ اور اس کی روح ــــ د کہ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے اور مردے جلاتے تھے ــــ ۃ لوگ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے۔ عرض کریں گے۔ اے عیسٰی! آپ اللہ کے رسول اور اس کے وہ کلمہ ہیں کہ اس نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اس کی طرف کی روح ہیں۔ آپ نے گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا۔ آپ رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے کہ وہ ہمارا فیصلہ فرما دے۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس اندوہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے ــــ ب لست هناكم ــــ د ليس ذاكم عندی ــــ ھ انه لا يهمنی اليوم الا نفسی ــــ ۃ ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسی نفسی اذهبوا الی غيری۔ میں اس لائق نہیں۔ یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا۔ آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کا غم نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ کبھی ایسا کیا نہ کبھی کرے۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مجھے اپنی جان کا غم ہے۔ مجھے اپنی جان کا سوچ ہے۔ تم اور کسی کے پاس جاؤ ــــ و عرض کریں گے۔ پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے

نے فرمایا۔ مجھے جنت کے حلوں میں سے ایک حلہ پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کے دائیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴) ہیں؛ فرمائیں گے، ایتوعبدا فتح اللہ علی یدیہ و یجئی فی ھذا الیوم امنا ــــ د انطلقوا الیٰ سید ولد آدم فانہ اول من تنشق عنہ الارض یوم القیامۃ ــــ ب ایتوا محمدا ــــ ۷ ان کل متاع فی وعاء مختوم علیہ اکان یقدر علی ما فی جوفہ حتی یفض الخاتم۔ تم اس بندے پاس جاؤ جس کے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ نے فتح رکھی ہے اور آج کے دن بے خوف و مطمئن ہے۔ اس کی طرف چلو جو تمام بنی آدم کا سردار اور سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لانے والا ہے۔ تم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس جاؤ۔ بھلا کسی سربمہر ظرف میں کوئی متاع ہو اس کے اندر کی چیز بے مہر اٹھائے مل سکتی ہے؛ لوگ عرض کریں گے نہ۔ فرمائیں گے۔ ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین وقد حضر الیوم ــــ لہ اذھبوا الی محمد ــــ د فلیشفع لکم الیٰ ربکم یعنی اسی طرح محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم انبیاء کے خاتم ہیں (تو جب تک وہ باب فتح نہ فرمائیں کوئی نبی کچھ نہیں کر سکتا) اور وہ آج یہاں تشریف فرما ہیں۔ تم انہیں کے پاس جاؤ، چاہیے کہ وہ تمہارے رب کے حضور تمہاری شفاعت کریں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (اب وہ وقت آیا کہ لوگ تھکے ہارے، مصیبت کے مارے۔ ہاتھ پاؤں چھوڑے۔ چار طرف سے اُمیدیں توڑے، بارگاہِ عرش جاہ، بیکس پناہ، خاتم دورۂ رسالت، فاتح باب شفاعت، محبوب با وجاہت، مطلوب بلند عزت، ملجائے عاجزاں، ماوائے بیکساں، مولائے دو جہاں، حضور پُر نور محمد رسول اللہ شفیع یوم النشور، افضل صلوات اللہ واکمل تسلیمات اللہ وازکی تحیات اللہ وانمیٰ برکات اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وعیالہ میں حاضر ہوئے اور بہ ہزاراں ہزار نالہائے زار و دلِ بے قرار و چشمِ اشک بار یوں عرض کرتے ہیں) ــــ لہ یا محمد یا نبی اللہ انت الذی فتح اللہ بک د جئت فی ھذا الیوم آمنا ــــ لہ انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربک ــــ ۷ فلیقض بیننا ــــ لہ الا تری الی ما نحن فیہ الا تری ما قد بلغنا۔ اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا اور آج آپ آمن و مطمئن تشریف لائے۔ حضور اللہ کے رسول اور

جانب کھڑا ہوا ہونگا۔ مخلوق میں سے میرے سوا وہاں کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا ـــــــ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵) انبیاء کے خاتم ہیں۔ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجیے کہ ہمارا فیصلہ فرما دے حضور نگاہ تو کریں، ہم کس درد میں ہیں، حضور ملاحظہ تو فرمائیں۔ ہم کس حال کو پہنچے ہیں ـــــــ ب حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں گے انا لھا وانا صاحبکم۔ میں شفاعت کے لئے ہوں میں تمہارا وہ مطلوب ہوں جسے تمام موقف میں ڈھونڈ پھرے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم)۔ اس کے بعد حضور نے اپنی شفاعت کی کیفیت ارشاد فرمائی۔ یہ نصف حدیث کا خلاصہ ہے۔ مسلمان اسی قدر کو بنگاہِ ایمان دیکھے اور اولاً حق جل وعلا کی یہ حکمتِ جلیلہ خیال کرے کہ کیونکر اہلِ محشر کے دلوں میں ترتیب دار انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائیگا اور دفعۃً بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفع ہیں ابتداً یہیں آتے تو شفاعت تو پاتے مگر اولین وآخرین، موافقین ومخالفین خلق اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا کہ یہ منصب افخم اسی سید اکرم ومولائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامن رفیع جلیل ومنیع تمام انبیاء و مرسلین کے دست ہمت سے بلند و بالا ہے پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان اس حدیث سے آشنا اور بے شمار بندے اس حال کے تماشائی ساعاتِ محشر میں صحابہ و تابعین وآئمہ محدثین و اولیائے کاملین وعلمائے عالمین سبھی موجود ہوں گے پھر کیونکر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسے بھلادی جائیگی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اصلاً یاد نہ آئیگی۔ پھر نوبت بہ نوبت حضرات انبیاء سے جواب سننے جائیں گے جب بھی مطلق دھیان نہ آئیگا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتایا ہے۔ پھر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کو دیکھیے۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے۔ یہ کوئی نہ فرمائیگا کہ کیوں بیکار ہلاک ہوتے ہو۔ تمہارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے۔ یہ سارے سامان اسی اظہار عظمت واشتہار وجاہت محبوب باشوکت کی خاطر ہیں لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا۔

قیامت کے روز اولادِ آدم کا سردار میں ہوں گا اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا۔ اس روز کوئی نبی ایسا نہ ہوگا۔ خواہ وہ حضرت آدم علیہ السلام ہوں یا ان کے سوا دوسرا کوئی نبی مگر وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور یہ محض افتخار کے باعث نہیں کہتا (یعنی حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے بطورِ تحدیثِ نعمت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ثانیاً سوالِ شفاعت پر انبیاء کے جواب اور ہمارے حضور کا مبارک ارشاد ہلا دیکھیے یہیں مقامِ محمود کا مزا آتا اور ابھی کا شمس کھلا جاتا ہے کہ سب نجومِ رسالت ومصابیحِ نبوت میں افضل واعلیٰ و اجل واجلیٰ واعظم واولیٰ وبلند و بالا وہی عرب کا سورج، حرم کا چاند ہے جس کے نور کے حضور ہر روشنی ماند ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم اور انبیائے خمسہ کی وجہِ تخصیص ظاہر کہ حضرت آدم اوّل انبیاء و پدرِ انبیاء ہیں اور مرسلینِ اربعہ اولوالعزم مرسل اور سب انبیائے سابقین سے اعلیٰ وافضل تو اِن پر تفضیل سب پہ تفضیل والحمد للہ الملک الجلیل"۔ (تجلی الیقین، ص ۵۶ تا ۶۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قیامت کے روز لواء الحمد میں (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اٹھایا ہوا ہوگا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور یہ فخر کے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میں حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت منظورِ بارگاہِ ایزدی ہوگی۔

ے شفاعت کے مسئلے میں وہابی حضرات نے اپنے امام علی الاطلاق اور بانی مذہب یعنی مولوی اسمٰعیل دہلوی کی پیروی میں ایسا موقف اختیار کیا ہے جو اُخروی لحاظ سے سُود مند نہیں بلکہ اس میں سراسر زیاں

طور پر نہیں کہتا اور مَیں وہ ہوں جو سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائیگا۔ پس میرے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور مَیں جنت میں داخل ہو جاؤنگا۔ میرے ساتھ غریب مسلمان بھی جنت میں داخل ہوں گے اور یہ فخریہ نہیں کہتا اور مَیں سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزّز و مکرّم ہوں اور یہ بات فخر کے طور پہ نہیں کہتا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مَیں لوگوں کی جنت کے لئے شفاعت کرونگا اور میرے پیروکاروں کی تعداد سب کے پیروکاروں سے زیادہ ہوگی۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار مَیں ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو یہ کیونکر ہوگا؟ پھر خود فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے انسانوں کو (اُس روز) جمع فرمایگا۔ پھر پوری حدیث شفاعت بیان فرمائی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷) ہے کیونکہ محبوب پروردگار کی شفاعت سے مستغنی تو کوئی فرد نہیں ہو سکتا۔ شفاعت جس طرح ہوگی اُس کے یہ حضرات منکر ہیں اور جس کس کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں وہ سرے سے شفاعت ہی نہیں ہے۔ مجدّد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرّہٗ نے اس سلسلے میں یہ وضاحت فرمائی ہے:۔ —— "احادیث کثیرہ گواہ ہیں کہ اس (مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی) کے گڑھے ہوئے معنی ہرگز واقع نہ ہوں گے۔ تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ مَیں وجودِ انسان کا منکر نہیں مگر لوگ جسے اِنسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے موجود یہ ہے کہ اُس کے پانچ ہاتھ ہوں اور ۲۲ کان اور ۲۷ ناکیں اور ۴۵ منہ اور اوپر چڑھ کر پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ احمق سرے سے اِنسان ہی کا منکر ہے اگرچہ براہِ عیاری لفظ اِنسان کا مُقر ہے۔ (تجلّی الیقین، ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ثواب میں زیادہ میں ہوں گا ——— دوسری حدیث میں ہے کہ کیا تم خوش نہیں ہو گے کہ قیامت کے روز حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تم میں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بروزِ قیامت دو میری امت میں ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ، میری دعا اور میری اولاد سے ہیں رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو جملہ انبیائے کرام آپس میں بھائی ہیں یعنی انکا باپ ایک ہے اور مائیں جدا ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی (یوں زیادہ) ہیں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں اور میں دوسروں کی نسبت ان سے زیادہ قریب ہوں

یہ فرمانِ رسالت کہ قیامت کے روز جملہ انسانوں کا سردار میں ہوں گا حالانکہ آپ دنیا میں بھی تو تمام انسانوں کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی آپ ہی سردار ہوں گے تو صرف قیامت کی سرداری کا ذکر کیوں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں آپکی سیادت و شفاعت کی جلوہ گری ہوگی نہ کہ دوسروں کی اور اس وقت آپ کے سوا لوگوں کو اور کسی کے پاس پناہ نہیں مل سکے گی سردار وہی ہوتا ہے جس کے پاس لوگ اپنی حاجتیں لے جانے پہ مجبور ہوں۔ اس روز دوسری ایسی کوئی ہستی نہیں ہوگی جو سیادت کا دعویٰ کرے۔ اس مضمون کو یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ جل مجدہٗ قیامت کے روز فرمائے گا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ — آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ

الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ — سب پر غالب کی۔

حالانکہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہے لیکن آخرت میں چونکہ ان لوگوں کے دعوے بھی منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں اپنے عارضی اختیار کے باعث بادشاہی کرتے تھے چونکہ آخرت میں سارے انسان اس محبوبِ باری صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے محتاج ہوں گے اور سب آپ ہی کی پناہ تلاش کریں گے۔ لہٰذا آخرت میں تمام انسانوں کے سردار

صرف آپ ہوں گے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ میں قیامت کے روز جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھلوانے کیلئے کہوں گا (یعنی دروازہ کھٹکھٹاؤں گا) تو خازن جنت پوچھے گا، آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا کہ محمد ہوں۔ وہ عرض کرے گا کہ مجھے یہی حکم ملا ہے کہ صرف آپ کے لیے دروازہ کھولوں اور آپ کے سوا کسی اور کے لیے دروازہ نہ کھولا جائے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے اور اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے۔ اس کی خوشبو مشک سے زیادہ مہک دار اور اس کے آب خورے آسمان کے تاروں کی طرح بے شمار ہیں جو ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

اسی حدیث کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (المتوفی ۳۲ھ/ ۶۵۲ء) سے بھی مروی ہے لیکن اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس (حوض کوثر) کی لمبائی اتنی ہے جتنا عمان سے ایلا کا فاصلہ ہے اور اس میں جنت کے دو پرنالے گرتے ہیں

اسی کے مانند حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی مروی ہے اور ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کا ایک پرنالہ سونے کا ہے اور دوسرا چاندی کا۔ سبحان اللہ

حضرت حارث بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ (حوض کوثر کی لمبائی اتنی ہے) جتنا مدینہ منورہ سے صنعا کا فاصلہ) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت میں ایلہ سے صنعا ہے ——— حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ جتنا کوفہ سے حجر اسود ہے ——— حوض کوثر کی حدیث انس، جابر، جابر بن سمرہ، ابن عمر، عتبہ بن عامر، حارث بن وہب الخزاعی

مستورد، ابوبرزۃ الاسلمی، حذیفہ بن الیمان، ابوامامہ، زید بن ارقم، ابن مسعود، عبداللہ بن زید
سہل بن سعد، سوید بن جبلہ، ابوبکر، عمر ابن الخطاب، ابن بریدہ، ابوسعید الخدری، عبداللہ الصنابحی
ابوہریرہ، براء بن عازب، جندب، عائشہ، اسماء بنت ابوبکر، ابوبکرہ، خولہ بنت قیس رضی اللہ
تعالیٰ عنہم وغیرہ سے روایت ہے۔

فصل ۔ ۹

نبی کریمؐ کی محبت و خلت کے ساتھ فضیلت

اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور آپ کو یہ خصوصیت مرحمت فرمائی گئی ہے کہ مسلمانوں کی زبانوں پہ آپ کا لقب حبیبِ خدا جاری و ساری ہے ——— قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالقاسم بن ابراہیم الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی دوسرے کو خلیل بناتا تو ضرور میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خلیل بناتا ——— دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارے یہ صاحب (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں ——— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے صاحب کو خلیل بنایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب یعنی شمع رسالت کے بعض پروانے ایک جگہ جمع تھے اور آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لے آئے جب آپ نزدیک آئے تو اُن میں سے ایک نے کہا کہ یہ بات کتنی حیرت انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔ دوسرے نے کہا یہ اس سے عجیب تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

کلام فرمایا تھا۔ ایک اور صاحب نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تو ایک کلمہ اور اللہ تعالیٰ کی جانب کی روح ہیں۔ آخر میں ایک نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو چُن (تمام انسانوں کا باپ بنانے کے لئے) لیا تھا۔

اسی دوران میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نزدیک آ پہنچے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے تمہاری گفتگو سُن لی ہے اور تمہارا تعجب کرنا بجا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام واقعی اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے سرگوشی کی اور کلام فرمایا۔ یہ بھی درست ہے کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام رُوح اللہ ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا اور قیامت کے روز لوا الحمد کا اٹھانے والا میں ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور جس کی سب سے پہلے شفاعت قبول ہوگی وہ مَیں ہوں اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا اور مَیں وہ ہوں جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیگا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے میرے لئے کھول دیگا۔ تو مَیں اس میں داخل ہو جاؤنگا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے اور یہ فخر یہ نہیں کہتا اور مَیں سارے اگلوں اور پچھلوں سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیِّ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے فرمایا ہے کہ مَیں نے تمہیں اپنا خلیل بنایا ہے اور توریت میں تمہارے متعلق لکھ دیا ہے کہ تم رحمٰن کے حبیب ہو۔

قاضی ابو الفضل عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ توفیق الٰہی سے فرماتے ہیں کہ خلّت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب دوسروں سے منقطع ہو جانے والا ہے اور دوسروں سے قطع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے محبّت رکھنے میں کسی قسم کا اختلال نہ ہو ——— بعض علماء کہتے ہیں کہ خلیل خلّت کے لئے مخصوص ہوتا

ہے اور اس قول کو کتنے ہی علماء نے اختیار کیا ہے ——— بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ خلت کی اصل اصطفاء چاہتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی لئے تو خلیل اللہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے دوستی کرتے تھے اور اللہ کے لئے دشمنی رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا یہ ہے کہ ان کی (خاص) مدد فرمائی گئی اور انہیں بعد میں آنے والے انسانوں کا امام بنایا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ خلیل اصل میں ایسے فقیر محتاج کو کہتے ہیں جس کا کسی سے کوئی تعلق نہ ہو اور خلت کا یہ لفظ حاجت سے ماخوذ ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے خلیل کہا گیا کہ انہوں نے اپنی حاجت کو اپنی رب تعالیٰ ہی کی جانب مقصود کر رکھا تھا اور سب سے منقطع ہو کر اسی کی جانب کو لگائے ہوئے تھے اور اس مشکل وقت میں بھی آپ نے اپنی توجہ کو دوسرے کی جانب نہیں کیا تھا جبکہ آپ کی بارگاہ میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے حالانکہ آپ کو منجنیق میں بٹھا کر آگ میں پھینکا جا رہا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا، کیا کوئی حاجت ہے؟ فرمایا حاجت تو ہے لیکن آپ سے نہیں۔

ابو بکر بن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ خلت سے مراد صاف شفاف دوستی ہے جو خالص محبت کا تقاضا کرتی ہے اور وہ راز و نیاز پہ مبنی ہے ——— بعض علماء فرماتے ہیں کہ محبت ہی خلت کی اصل ہے اور اس کا معنی مراد کا پورا کرنا۔ نرمی کے ساتھ مدد کرنا رفعت دینا اور اس کی شفاعت قبول کرنا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس ارشاد سے واضح فرمائی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى	اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ
نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ	کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم
قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ	فرمادو، پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں
؎	پر عذاب فرماتا ہے۔

؎ پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۸

محبوب کے لئے یہ واجب ہے کہ محب کو اس کے گناہ پہ نہ پکڑے۔ اِسی لئے تو یہ کہا ہے اور خلّت تو نبوّت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ نبوّت میں تو عداوت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے،

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ ؎۱

تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں۔ تو ان سے احتیاط رکھو۔

چونکہ خلّت کے ساتھ عداوت کا پایا جانا ناممکن ہے تو اب حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خلیل قرار دینا اس سبب سے ہے کہ:

(۱) ان دونوں حضرات علیہما الصّلوٰۃ والسّلام نے خدا کی جانب انقطاع فرمایا۔ اپنے تمام حوائج کو اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سپرد کرکے دوسروں سے منقطع ہو گئے اور ظاہری اسباب و وسائط تک سے منہ پھیر لیا۔ ——— (۲) دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں حضرات علیہما الصّلوٰت والتسلیمات کو وافر اختصاص اور خفی الطاف مرحمت فرما دیا گیا تھا جس کے باعث اسرارِ الٰہیہ چھپے ہوئے غیوب اور معرفتِ خداوندی سے اُن کے قلوب لبریز ہو گئے ——— (۳) تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان دونوں حضرات علیہما الصّلوٰت والتسلیمات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے چن لیا تھا اور ان کے دِلوں کو ماسِوا کی محبّت سے اِس قدر خالی کر دیا تھا کہ ان کے قلوب میں خدا کی محبّت کے سِوا اور کسی کی محبت کیلئے گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اِسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہوتا ہے جس کے دِل میں خدا کے سِوا کسی کی محبت کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے اُن حضرات کے دعوے کی دلیل وہ فرمانِ رسالت ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے اگر میں خُدا کے سِوا کسی کو خلیل پکڑتا تو وہ جناب ابوبکر ہوتے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لیکن دوسروں کے ساتھ تو اِسلامی اخوت ہے۔

؎۱ پارہ ۲۸، سورۂ التغابن، آیت ۱۴،

ظاہری علماء اور اہلِ دل حضرات (صوفیائے کرام) کا اس امر میں اختلاف ہے کہ خلّت و محبت میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ بعض علماء نے تو دونوں کو ایک درجہ میں رکھا ہے یعنی وہ انہیں برابر قرار دیتے ہیں اور اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جو حبیب ہوگا وہ خلیل بھی ہوگا اور جو خلیل ہوگا وہ حبیب بھی ہوگا ـــــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خلّت کے ساتھ اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو محبت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ خلّت کا درجہ زیادہ بلند ہے اور اس فرمانِ رسالت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا انہوں نے کسی کو خلیل تو نہ بنایا لیکن سیّدہ فاطمہ، اُن کے دونوں صاحبزادوں اور حضرت اسامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ پر محبت کا اطلاق فرمایا ہے۔

اکثر بزرگان نے فرمایا ہے کہ خلّت سے محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے کیونکہ حبیب ہونے کے سبب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے بلند ہے حالانکہ وہ خلیل ہیں۔ محبت کی اصل ایسا میلانِ طبع ہے کہ مزاجِ یار و رضائے یار کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے لیکن یہ اسی کے حق میں صادق آئے گی جس کی جانب میلان ہو اور موافقت پائی جائے اور ایسا کرنا مخلوق کا کام ہے کیونکہ خالق کی ذات اغراض سے پاک ہے۔ پس اس کا اپنے بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ سعادت مندی کے کاموں پر اُسے قائم کر دیتا ہے۔ بُرائیوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ نیکیوں کی توفیق بخشتا ہے۔ اپنے قرب کے اسباب اس کے لئے مہیّا کر دیتا ہے اور اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

محبت کی انتہا یہ ہے کہ اُس کے دل سے پردے ہٹا دیتا ہے یہانتک کہ وہ اُسے اپنے دل سے دیکھنے لگتا ہے اور چشمِ بصیرت کے ساتھ اس کی جانب دیکھتا ہے پس اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو

میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ بولتا ہے ——— اس حدیث سے ماسوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا بندہ صرف ایک خدا کا ہو کر مخلوق سے انقطاع کر لیتا ہے اور غیر اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے۔ پس اس کا دل اللہ تعالیٰ کی جلوہ گاہ بننے کے لئے صاف ہوتا ہے اور اس کی جملہ حرکات خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں ——— جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن تھا کیونکہ جس سے وہ راضی ہوتا اس سے آپ بھی راضی اور جس سے وہ ناراض ہوتا اس سے آپ بھی ناراض ہو جاتے تھے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)۔ بعض حضرات نے اس مقام کو خلت کے ساتھ تعبیر کیا ہے مثلاً

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّيْ	وَبِذَا سُمِّيَ الْخَلِيْلُ خَلِيْلاً !
فَاِذَا مَا نَطَقْتُ كُنْتَ حَدِيْثِيْ	وَاِذَا مَا سَكَتُّ كُنْتَ الدَّخِيْلاً

پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خلت کی انتہا اور محبت کی خصوصیت حاصل ہے جس پہ ایسی صحیح حدیثیں دلالت کر رہی ہیں جو بے شمار ہیں اور امت محمدیہ جنہیں قبول کر کے سر آنکھوں پہ جگہ دیتی ہے اس سلسلے میں اللہ جل مجدہٗ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]	اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

مفسرین نے اس کی تشریح میں حکایت بیان کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسے اپنا مسجود

---

[1] پارہ ۳ آل عمران۔ آیت ۳۱

بنالیں جیسا کہ نصارٰی نے حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کو ٹھہرا لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے غصے کا اظہار فرماتے ہوئے اور ان کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ [1]	تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔

اس میں اپنے حکم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے شرف کو بڑھاتے ہوئے انکی اطاعت کا حکم دیا اور حبیب کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے اور اطاعتِ حبیب سے منہ پھیرنے پہ یوں تہدید سنائی ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ [2]	پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر لوگ۔

امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محبت اور خلت کے بارے میں متکلمین حضرات کا کلام نقل کرتے ہوئے کافی طویل بیانات نقل کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا مقام خلت کے مقام سے افضل ہے (پس حبیب خلیل سے افضل ہوئے) ہم ان کے امام (ایمان افروز) بیان کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے دوسرے بیانات خود بخود واضح ہو جائیں گے ——— معلوم ہونا چاہیئے کہ خلیل واسطے سے بارگاہِ خداوندی میں باریاب ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ [3]	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اسی لئے کہ وہ عین الیقین میں ہو جائے۔

اور حبیب بغیر کسی وسیلے کے براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ [4]	تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

---

[1] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۲
[2] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۲
[3] پارہ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۷۵
[4] پارہ ۲۷، سورۂ النجم، آیت ۹

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ خلیل وہ ہے جس کو مغفرت کی حد درجہ طمع ہو۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ ؎۱ — اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔

اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کی مغفرت یقینی ہو جیسا کہ وعدہ خداوندی ہے:

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ؎۲ — تاکہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے

نیز خلیل وہ ہوتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہو۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ ؎۳ — اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔

اور حبیب وہ ہستی ہے جس سے یہ وعدہ فرمایا جائے۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۝ ؎۴ — جس دن اللہ رسوا نہ کریگا نبی اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو۔

یعنی سوال کرنے سے پہلے ہی رسوائی سے دُور رکھنے کی (حبیب کو) بشارت سُنادی
اسی طرح خلیل وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت فرمائے۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ ۝ ؎۵ — میرے لئے اللہ کافی ہے۔

لیکن حبیب وہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ خود یہ فرمائے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ ؎۶ — اے غیب کی خبریں بتانیوالے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے۔

؎۱ پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۲ ؎۲ پارہ ۲۶ سورۂ الفتح آیت پہلی
؎۳ پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۸۷ ؎۴ پارہ ۲۸، سورۂ التحریم، آیت ۸
؎۵ پارہ ۱۱ سورۂ یونس، آیت ۱۲۶ ؎۶ پارہ ۱۰، سورۂ الانفال، آیت ۶۴

خلیل وہ ہوتا ہے جس کو بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض گزار ہونا پڑتا

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ [1]

اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔

لیکن حبیب وہ ہے جس کے بارے میں پروردگارِ عالم خود یوں فرمائے۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔ [2]

اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا

گویا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ذکر کو بغیر سوال کے بلند فرما دیا۔ علاوہ بریں خلیل وہ ہوتا ہے جو بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرے۔

وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ [3]

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

لیکن حبیب وہ ہوتا ہے جس کے گھر والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود یوں بشارت دے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۝ [4]

اللہ تو یہی چاہتا ہے، اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

اس سلسلے میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ بعض حضرات کے تفصیلی مقالوں کے بعض مقامات اور بعض احوال پر مشتمل ہے۔ (جاننا چاہیے کہ) ہر شخص اپنے طریقے کے مطابق کام کرتا ہے اور تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ راہِ ہدایت کے زیادہ قریب کون ہے۔

---

[1] پارہ ۱۹، سورۂ الشعرا، آیت ۸۴

[2] پارہ ۳۰، سورۂ الانشرح، آیت ۴

[3] پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۳۵

[4] پارہ ۲۲، سورۂ الاحزاب، آیت ۳۳

فصل - ۱۰

شفاعت اور مقام محمود

اس سلسلے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ؎ قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کریگا جہاں سب تمہاری حمد کریں گے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شیخ ابو علی غسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ آدم بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۷۳ھ / ۶۹۲ء) کو فرماتے سُنا کہ قیامت کے روز لوگوں کی مختلف جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے نبی کے پیچھے ہو گی اور ان سے عرض کرے گی کہ یا نبی اللہ! آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ آخر کار یہ معاملہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک آ پہنچے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پہ جلوہ گر کرے گا یعنی ایسے مقام پہ جہاں آپ کو دیکھ کر چھوٹے بڑے اور موافق و مخالف سارے انسان (بلکہ ملائکہ) آپ کی مدح خوانی میں رطب اللسان ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس آیت کے مذکورہ مقامِ محمود کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مقامِ شفاعت ہے ——— اسی سلسلے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے تو میں اپنی امت کے ساتھ ایک ٹیلے پہ ہوں گا۔ اور میرا رب مجھے سبز حلہ پہنائیگا۔ پھر مجھے شفاعت کی اجازت مل جائے گی تو اس وقت جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ چاہے گا میں بارگاہِ خداوندی میں گزارش پیش کرونگا۔ بس وہ مقام ہی مقامِ محمود ہو گا۔

؎ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۹۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (لوگوں کی شفاعت کرنے کے لئے) چل پڑیں گے اور جنت کی زنجیر کو آکر کھٹکھٹائیں گے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پہ کھڑا کرے گا۔ جس کا اللہ جل مجدہٗ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرش کے دائیں جانب اعلیٰ مقام پر کھڑے ہوں گے جہاں دوسرا کوئی نہیں ہوگا آپ کو اس مقام پر دیکھ کر سب اگلے اور پچھلے غبطہ کریں گے۔ ——— اسی کے مانند کعب احبار اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ بھی مروی ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میں مقامِ محمود پہ کھڑا ہونے والا ہوں۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ (مقامِ محمود) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس روز اللہ ربّ العزت کرسی پہ (اپنی شان کے مطابق) نزول فرمائے گا۔ (اس کے بعد پوری حدیث بیان فرمائی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ چاہو تو اپنی آدھی امت کی بخشش کروالو اور چاہو ان کی شفاعت کرلو۔ میں نے شفاعت اختیار کرلی ہے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نیک لوگوں کی شفاعت کروں گا نہیں میں شفاعت تو گنہگاروں اور عصیاں شعاروں کے لئے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گذار ہوئے یارسول اللہ! آپ کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ میری شفاعت ہر اُس آدمی کے لئے ہو گی جس نے یہ گواہی دی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور زبان کے ساتھ دِل نے اس بات کی تصدیق کی ہو۔

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفی ۴۴ھ / ۶۶۴ء) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میرے بعد میری اُمت جو کچھ کرے گی مجھے اس کا علم مرحمت فرما دیا گیا ہے۔ لوگ آپس میں خونریزی کریں گے جس کے باعث ان کا حال بھی گزشتہ امتوں جیسا ہو جائے گا لیکن مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اسے قبول فرما لیا گیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کل بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایک ہموار میدان میں جمع کرے گا۔ جہاں پکارنے والے کی آواز کو سب سُن سکیں گے اور سب نظر آتے ہوں گے۔ لوگ اُسی طرح ننگے ہوں گے جس طرح پیدا ہوئے تھے اور سب خاموش ہوں گے۔ اذنِ الٰہی کے بغیر کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہو گی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو (ایک مقام پر) بلایا جائے گا۔ آپ (یُوں) کہیں گے: اے اللہ! مَیں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ ساری بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور تو کبھی کو برائی کا حکم نہیں دیتا۔ ہدایت پر وہی ہے جس کو تُو نے ہدایت دی۔ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تیرے ہی لئے ہوں اور میری دَوڑ تیری ہی جانب ہے۔ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ اور جائے نجات نہیں۔ تیری ذات بابرکات، بلند اور پاک ہے۔ اے بیت اللہ کے رَبّ ——— (جس جگہ کھڑے ہو کر آپ یہ حمد بیان کریں گے) وہی مقامِ محمود ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور جنتی لوگوں کی سب سے پچھلی اور دوزخی لوگوں کی سب سے آخری جماعت باہر رہ جائے گی تو دوزخ میں جانے والے لوگ جنت میں جانے والوں سے

پوچھیں گے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ یہ سن کر وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور خوب زور سے گریہ وزاری کریں گے اور آہیں مار کر روئیں گے۔ ان کی حد درجہ گریہ وزاری کو سن کر جنتی لوگ حضرت آدم علیہ السّلام اور دیگر انبیاء علیہم السّلام سے ان کی شفاعت کے لئے عرض گذار ہوں گے۔ ہر نبی کی جانب سے عُذر کیا جائے گا آخر کار وہ نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو جس مقام پر کھڑے ہو کر آپ اُن کی شفاعت فرمائیں گے وہی مقام محمود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی حدیث بالا کے مطابق مروی ہے —— علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی امام زین العابدین (المتوفی سنہ ۹۹ھ / ۷۱۷ء) نے بھی اس کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے نقل کیا ہے —— حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۷۸ھ / ۶۹۷ء) نے یزید بن قنیصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے پوچھا کہ تم نے اس مقام کے بارے میں کچھ سنا ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ رب العزت قیامت کے روز کھڑا کرے گا۔ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسی مقام کا نام مقامِ محمود ہے (اس پر کھڑے ہو کر آپ شفاعت فرمائیں گے اور) آپ کی شفاعت کے باعث جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں دوزخ سے نجات دیگا اور اس سے آگے پوری حدیث شفاعت بیان کی جس میں لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کا بیان ہے۔

مذکورہ حدیث کے ہم معنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اسی مقام کا نام مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے —— حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وغیرہ کی روایتوں میں یہ

بات موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب اگلوں اور پچھلوں کو جمع کرے گا اور وہ نہایت پریشانی کے عالم میں ہوں گے اور اُن کے دِلوں میں یہ بات ڈالی جائیگی کہ کاش! کوئی ہستی آج ہماری شفاعت کرے۔

دوسری روایت میں ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سورج اِتنا قریب ہوگا کہ لوگ اس کی تپش کو برداشت نہ کرسکیں گے اور شدید اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تمہیں کوئی ایسی ہستی نظر آتی ہے جو آج ہماری شفاعت کرے اسی غرض سے وہ حضرت آدم علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اے ابوالبشر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، اپنی جانب کی رُوح آپ میں پھونکی، آپ کو جنت میں رکھا، فرشتوں سے آپ کے لئے سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ ہماری شفاعت فرمائیں تاکہ جس مصیبت میں ہم مبتلا ہیں اُس سے نجات ملے اور ہمیں آرام سے سانس لینا نصیب ہو۔

وہ فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے غضب کا اظہار فرمایا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہُوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی تعمیل میں مجھ سے لغزش صادر ہوگئی تھی لہٰذا مجھے خود اپنی جان کا خطرہ ہے۔ مَیں تو خود خوف محسوس کررہا ہوں۔ تم شفاعت کیلئے کسی اور کے پاس جاؤ۔ وہ پوچھیں گے کہ آپ ہمیں کن کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے حضرت نوح علیہ السّلام کے پاس چلے جاؤ۔

لوگ حضرت نوح علیہ السّلام کے پاس حاضر ہوکر عرض کریں گے کہ حضور! آپ اہلِ زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ قرار دیا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی آفت میں مبتلا ہیں آپ ہماری شفاعت کیوں نہیں فرماتے۔ وہ فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے غضب کا

ایسا اظہار فرمایا ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ مجھے خود اپنی جان کی فکر ہے مجھے خود اپنی پڑی ہے ــــــ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت میں ہے کہ مجھ سے ایک لغزش سرزد ہوگئی تھی کہ علم کے بغیر بارگاہِ خداوندی میں ایک سوال کر بیٹھا تھا۔ ــــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت میں ہے کہ میری ایک دعوتِ مقبولہ تھی جو میں اپنی قوم کے لئے کر چکا تھا۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ اے نبی اللہ! آپ اہلِ زمین میں سے اللہ کے خلیل ہیں۔ آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آپ فرمائیں گے آج میرے ربّ نے غضب کا ایسا اظہار فرمایا ہے کہ پہلے کبھی نہ ایسا ہوا اور نہ ایسا آئندہ ہوگا۔ پھر ان تین باتوں کا ذکر کریں گے جو (بطور توریہ) آپ سے صادر ہوئی تھیں اور فرمائیں گے کہ مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ مجھے خود اپنی پڑی ہے۔ مَیں شفاعت کا اہل نہیں۔ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس (شفاعت کروانے کی غرض سے) چلے جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں ــــــ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت مرحمت فرمائی۔ کلام کیا اور سرگوشی کے لیے اپنا قرب بخشا ہے۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مدّعا عرض کریں گے تو وہ فرمائیں گے کہ مَیں اس کا اہل نہیں ہوں اور اپنی اس لغزش کا ذکر کریں گے جو ایک قبطی کے باعث سرزد ہوئی تھی اور فرمائیں گے کہ مجھے خود اپنی جان کا خطرہ ہے۔ مجھے تو اپنی ہی پڑی ہوئی ہے۔ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ کہ وہ اللہ کی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں۔

لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے کہ شفاعت کا اہل مَیں بھی نہیں ہوں۔ تم نبی آخر الزمان سیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دامن پکڑو

کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر چکا ہے —— تب وہ آپ کی بارگاہ میں آکر مدعا عرض کریں گے۔ آپ فرمائیں گے ہاں اس کام کے لئے تو میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں شفاعت کرنے کے لئے چلنے لگوں گا اور اپنے رب سے اذن طلب کروں گا تو مجھے شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی جائے گی اس وقت میں اپنے رب کو دیکھ کر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا —— دوسری روایت میں ہے کہ میں عرش کے نیچے پہنچ کر سجدے میں سر رکھ دوں گا —— ایک روایت میں ہے کہ میں اس کے حضور کھڑا ہو کر ایسی حمد و ثنا بیان کروں گا جس پہ آج قادر نہیں ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ وہ مجھ پہ الہام فرمائیگا —— دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پہ اپنے ایسے محامد ظاہر فرمائے گا جو کسی دوسرے پہ ظاہر نہیں فرمائے ہونگے

ع مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی شفاعت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اپنے مخصوص ایمان افروز تجدیت سوز انداز میں فرمایا ہے: —— شفاعتِ کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصاتِ محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے اور سروں پہ آفتاب اور دوزخ نزدیک۔ اس دن سورج میں دس برس کا بل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ ہی فاصلہ پہ لاکر رکھیں گے پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے۔ گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے، بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھیگا۔ یہانتک کہ گلے گلے سے بھی اونچا ہوگا۔ جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں۔ لوگ اس میں غوطے کھائیں گے۔ گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے۔ لوگ ان عظیم آفتوں میں جاں سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے۔

آدم و نوح و خلیل و کلیم و مسیح علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر جواب صاف سنیں گے سب انبیاء فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں۔ ہم اس لائق نہیں ہم سے یہ کام نہ نکلیگا۔ نفسی نفسی تم اور کسی کے پاس جاؤ۔ یہانتک کہ سب حضور پُر نور خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا. اے محمد!

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۶) علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اَنَا لَہَا۔ اَنَا لَہَا فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کے لیے. میں ہوں شفاعت کے لیے. پھر اپنے ربّ کریم جلّ جلالہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سجدہ کریں گے. ان کا ربّ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیگا: یا محمد اِرْفَعْ رَأْسَکَ وَقُلْ تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع ۔ اے محمد! اُوپر سر اُٹھاؤ اور عرض کرو تمہاری بات سُنی جائیگی۔ اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا. اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے. یہی مقامِ محمود ہوگا جہاں تمام اوّلین وآخرین میں حضور کی تعریف وحمد وثنا کا غُل پڑ جائیگا. اور موافق ومخالف سب پر کھل جائیگا کہ بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں اور مالکِ عظیم جلّ جلالہٗ کے یہاں جو عظمت ہمارے آقا و مولیٰ کے لئے ہے کسی کے لئے نہیں. والحمد للہ ربّ العالمین.

یہ حدیثیں صحیح بخاری وصحیح مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہلِ اسلام میں معروف ومشہور ہیں، ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں. شک لانیوالا اگر دو حرف بھی پڑھا ہو تو مشکوٰۃ شریف کا اُردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سنا دے اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بخشش گنہگاراں کے لئے بار بار شفاعت فرمائینگے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ وہی کلمات فرمائیگا اور حضور ہر مرتبہ بیشمار بندگانِ خدا کو نجات بخشیں گے. میں اُن مشہور حدیثوں کے سوا ایک اربعین یعنی چالیس حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوشِ عوام تک کم پہنچی ہوں جن سے مسلمانوں کا ایمان ترقی پائے منکر کا دل آتشِ غیظ میں جل جائے. بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کا رد تریف ہو جو بعض بے دینوں خدا نا ترسوں ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنی شفاعت میں کی اور انکارِ شفاعت کے چہرۂ نجس کے چھپانے کو ایک جھوٹی صورت نام کی شفاعت دل سے گھڑی۔

ان حدیثوں سے واضح ہوگا کہ ہمارے آقائے اعظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم شفاعت کیلئے متعیّن ہیں انہیں کی سرکار بیکس پناہ ہے. انہیں کے در سے بے یاروں کا نباہ ہے. نہ جس طرح ایک بدمذہب کہتا ہے

اپنا سر اٹھاؤ، جو مانگو گے وہ دیا جائیگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول فرمائی جائیگی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں کہ مَیں اپنا سر اٹھاؤنگا اور عرض کرونگا۔ یَارَبِّ اُمَّتِی۔ یَارَبِّ اُمَّتِی حکم ہوگا کہ اپنے اُن اُمتیوں کو جن کا حساب پاک ہے۔ دائیں جانب والے دروازوں سے جنت میں داخل کر دو اور باقی دروازوں سے داخل ہونے میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی شریک ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں واقعۂ شفاعت دوسری طرح مذکور ہے۔ اُس میں ہے کہ پھر مَیں سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول فرمائی جائے گی۔ مانگو کہ تمہیں مرحمت فرمایا جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں مَیں عرض کرونگا، یَارَبِّ اُمَّتِی۔ یَارَبِّ اُمَّتِی۔ فرمایا جائیگا کہ جس کے دل میں ایک گندم یا جَو کے دانے برابر بھی ایمان ہو اُسے دوزخ سے نکال لو۔ پس مَیں جاکر ایسے تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا جن کے دل میں گندم یا جَو کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔

اِس کے بعد دوبارہ میں بارگاہِ خداوندی کی جانب رجوع کر کے حسبِ سابق مدح و ثنا بیان کرنی شروع کر دوں گا اور اُمت کی بخشش کے لئے گذارش پیش کروں گا۔ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لو۔ پس مَیں ایسے تمام لوگوں کو نکال لُوں گا اور تیسری بار حمد و ثناء کے بعد اُمت کی بخشش کا سوال پیش کرونگا۔ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایمان کا ذرہ بھی شائبہ ہو اُسے بھی دوزخ سے نکال لو۔ چنانچہ مَیں ایسا ہی کروں گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۷) کہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنا دیگا۔ یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں خدا و رسول نے کھلم کھلا کر شفیع کا پیارا نام بتا دیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم۔ نہ یہ بات گول رکھی، جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ اُسی کے اختیار پر چھوڑ دیجئے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کر دے۔ یہ حدیثیں مژدہ جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اس کے لئے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہو گیا ہو اور وہ اس پر ہر وقت نادم و پشیمان و ترساں و لرزاں ہے جس طرح ایک دزدِ باطن کہتا ہے کہ جیسے چور پر تو چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو

چوتھی مرتبہ جب میں سربسجود ہو کر حمد و ثنا بیان کروں گا تو فرمایا جائیگا کہ اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور جو کہنا چاہتے ہو کہو تمہاری بات سُنی جائیگی۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائیگی مانگو تمہیں عطا فرمایا جائیگا۔ میں عرض کروں گا۔ کہ اے پروردگار! مجھے اُن لوگوں کو جہنم سے نکال لینے کی اجازت مرحمت فرما جنہوں نے ایک دفعہ بھی زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو۔ حکم ہوگا اے حبیب! اس بات کا تعلق تمہارے ساتھ نہیں ہے لیکن مجھے اپنی عزت، کبریائی، عظمت اور جبروت کی قسم ہے کہ ایسے ہر شخص کو آگ سے نکال لوں گا جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والی حدیث بروایت امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیسری یا چوتھی بار میں عرض کرونگا کہ اے پروردگار! اب جہنم میں وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن کریم نے روک رکھا ہے یعنی جن کا ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہے۔

روایت بالا کے مطابق ہی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے کہ لوگ اکٹھے ہو کر سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو آپ کو شفاعت کرنے کی اجازت مل جائے گی اور امانت و رحم اکرہ پلصراط کے دونوں جانب کھڑے ہو جائیں گے۔

ابی مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اُس روایت میں ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے تو آپ شفاعت فرمائیں گے چنانچہ اس وقت پلصراط قائم کر دی جائے گی اور لوگ اس کے اُوپر سے گزرنے شروع ہو جائیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اس نے کچھ اپنا پتہ نہیں ٹھہرایا، مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا۔ سو اُس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں، اُن کے ربّ کی قسم جس نے انہیں شفیع المذنبین کیا، ان کی شفاعت ہم جیسے رُوسیاہوں، پُر گناہوں، سیہ کاروں، ستمگاروں کے لئے ہے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے جن کے نام سے گناہ بھی ننگ و عار رکھتا ہے (اسماع الاربعین، مطبوعہ گلزار عالم پریس لاہور ص ۵ تا ۸)

سب سے پہلے گزرنے والے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ پھر ہوا۔ پرندے اور تیز گھوڑے کے مانند۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (اے اللہ۔ بچا بچا) فرماتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ تمام لوگ گزر جائیں گے۔ پھر آپ نے اُس شخص کا حال بیان کیا جو سب سے آخر میں گزریگا (الحدیث) ——— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والی روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں پل صراط سے گزروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے لئے منبر رکھے جائیں گے اور وہ اُن پر جلوہ فرور ہو جائیں گے جبکہ میرا منبر خالی رہ جائے گا۔ میں اس پر نہیں بیٹھوں گا بلکہ سراپا سوال بن کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑا رہوں گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوگا۔ اے حبیب! اپنی امت کیلئے کیا چاہتے ہو؟ میں امت کے ساتھ وہی سلوک کرونگا جو تم کہو گے۔ میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار انہیں حساب سے جلد فارغ کر دیا جائے۔ پس وہ بلالئے جائیں گے کہ اُن کا حساب کتاب شروع ہو جائیگا۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنہیں (بغیر حساب) محض اس کی رحمت سے جنت میں بھیج دیا گیا ہوگا۔ کچھ میری شفاعت سے جنت میں جائیں گے اور میں برابر شفاعت کرتا ہی رہوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے چند ایسے لوگ ملیں گے جن کو دوزخ میں ڈالنے کے پروانے جاری ہو چکے ہوں گے (میں ان کی شفاعت بھی کروں گا تو) جہنم کا داروغہ (خازن) مجھ سے کہے گا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ نے تو عذاب الٰہی سے اپنی امت کے لئے کچھ بھی نہیں رہنے دیا۔

زیادۃ النمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جتنے لوگ زمین سے اٹھیں گے میں اُن میں سب سے پہلا ہوں گا۔ اور یہ بات فخر کے طور پہ نہیں کہتا۔ قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار میں ہوں گا اور یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ اُس روز لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں پہلا شخص ہوں جس کے لئے جنت کھولی جائے گی اور یہ فخر کے طور پہ نہیں کہتا۔ میں جنت کے پاس آکر اس کا حلقہ پکڑوں گا تو پوچھا

جائے گا۔ آپ کون ہیں؟ مَیں جواب دُوں گا۔ محمدؐ ہوں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پس میرے لیے دروازہ کھول دیا جائیگا۔ اس وقت مجھے اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا تو میں اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ آگے واقعات اسی طرح ہیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت مذکور ہو چکی ہے۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قیامت کے روز میں اتنے مسلمانوں کی شفاعت کروں گا جو زمین کے پتھروں اور درختوں سے بھی زیادہ ہوں گے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

مذکورہ تمام احادیث وآثار سے، اگرچہ اُن کے الفاظ مختلف ہیں لیکن یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بروزِ حشر شروع سے آخر تک شفاعت فرماتے رہیں گے اور مقامِ محمود پر جلوہ افروز رہیں گے۔ یعنی سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائیگا اور ان کا دم گھٹنا شروع ہوگا اور اس وقوف کی حالت میں سورج کی گرمی اور پسینے کا سیلاب اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہوگا۔ بہ حساب سے پہلے کوئی ہیں تو اس میدان سے نجات دلانے کی آپ شفاعت فرمائیں گے۔ چنانچہ پلصراط رکھ کر لوگوں کا حساب کتاب شروع ہو جائیگا جیسا کہ حضرت ابُوہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں وارد ہے اور یہ سب سے مضبوط حدیث ہے۔ اس کے بعد آپ اپنی امت کے لئے اس بات کی شفاعت کریں گے کہ اس کو جلد حساب وکتاب سے فارغ کر کے جنت میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جیسا کہ پیچھے ایک روایت مذکور ہوئی۔ اس کے بعد شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جن پر احادیث صحیحہ کی رُو سے عذاب واجب ہے اور وہ جہنم میں جا چکے ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہوگا اور ایسے لوگوں کی شفاعت کا آپ کے سوا کوئی مجاز نہیں۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر نبی کو ایک دعا کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی وہ دعا قیامت پہ اٹھا رکھی ہے کہ اس روز امت کی شفاعت کرونگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں اس سے مراد وہ دعا ہے جس کی قبولیت کا قبل از وقت وعدہ فرمایا گیا ورنہ انبیائے کرام کی دعائیں ہمیشہ مستجاب ہوتی ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی دعاؤں نے شرف قبولیت حاصل کیا جن کا شمار مشکل ہے۔ دوسری دعاؤں کا معاملہ بیم و رجا کے درمیان رہتا ہے لیکن ایک دعا کا قبل از وقت وعدہ فرمایا گیا کہ ضرور قبول فرمائی گئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بطریق محمد بن زیاد اور ابو صالح رحمۃ اللہ علیہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اس کی امت کے واسطے ایک دعا کرنے کا اختیار دیا گیا جو انہوں نے کی اور ہر نبی کی دعا قبول ہوئی اور میں نے اپنی دعا کو مؤخر کر دیا ہے (یعنی اٹھا رکھا ہے) تاکہ قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کروں۔ ——— ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں یہ ہے کہ ہر نبی کو ایک مستجاب دعا کا اختیار دیا گیا لیکن انہوں نے عجلت سے کام لیا ——— اسی طرح حضرت ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں ہے جو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے۔

انبیائے کرام کی جس دعا کا اوپر ذکر ہوا وہ اُمت کے متعلق ہے اور اس کی اجابت کا اللہ جل مجدہٗ نے وعدہ فرمایا تھا ورنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو اپنی امت کی دنیاوی و اُخروی بہتری کے لئے بہت سی دعائیں کیں، جن سے اکثر دعائیں قبول ہوئیں اور بعض سے آپ کو روک دیا گیا اور یہ دعا (جس کی قبولیت کا قبل از وقت وعدہ فرمایا گیا) آپ نے اس روز کے لئے اٹھا رکھی ہے جو شدید احتیاج، زبردست مصیبت اور انتہائی ضرورت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے احسن اور کثیر جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو ان کی امت کی جانب سے مرحمت فرمائی ہو۔

فصل - ۱۱

فضیلت کے مدارج۔ وسیلہ، رفعت اور کوثر

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۶۵ھ / سنہ ۶۸۴ء) سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب تم موذن سے آذان کے کلمات سنو تو (جواب میں) اس طرح کہتے جاؤ۔ پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ جو مرد اس شرف سے نوازا جائیگا وہ میں ہوں۔ جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ ——— دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ وسیلہ (درجات جنت میں) سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

وسیلہ کیا ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو میرے سامنے ایک نہر آئی جس کے دونوں جانب موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوثر یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی ہے اس کے بعد انہوں نے کوثر کی مٹی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور دکھایا کہ وہ مشک ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ کوثر ایسی نہر ہے جو یاقوت اور موتیوں پر بہتی ہے۔ اس کا پانی شہد سے شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے ——— ایک روایت میں ہے کہ وہ گہرائی کے بعد ہموار زمین پر بہنے والی ہے۔ کونین کے تاجدار، شفاعت کے دولہا، خدا کے حبیب صلی اللہ

تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم اپنی امتِ مرحومہ کو برات کی شکل میں لے کر اسی کے کنارے فروکش ہونگے آگے پوری حدیث بیان کی ۔

اسی کے ہم معنیٰ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے ۔ ان سے یہ بھی روایت ہے کہ کوثر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی ہے اس سے مراد خیر کثیر ہے ——— حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۹۵ھ / ۷۱۳ء) فرماتے ہیں کہ نہر کوثر بھی خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے ——— حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان احادیث کے بارے روایت ہے جو آپ نے اللہ جل شانہٗ کی جانب سے فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر مرحمت فرمائی ہے جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں آ کر گرتی ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیۂ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کی تفسیر میں مروی ہے کہ (فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے) ہزار محل موتی کے ہیں جن کی مٹی مشک ہے اور ان کے اندر باقی سامان بھی شایانِ شان ہیں ——— دوسری روایت میں ہے کہ اس کے اندر حور و غلمان وغیرہ بھی محلات کی امتیازی شان کے مطابق ہیں ۔

فصل ۔ ۱۲

مقامِ رفعتِ مصطفےٰ اگر کوئی کہے کہ جب قرآنِ حکیم، احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ اُمت سے یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تمام انسانوں سے بزرگ اور جملہ انبیائے کرام سے افضل ہیں تو ان احادیث کے کیا معنی ہیں جن میں تفضیل کی ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ ہم سے امام اسدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

نے فرمایا کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر کہے (الیٰ آخرہٖ)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں ہے جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ کسی یہودی نے کہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے تمام آدمیوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پسند فرمایا ہے تو یہ سُن کر ایک انصاری نے اُسے تھپیڑ رسید کرتے ہوئے کہا تھا کہ تو ایسا کہنے کی جرأت کس طرح کر رہا ہے جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان جلوہ افروز ہیں۔ جب یہ خبر فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت مت دو ——— دوسری روایت میں ہے کہ تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ پھر باقی حدیث بیان کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہوں ———

نیز ان کی دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور آپ کو یوں مخاطب کیا یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃِ (اے خلقت سے بہتر) یہ سُن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ (خیر البریہ) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان احادیث کی علمائے کرام نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔

تاویل اوّل: تفضیل سے ممانعت آپ نے مقامِ رسالت پر فائز ہونے سے پہلے فرمائی۔ آپ اولادِ آدم علیہ السلام کے سردار ہیں۔ آپ نے تفضیل سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ یقینی علم کی محتاج ہے اور جو بغیر علم کے فضیلت دے اس نے جھوٹ بولا۔ اسی طرح آپ کا ارشاد کہ میں نہیں کہتا کہ ان سے کوئی افضل ہے۔ یہ فرمان بھی تفضیل کا مقتضی نہیں ہے بلکہ بلحاظ ظاہر تفضیل سے روکنا ہے۔

تاویل دوم: فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تواضع کے طور پر فرمائی ہے تاکہ تکبر اور عُجب کی نفی ہو جائے لیکن اس تاویل پر اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

تاویلِ سوم: انبیاءُ کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دینی چاہیئے جس سے کسی بھی نبی کی تنقیص و توہین لازم آئے۔ خاص کر یونس بن متی علیہ السلام کی۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک خبر (وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ[1]) دی ہے تاکہ علم سے بے بہرہ لوگوں کے دل و دماغ میں اُن کی تنقیص اور مرتبہ کی کمی کا خیال نہ آنے پائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں: اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ[2] اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ[3] فرمایا ہے ممکن ہے اس سے کوئی بے علم آدمی اُن کے مرتبے میں کمی محسوس کرنے لگے (حالانکہ نبوت کے منصب جلیلہ کو ہلکا سمجھنا اور نبی کو غلط کار ٹھہرانا دین و ایمان کی موت ہے اور خدا کے دشمنوں میں شامل ہونا ہے)

تاویلِ چہارم: نبوّت و رسالت کے حق میں تفضیل سے ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ تمام انبیائے کرام اس میں ایک ہی حد پر ہیں جبکہ یہ (نبوّت) ایک ہی چیز ہے پس اس میں تفضیل کیسی۔ ہاں حالات کی زیادتی، خصائص، فضل و شرف، مرتبہ اور لطف و کرم میں تفضیل یقیناً ہے اور جہاں تک نفس نبوت کا تعلق ہے تو اس میں تفضیل بالکل نہیں ہے جبکہ تفضیل تو دوسرے اُمور میں ہے جو نبوت پر زائد ہیں جس کے باعث بعض اُن میں رسول ہیں اور رسولوں میں سے بعض اولوالعزم رسول ہیں کسی کو رفعت مکانی مرحمت فرمائی کسی کو بچپن میں نبوّت مرحمت فرما دی گئی، کسی کو زبور عطا ہوئی۔ بعض کو روشن نشانیاں۔ ان میں سے وہ بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور وہ ہستی بھی ہے جس کے درجے بلند فرما دیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ۔[4] — اور بیشک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی ہے۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۂ القلم، آیت ۴۸، [2] پارہ ۲۳، سورۂ الصفٰت، آیت ۱۴۰

[3] پارہ ۱۷، سورۂ الانبیآء، آیت ۸۷، [4] پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۵

اور دوسرے مقام یُوں فرمایا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ	یہ رسول ہیں کہ ہم نے اِن میں ایک کو
عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ	دوسرے پہ افضل کیا۔ اِن میں کسی سے
اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ	اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے
؎۱	سب پہ درجوں بلند کیا۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہاں دنیاوی تفضیل مراد ہے جو تین قسم کے احوال سے ہوتی ہے اوّلاً یہ کہ اس نبی کی نشانیاں اور معجزے بہت روشن اور مشہور ہوں۔ ثانیاً اس کی امت بہت پاکیزہ اور کثیر ہو ثالثاً وہ اپنی ذات میں سب سے فضیلت اور طہارت والا ہو۔ اس کا فضل اس کی ذات کی طرف راجح ہو کہ جس بزرگی، خصوصیت، کلام، خلت، رویت اور حُسنِ لُطف و کرم کے ساتھ یا ولایت و اختصاص کے سبب کسی کو مخصوص کر لیا ہو۔

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ نبوّت کے بڑے بوجھ (ذمہ داریاں) ہیں تو حضرت یونس علیہ السّلام (بار نبوت سے) کچپانے لگے تھے جیسے اونٹ کا بچہ بوجھ سے کچپانے لگتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فِتنے کی جگہ سے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور ایسے وہم سے بچایا ہے جو اِن اُمور کے باعث اُن کی نبوت پہ جرح یا شانِ اصطفاٗ میں قدح یا رُتبے کی کمی یا عصمت کے ضعف کی جانب آگے دوڑتا پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے (یہ بتا کہ) اپنی امت پہ شفقت فرمائی ہے۔

تاویل پنجم: مذکورہ ترتیب سے پانچویں وجہ یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس ارشادِ گرامی میں اَنَا کی ضمیر قائل کی جانب رجوع کرتی ہے کہ کوئی پرہیز گار، گناہوں سے بچنے والا اور کتنا ہی

؎۱ پارہ ۳، سورۂ البقرہ، آیت ۲۵۳

پاکیزہ کیوں نہ ہو لیکن وہ یہ خیال نہ کرے کہ میں حضرت یونس علیہ السّلام سے بہتر ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کے بارے میں یہ کچھ فرمایا ہے (خبردار) نبوت کا مقام بہت افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اور یہ مذکورہ کمالات اس کے سامنے ایک رائی کے چھوٹے سے دانے کے برابر بھی قیمت و وقعت نہیں رکھتے اور اِنشاء اللہ تعالیٰ اس کو ہم قسم ثالث کے اندر تفصیل سے بیان کریں گے۔ اسی سے ہماری غرض پوری ہو گئی اور معترض کا شبہ دفع ہو گیا اور توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ وہی مددگار ہے اور اس کے سوا معبود کوئی نہیں ہے۔

فصل - ۱۳

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ

اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سے ابو عمران موسیٰ بن ابی تلید فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۴ھ/۶۷۲ء) سے روایت ہے کہ سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں (۱) مَیں محمّد ہوں۔ (۲) مَیں احمد ہوں۔ (۳) مَیں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کفر کو میرے سبب مٹائیگا۔ (۴) مَیں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کا حشر میرے قدموں میں کرے گا۔ (۵) مَیں عاقب ہوں کیونکہ سارے انبیاء سے آخر میں آیا ہوں۔

جن خصائص کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ سیّدنا محمّد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مخصوص فرمایا ہے اُن میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے اسمائے مقدسہ میں بھی آپ کی مدح و ثناء موجود ہے۔ پس اسماء النبی میں عظیم شکر گزاری رکھ دی ہے (اور ساتھ ہی وہ عظیم منصب، خصائص اور فضائل و کمالات پر بھی دلالت کرے

رہے ہیں۔

آپ کا اسمِ گرامی احمد یہ اَفْعَلْ کے وزن پہ تفضیل ہے جو حمد کا مبالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ یا سب سے زیادہ حمد کرنے والا اور محمد یہ مُفَعَّلْ کے وزن پہ (بحالت مفعول) مبالغہ کا صیغہ ہے (یعنی اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ) اس صیغے میں کثرتِ حمد کا مبالغہ ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کیا گیا یا سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔

پس حمد کے مفعول کے لحاظ سے دیکھیں تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے زیادہ تعریف کئے گئے ہیں اور اس کو تفضیل کے لحاظ سے دیکھیں تو آپ سب سے بڑھ کر خدا کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں۔ علاوہ بریں لواء الحمد بھی قیامت کے روز آپ کے دستِ مبارک میں ہوگا اور سارے انسان و ملائک آپ کے منصبِ جلیلہ و مقامِ رفیعہ سے مطلع ہو کر آپ کی ثنا بانِ شان تعریف کریں گے۔ آپ اس مقام پہ صفتِ حمد کے ساتھ مشہور ہوں گے اور مقامِ محمود پہ کھڑے کئے جائیں گے، جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس وقت سب اولین و آخرین آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں نیز آپ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور اس مقام پہ حمد و ثنار کے وہ کلمات آپ پہ مفتوح ہوں گے جو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کسی دوسرے پہ مفتوح نہیں فرمائے گئے ہوں گے۔ علاوہ بریں پہلے انبیائے کرام کی کتابوں میں اِس امت کو حَمَّادُوْنَ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس لحاظ سے بھی آپ ہی زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کا اسمِ گرامی محمد اور احمد ہو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مذکورہ دونوں اسماء میں جہاں عجیب خصائص اور بدیع آیات ہیں وہاں ایک نرالی بات بھی ہے کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانوں کو اپنے بچوں کا نام محمد اور احمد رکھنے سے روکے رکھا گزشتہ کتبِ سماویہ

ہیں جو آپ کا اسمِ گرامی احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مذکور ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام نے اس نام کے ساتھ آپ کی آمد کا مژدہ سنایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس نام کے رکھنے سے روکے رکھا کہ کوئی اس نام کے ساتھ موسوم ہو چنانچہ آپ سے پہلے کوئی اس نام کیساتھ موسوم نہیں ہوا تاکہ کسی ضعیف عقیدے والے کے دل میں کسی قسم کا شک شبہ واقع نہ ہونے پائے (اس صورت میں گمان ہو سکتا تھا کہ شاید اسی شخص کی بشارت سنائی گئی تھی)

اسی طرح آپ کے اسمِ گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بھی آپ سے پہلے عرب وعجم میں کوئی شخص موسوم نہیں ہوا۔ ہاں آپ کی ولادت باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے جب لوگوں میں یہ عام شہرت تھی کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونے والے ہیں اور اُن کا نام پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہوگا تو عرب کے چند لوگوں نے اپنے بیٹوں کا یہ نام رکھ دیا کہ شاید ہمارا لختِ جگر ہی اس عالی منصب سے مشرف ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے جن چند لوگوں کو اس نام سے موسوم کیا گیا وہ یہ ہیں: (۱) محمد بن احیمہ بن الحلاح الاوسی۔ (۲) محمد بن مسلمہ انصاری۔ (۳) محمد بن براء البکری (۴) محمد بن سفیان بن مجاشع۔ (۵) محمد بن حمران الجعفی (۶) محمد بن خزاعی السلمی —— ایسے حضرات صرف چھ ہوئے ہیں ساتواں کوئی نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جس کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن سفیان ہے (جس کا اس فہرست میں چوتھا نمبر ہے) اہلِ یمن یہ کہتے تھے کہ سب سے پہلے جو اس نام کے ساتھ موسوم ہوا وہ محمد بن یحمد ہے جو قبیلہ ازد کا رہنے والا تھا۔

جب یہ لوگ اس نام کے ساتھ موسوم ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کی یوں حفاظت فرمائی کہ ان میں سے کوئی شخص نبوت کا مدعی نہیں ہوا اور نہ اس کے نبی ہونے کا کسی دوسرے نے دعویٰ کیا اور نہ ان لوگوں سے کوئی ایسا عجیب فعل سرزد ہوا جو دوسروں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دے

اِس کے بعد آپ کی اس عالمِ آب و گِل میں جلوہ گری ہوئی اور ان دونوں اُمور (۱) خود نبوت کا دعوٰی کرنا (۲) دوسروں کا یہ کہنا کہ فلاں نبی ہے) کا آپ کے لئے تحقیق ہو گیا اور ان میں کسی قسم کا نزاع نہیں ہے۔

رہا فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی کہ میں مَاحِیْ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کفر کو میرے ہاتھوں مٹائیگا چنانچہ حدیثِ پاک میں اس کی تفسیر خود کر دی ہے۔ رہا کفر کا مٹنا تو اِس سے مراد مکہ معظّمہ سے کفر کا مٹنا مراد ہے یا سارے جزیرہ عرب سے یا جتنی زمین آپ کے لئے سمیٹ دی گئی یا جس کا آپ سے وعدہ فرمایا گیا کہ اُمّتِ محمدیہ وہاں تک غالب ہوگی۔ علاوہ بریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ عام ہو جو ظہور اور غلبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ[1] تاکہ اسے (اسلام کو) تمام ادیان پر غالب کرے۔

اس لفظ محو کی تفسیر حدیثِ پاک میں یہ بھی آئی ہے کہ آپ کے سبب ہر اس شخص کے گناہ محو ہو جائیں گے، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیروی کرے گا۔[2]

رہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی کہ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ۔ (میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں پہ ہوگا)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے زمانہ اور میرے عہد میں ان کا حشر ہوگا کیوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے

---

[1] پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۳۳ پارہ ۲۸ سورۃ الصف، آیت ۹۔

[2] یہ مضمون خود قرآن کریم میں بھی ہے یعنی قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدنی تاجدار، حبیب پروردگار، احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اتّباع کرنیوالوں کے گناہ معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی اپنے محبوب کے غلاموں کو اپنی رحمت و مغفرت کا مژدہ جانفزا سنایا ہوا ہے کہ یہ سب کچھ ملیگا لیکن اتباعِ حبیب کے صدقے

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ	محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ ؂	میں پچھلے۔

لہٰذا سلسلہ نبوت کی آخری کڑی آپ ہیں تمام انبیائے کرام کے بعد آنے کے باعث آپ کا نام عاقب بھی ہوا کیونکہ آپ نے خود فرمایا ہے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے ارشاد عَلٰی قَدَمِیْ سے مراد ہے کہ لوگ میرے سامنے محشور ہوں گے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	تاکہ تم لوگوں پہ گواہ ہو اور یہ رسول
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؂	تمہارے نگہبان و گواہ۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عَلٰی قَدَمِیْ کا مطلب یہ ہے کہ میرے نقشِ قدم پہ ان کا حشر ہوگا (یعنی سب سے پہلے میں قبرِ انور سے باہر نکلوں گا اور اس کے بعد تمام انسان اٹھ کھڑے ہوں گے) چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ	کہ ان کا ان کے رب کے پاس سچ
رَبِّهِمْ ؂۳	کا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عَلٰی قَدَمِیْ کا معنی یہ ہے کہ میرے گرداگرد اُن کا حشر ہوگا یعنی قیامت کے روز سب میری طرف اکٹھے کر دیئے جائیں گے —— عَلٰی قَدَمِیْ کا ایک معنی یہ بتایا گیا ہے کہ میرے طریقے پہ —— رہا یہ فرمانِ رسالت کہ لِیْ خَمْسَةُ اَسْمَآءٍ کہ میرے پانچ نام ہیں تو یہ اس وجہ سے فرمایا کہ کتبِ سابقہ میں آپ کے پانچ ہی اسمائے گرامی مسطور اور امم سابقہ کے علماء میں مشہور تھے ورنہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے دس نام ہیں اور اُن میں آپ نے طٰہٰ اور یٰسٓ کا ذکر بھی فرمایا۔ اس کی حکایت امام مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ بعض تفاسیر میں طٰہٰ کا مطلب یا طاہر یا ہادی بتایا گیا ہے اور یٰسٓ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ...

سے مراد یا سید ہے۔ سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قول کی حکایت امام واسطی اور امام جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہم سے کی ہے۔

سلمی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میرے دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی بتائے جو پہلے مذکور ہیں اور دوسرے پانچ یہ بتائے۔

۱۔ رَسُوْلُ الرَّحْمَۃِ : یعنی پیغمبر رحمت۔ جو کونین کے لئے رحمت بلکہ جانِ رحمت بن کر آئے۔

۲۔ رَسُوْلُ الرَّاحَۃِ : مخلوقِ خدا کو راحت پہنچانے والا رسول۔

۳۔ رَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ : وہ رسول جسے تلوار دے کر جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔

۴۔ مُقَفِّیْ : جس کی تشریف آوری سے انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا۔

۵۔ قَیِّمٌ : جو مخلوقِ خدا کے سارے کمالات کا جامع ہو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روایت میں قَیِّمٌ ہی پایا ہے لیکن اس کی روایت نہیں کی کیونکہ میرے نزدیک درست ثاکے ساتھ (یا کی جگہ) ہے یعنی قَثَمٌ، جیسا کہ ہم نے حربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور یہ لفظ تفسیر کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے کیونکہ انبیائے کرام کی کتابوں (کتب سابقہ) میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا کی تھی: اَللّٰھُمَّ ابْعَثْ لَنَا مُحَمَّدًا مُقِیْمَ السُّنَّۃِ بَعْدَ الْفَتْرَۃِ (اے اللہ! ہمارے لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما جو فترت یعنی انبیائے کرام کی آمد بند ہونے کے بعد سنت قائم کرنے والے ہیں) لہٰذا قیّم کا اس معنی میں ہونا بھی ممکن ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نقاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، قرآنِ کریم میں میرے سات نام مذکور ہیں (۱) محمد (۲) احمد (۳) یٰسٓ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں چھ کا ذکر ہے : (۱) محمد (۲) احمد (۳) خاتم (۴) عاقب (۵) حاشر (۶) ماحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

(۴) طٰہٰ (۵) مدثر (۶) مزمل (۷) عبداللہ —————

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۴۴ھ / ۶۶۲ء) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے بہت سے اسمائے گرامی بتایا کرتے تھے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ میں (۱) محمد (۲) احمد (۳) مقفی (۴) حاشر (۵) نبی التوبہ (۶) نبی الملحمۃ (۷) نبی الرحمۃ ہوں۔ ایک روایت میں نبی المرحمۃ، نبی الرحمۃ اور نبی الراحۃ بھی آیا ہے اور انشاء اللہ یہ سب صحیح ہیں۔

مقفی کا مطلب عاقب یعنی سب سے پیچھے آنے والا ہے۔ باقی رہے نبی المرحمۃ نبی التوبہ، نبی الرحمۃ، اور نبی الراحۃ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ [1] — اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سب جہانوں کے لئے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی توصیف میں فرمایا ہے۔

يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ [2] — انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے :

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ [3] — اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

ایک مقام پر یہ بھی فرمایا ہے :

---

[1] پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[2] پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴

[3] پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۶

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ؎۱	بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔

اور اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کی تعریف میں فرمایا ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے جیسا کہ اس امت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ ؎۲	اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں، اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں۔

مرحمت سے مراد یہ ہے کہ غلامانِ مصطفےٰ ایک دوسرے پہ مہربان ہیں کیونکہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن کے رب تعالیٰ نے امت کے لئے رحمت اور تمام جہانوں کے واسطے بھی رحمت بنایا ہے۔ پس آپ ان کے لئے رحم وکرم اور بخشش مانگتے رہتے ہیں اور آپ کی امت کو بھی امتِ مرحومہ بنایا اور کرم کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی انہیں ایک دوسرے پہ رحم کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور رحم کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو پسند فرماتا ہے جو دوسروں پہ رحم کرتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رحمٰن بھی رحم کرنے والوں پہ رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پہ رحم کرو، آسمان والا تم پہ رحم فرمائے گا۔

روایت میں جو آپ کا اسمِ گرامی نبیّ الملحمۃ آیا ہے تو یہ اس جانب اشارہ ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جہاد اور تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا۔ یہ صحیح حدیث میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی

؎۱ پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۸ ؎۲ پارہ ۳۰، سورۃ البلد، آیت ۱۷

طرح روایت کی ہے ان کی حدیث میں نبیّ الرحمۃ، نبیّ التوبہ اور نبیّ الملاحم بھی ہے حربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حدیث میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ قُثَم ہیں یعنی کمالات کا مجموعہ۔ ایک قول یہ ہے کہ قَثُوم سے مراد بھلائیاں اکٹھی کر لینے والا ہے آپ کا یہ اسمِ گرامی اہلِ بیتِ اطہار کو معلوم اور اُن میں مشہور تھا۔

قاضی عیّاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اسماء النبیّ ہم نے ذکر کئے ہیں اِن کے سوا کتنے ہی آپ کے القاب اور خوبیاں قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ نور - سراجِ منیر، مُنذِر، نذیر، مبشّر، بشیر، شاہد، شہید، الحق المبین، خاتم النبیّین، الرّؤف الرّحیم، الامین، قدم الصّدق، رحمۃ للعالمین، نعمۃ اللہ، العروۃ الوثقیٰ، الصراط المستقیم، النجم الثاقب، الکریم، النّبی الامّی، داعی اللہ، وغیرہ۔ اِن میں سے اوصافِ کثیرہ اور علاماتِ جلیلہ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پہلی کتابوں، اس کے انبیاء کی کتابوں اور احادیثِ رسول میں موجود ہیں۔

نبیِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے القاب سے امّتِ محمدیہ کی زبانوں پہ بعض خوب چڑھے ہوئے ہیں جیسے مصطفےٰ، مُجتبیٰ، ابوالقاسم، حبیب، رسول ربّ العالمین، شفیع، مشفّع، متّقی، مُصلح، طاہر، مُہیمن، صادق، مصدّق، ہادی، سیّد ولدِ آدم، سیّد المرسلین، امام المتّقین، قائد الغرّ المحجّلین، حبیب اللہ، خلیل الرّحمٰن، صاحب الحوض المورود، صاحب الشفاعت، صاحبِ مقامِ محمود، صاحبِ الوسیلۃ والفضیلۃ والدّرجۃ الرّفیعۃ، صاحب التاج والمعراج واللواء والقضیب، راکب البراق والناقۃ والنّجیب، صاحب الحجّۃ، السلطان الخاتم، العلامۃ البرہان، صاحب الھراوۃ والنّعلین وغیرہ۔

کُتبِ سابقہ میں آپ کے جو اسمائے گرامی مذکور ہوئے وہ یہ ہیں: المتوکّل، المختار، مقیم السنّۃ المقدسۃ، رُوح القدس، رُوح الحق۔ اور انجیل میں جو فارقلیط آیا ہے اس کا یہی معنی رُوح الحق ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ فارقلیط وہ ہے جو حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز

کھینچ دے۔ پہلی کتابوں میں آپ کا ایک اسمِ گرامی ماذ ماذ بھی مذکور ہوا ہے جس کا معنی طیب طیب ہے۔ اس کے علاوہ حمطایا، الخاتم، الحاتم بھی مذکور ہوئے ہیں۔ کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکایت کی ہے کہ خاتم وہ ہوتا ہے جو سلسلۂ نبوت کو ختم کردے اور اور حاتم سے یہ مراد ہے کہ تمام انبیاء سے صورت اور سیرت میں بہتر۔ سُریانی زبان میں آپ کا نام مشفح اور منحمنا بھی آیا ہے اور توریت میں اُحیدُ آیا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ صاحبِ قضیب کا مطلب صاحب سیف ہے۔ انجیل میں یہ واضح طور پر واقع ہوا ہے کہ اس (نبیٔ آخرالزمان) کے ساتھ تلوار بھی ہوگی جس کے ذریعے وہ جہاد کریگا اور اس کی امت بھی جہاد کریگی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ قضیب سے مراد وہ چھڑی ہو جو آپ کے دستِ اقدس میں رہتی تھی اور آجکل خلفاء کی تحویل میں ہے۔

ھراوۃ سے مراد لغت کی رُو سے تو لاٹھی ہے جس کے ساتھ آپ کی تعریف فرمائی گئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ لاٹھی ہے جس کا حدیثِ حوض میں ذکر آیا ہے کہ میں اپنی لاٹھی کے ساتھ اہلِ یمن کو اپنے حوض سے بھگاؤں گا (کیونکہ انہوں نے مسیلمہ کذاب کو نبی مانا تھا) واللہ اعلم)

تاج سے مراد عمامہ ہے کہ اس زمانے میں عمامہ عرب کے سوا اور کہیں نہ تھا اور عمامہ عرب کا تاج ہے۔ علاوہ بریں آپ کے اوصاف، القاب اور علامات کتابوں میں بے شمار مذکور ہیں لیکن

ف اس صدی کے عظیم الشان عالم ربانی، علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء) نے اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے: "فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ جستجو اور تلاشِ بسیار سے میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے آٹھ سو بیس سے چند زیادہ اسمائے طیبہ معلوم کئے ہیں جنہیں میں نے ایک قصیدے میں جمع کیا ہے جس کا نام احسن الوسائل فی اسماء النبی الکامل ہے۔ اس کے بعد میں نے انہیں نثر میں علیحدہ حروفِ تہجی کے لحاظ سے لکھا ہے اور ساتھ ہی کچھ ضروری اور مناسب شرح بھی کردی ہے۔ مذکورہ اسمائے گرامی کے متعلقہ اہم فوائد ایک علیحدہ مستقل کتاب میں لکھے ہیں۔ (جواہر البحار اردو، جلد اول، ص ۱۶۶)

جن کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اہلِ محبت کے لئے کافی ہیں اور ابو القاسم آپ کی مشہور کنیت ہے لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ جب آپ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ولادت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یوں سلام عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا اِبْرَاهِیْم۔

فصل۔۱۴

اسماء نبوی میں کرامات

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے کہ اس فصل کے لئے زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ اسے پہلے ابواب کی فصلوں سے ملایا جاتا کیونکہ اس کا مضمون ان فصلوں کے مضامین کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتا ہے اور اس کے شیریں مطالب ان کے مقاصدِ لذیذہ سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے سینے کو اُس وقت کشادہ فرمایا جب اس سے پہلی فصل کے مضامین میں غور و خوض کا اتفاق ہوا۔ قبل ازیں اس جانب توجہ ہی نہیں تھی اور کیا معلوم تھا کہ ایسی دُرِ ... بے بہا فصل کا استخراج ہو جائیگا لہٰذا اب یہی مناسب نظر آئے گا گزشتہ فصل کے ساتھ اسے رکھا جائے اور اس کے ساتھ اس کی خوبیوں کو ملا دیا جائے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے ہی انبیائے کرام کو اپنے اسماءِ حسنیٰ کی خلعت سے نوازا اور مخصوص فرمایا ہے جیسا کہ حضرت اسحاق و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو علیم و حلیم نام دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم کے ساتھ، حضرت نوح علیہ السلام کو شکور کے ساتھ، حضرت عیسٰی اور حضرت یحییٰ علیہما السلام بَرّ کے ساتھ، حضرت موسٰی علیہ السلام کو کریم و قوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ و علیم کے ساتھ، حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کے ساتھ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو صادق الوعد کے ساتھ نوازا ہے جن کے مواضع ذکر یہ قرآنِ

کریم خود اس امر کی گواہی دے رہا ہے۔

اللہ جل مجدہٗ نے ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ فضیلت عطا فرمائی ہے اور اپنے کتنے ہی اسماءِ حسنیٰ کی خلعت کے فخر سے نوازا ہے جن کا ذکر خود اپنی کتاب عزیز میں فرمایا اور بعض ناموں کا اعلان اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی زبانی کروایا ہے اور متعدد بار کروایا۔ ہم نے ایسے اسماء کو بڑے غور و فکر اور تلاش و جستجو کے ساتھ ایک جگہ جمع کیا ہے جبکہ ہمیں ایسا کوئی نظر نہ آیا جس نے انہیں جمع کیا ہو، ماسوائے دو اسماء کے اور نہ ان دونوں فصلوں (۱۲، ۱۳) کو تالیف کیا۔

اس فصل میں ہم نے تقریباً تیس۳۰ اسماء سپردِ قلم کئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے

۷؎ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے اسماء حسنیٰ کے بارے میں فرمایا ہے: ''اُن میں سے چند ایسے اسمائے طیبہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جو اللہ جل مجدہٗ کے اسماء حسنیٰ ہیں لیکن اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی وہ مرحمت فرمائے اور ایسے کل اسمائے گرامی جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی زینت اور خوبصورتی بخشی اُن میں سے میں اکاسی پر مطلع ہو سکا ہوں (جواہر البحار اُردو جلد اول، ص ۱۶۷) ان تمام روایات کو میں نے اپنی کتاب الاستغاثہ الکبریٰ باسماء الحسنیٰ میں جمع کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ جو مذکورہ کتاب میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے جمع کئے گئے ہیں، اُن میں سے اکاسی نام ایسے ہیں جو اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ تعداد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں روایات سمیت ہے اور کچھ وہ ہیں جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔ ایسے اسماء حسنیٰ یہ ہیں:

الاوّل، الآخر، الاحد، الاکرم، البصیرہ، الباطن، البر، البدیع، البرہان، الجبار، الجلیل، الجامع، الحکم، الحلیم، الحفیظ، الحکیم، الحق، الحمید، الحی، الحافظ، الخافض، الخبیر، ذو الفضل، ذو القوۃ، الرافع، الرقیب، الرؤف، الرشید، الرحیم، السلام، السمیع، السریع، الشاکر، الشکور، الشدید، الشہید، الصادق، الصبور، الظاہر، العزیز، العلیم

ہماری طرف ان کے علم وتحقیق کا الہام فرمایا ہے اسی طرح یہ نعمت بھی پوری فرمائے کہ ان کے ظاہر کرنے کی وہ توفیق بھی مرحمت ہو جو ابھی عطا نہیں فرمائی ہے اور اس کے بند دروازے کھول دے گا۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک حَمِیْدٌ ہے جو مَحْمُوْدٌ کے معنی میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنی تعریف بیان فرمائی ہے اور بندے بھی اس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ نیز یہ حَامِدٌ کے ہم معنی بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور اعمال اطاعت کی تعریف فرماتا ہے

پس اللہ تعالیٰ نے (حمد سے متعلق) اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو نام مرحمت فرمائے یعنی محمّد اور احمد۔ آپ کا اسم گرامی محمّد یہ محمود کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں ہے اور احمد کا مطلب بہت زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ (محمّد) کا مطلب ہے سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔ اسی مفہوم کی جانب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِیُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ تعالیٰ کے اسماء طیبہ سے اَلرَّؤُفُ الرَّحِیْمُ بھی ہیں۔ ان دونوں اسماء کا معنی ایک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان اسماء سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی موسوم فرمایا ہے۔ (بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ؀)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۹) العدل، العظیم، العلی، العفو، العالم، الغفور، الغنی، الفتاح، الفرد، القوی، القریب، القائم، الکریم، الکافی، الکفیل، الملک، المؤمن، المہیمن، المجیب، المجید، المتین، المحی الماجد، المقدم، المقسط، المغنی، المبین، المنیب، الملیک، المعطی، المنیر، النور، الهادی، الوہاب، الواسع، الوکیل، الولی، الواحد، الوالی، الوافی۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(جواہر البحار، اردو، جلد اول، ص ۱۶۷، ۱۶۸)

منجملہ اسمائے الٰہیہ کے حقؔ اور مُبِیْن بھی ہیں۔ حق کا معنی موجود ہے اور وہ جس کا امر متحقق ہو۔ اسی طرح مبین کا مطلب ہے اپنے امر اور الوہیت کا بیان کرنے والا ہے بَانَ اور اَبَانَ کا ایک ہی معنی ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اپنے بندوں کے دین اور معاد کے اُمور کو بیان کرنے والا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس نام سے موسوم کرتے ہوئے فرمایا ہے :

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ [1] — یہاں تک کہ اُن کے پاس حق اور صاف بتانے والا رسول تشریف لایا۔

اور دوسری جگہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے :

قُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ [2] — تم فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا۔

اپنے حبیب کو حق قرار دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے :

قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۝ [3] — تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے :

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ۔ [4] — تو بیشک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب اُن کے پاس آیا۔

کہا گیا ہے کہ اس (حق) سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآنِ کریم مراد ہے۔ یہاں یہ (حق) باطل کے مخالف و برعکس معنی میں ہے جس کا صدق وامر متحقق ہو اور وہ پہلے معنی میں ہے ——— مبین سے اپنے امورِ

---

[1] پارہ ۲۵، سُورۂ الزخرف، آیت ۲۹، [2] پارہ ۱۴، سورہ الحجر، آیت ۸۹،

[3] پارہ ۱۱، سُورۂ یونس، آیت ۱۰۸، [4] پارہ ۷، سُورۂ الانعام، آیت ۵،

رسالت کو بیان کرنے والا مراد ہے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے کر مبعوث فرمایا اس کا بیان کرنے والا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۞ تاکہ لوگوں سے تم بیان کردو جو اُن کی طرف اترا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام نُوْرٌ ہے۔ اس کا معنی نور والا یعنی اس کا پیدا کرنیوالا ہے یا آسمانوں اور زمین کو منوّر فرمانے والا یا ہدایت سے اہلِ ایمان کے دِلوں کو جگمگانے والا ہے ——— اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نام بھی نورؔ رکھا ہے جیسا کہ خود فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ [2] بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

کہا گیا ہے کہ اس (لفظ نور) سے مراد سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ گرامی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس (نور) سے قرآنِ کریم مراد ہے ——— اسی سلسلے میں آپ کو سِرَاجًا مُّنِیْرًا بھی کہا ہے کیونکہ آپ کا حکم روشن اور آپ کی نبوّت ظاہر ہے اور آپ ایمان والوں اور عارفوں کے دِلوں کو (اس دولتِ دین و ایمان کے ساتھ) منوّر کرنے والے ہیں جو آپ لے کر آئے۔

اور اسمائے الٰہیہ سے شَهِيْدٌ بھی ہے جس کا معنی (اَلْعَالِمُ جاننے والا) ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنے بندوں پر گواہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا شَهِيْدٌ اور شَاهِدٌ نام رکھا ہے جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔

---

[1] پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۴۴ [2] پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ۝ وَّ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ ؎۱

اے غیب کی خبریں بتانیوالے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

نیز آپ کو شَهِيْدٌ نام سے نوازتے ہوئے فرمایا ہے:

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؎۲

اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک اَلْكَرِيْمُ بھی ہے۔ اس کا معنی بہت بھلائی والا ہے ——— بعض نے کہا کہ احسان فرمانے والا ——— بعض کہتے ہیں کہ معاف فرمانے والا ——— بعض اس کا معنی بلند بتاتے ہیں۔ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَكْرَمُ بھی مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی اللہ تعالیٰ نے كَرِيْمٌ بتایا ہے۔

إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ؎۳ بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اس سے رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ گرامی مراد ہے ——— بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے حضرت جبریل علیہ السّلام مراد ہیں۔ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے اَنَا اَكْرَمُ وَلَدِ اٰدَمَ۔ مَیں حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد میں سب سے اکرم یعنی بزرگ ہوں۔ پس یہ معنی بھی رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حق میں صحیح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ سے عَظِيْمٌ بھی ہے۔ اس کا معنی ہے ایسی اُونچی شان والا

؎۱ پارہ ۲۲، سُورۂ الاحزاب، آیت ۴۵ ؎۲ پارہ ۲، سُورہ البقرہ، آیت ۱۴۳

؎۳ پارہ ۳۰، سُورہ التکویر، آیت ۱۹

کہ ہر ایک اس سے کم ہو ـــــ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ ؎۱ اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے

توریت مقدس کے سفرِ اوّل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ عنقریب ایک عظیم نبی عظیم امت لئے مبعوث ہوگا۔ پس وہ عظیم ہے اور اس کا خلق عظیم ہوگا۔

اللہ جل مجدہٗ کا ایک نام اَلْجَبَّارُ ہے۔ اس کا مطلب ہے اصلاح فرمانے والا ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب قہر فرمانے والا ہے ـــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے بلند و بالا شان والا ـــــ متکبّر بھی اس کا معنی بتایا گیا ہے ـــــ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس اسمِ گرامی سے موسوم فرمایا گیا ہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب میں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اَلْجَبَّارُ کے نام سے موسوم کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ؛ ـــــ اے جبّار! اپنی تلوار سنبھال لئے کیونکہ مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کا تعلق آپ کی ہیبت کے ساتھ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اس معنی کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ آپ ہدایت اور تعلیم کے ذریعے امت کی اصلاح فرماتے ہیں اور قہر کے ساتھ دشمنوں کی یا نوعِ بشر پر اپنی رفیع الشان قدر و منزلت اور عظیم منصب کے لحاظ سے جبّار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آپ کے ایسے جبّار ہونے کی نفی فرمائی ہے جس سے تکبّر کی بُو آتی ہو۔ اور بتایا ہے کہ یہ اُن کی شان کے لائق ہی نہیں ہے چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۝ ؎۲ اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

اسماء الٰہیہ سے ایک نام اَلْخَبِیْرُ بھی ہے اور اس کا معنی ہے عالم کی ہر شے کی کنہ و حقیقت کو جاننے والا ـــــ ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب خبر دینے والا ہے جیسا کہ اللہ

؎۱ پارہ ۲۹، سورہ القلم، آیت ۴ ؎۲ پارہ ۲۶، سورہ قٓ، آیت ۴۸

تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ فَاسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا [۱] وہ بڑی مہر والا ہے تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پُوچھ۔

قاضی بکر بن العلاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن کو سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا دوسرے ہیں اور مسئول رحمٰن سے سوال کیا جائے وہ یہاں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جنہیں خبیر قرار دیا گیا ہے ان کے سوا دوسرے حضرات کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی یہاں سائل ہیں اور مسئول اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے

فَالنَّبِیُّ خَبِیۡرٌ بِالۡوَجۡهَیۡنِ الۡمَذۡکُوۡرَیۡنِ قِیۡلَ لِاَنَّهٗ عَالِمٌ عَلٰی غَایَةٍ مِّنَ الۡعِلۡمِ بِمَا اَعۡلَمَهُ اللّٰهُ مِنۡ مَکۡنُوۡنِ عِلۡمِهٖ وَعَظِیۡمِ مَعۡرِفَتِهٖ مُخۡبِرٌ لِاُمَّتِهٖ بِمَا اَذِنَ لَهٗ فِیۡ اَعۡلَامِهِمۡ بِهٖ۔ (الشفاء ص ۱۹۹)

پس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مذکورہ دونوں وجہ سے خبیر قرار پاتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ آپ عالِم ہیں کیونکہ آپ علم کی اس اِنتہا کو پہنچے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ علوم اور عظیم معرفت سے بھی آپ کو مطلع فرما دیا اور جن علوم کے اظہار کی اجازت ملی اُس کی آپ نے اُمت کو خبر دی۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ایک اسم اَلۡفَتَّاحُ بھی ہے۔ اس کا معنیٰ ہے اپنے بندوں کے درمیان حاکم ——— یا اس کا مطلب ہے اپنے بندوں کے متعلق امور یعنی رزق، رحمت وغیرہ دروازے کھولنے والا ——— یا بندوں کے دلوں اور آنکھوں کو معرفتِ حق کے لئے کھولنے والا ——— یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اَلنَّاصِرُ کے معنیٰ میں ہو جیسا کہ اللہ جلّ مجدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے:

---

[۱] پارہ ۱۹، سورہ الفرقان، آیت ۵۹۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۔ ۵ [1]

اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پہ آچکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنْ تَسْتَنْصِرُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ النَّصْرُ یعنی اگر تم مدد چاہتے ہو تو تمہارے پاس مدد آگئی اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے فتح و نصرت کی ابتداء کرنے والا۔ —— اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم[2] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اَلْفَاتِح کے نام سے موسوم فرمایا ہے جیسا کہ معراج شریف کی طویل حدیث میں ہے جو ربیع بن انس عن ابی العالیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کے ذریعے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اے محبوب! جَعَلْتُكَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا (ہم نے تمہیں فاتح اور خاتم بنایا ہے۔ اور اسی حدیث میں سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ آپ نے اپنے منصبِ عالی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا:

وَرَفَعَ لِیْ ذِكْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا فَیَكُوْنُ الْفَاتِحُ هُنَا بِمَعْنَى الْحَاكِمِ اَوِ الْفَاتِحِ لِاَبْوَابِ الرَّحْمَةِ عَلٰى اُمَّتِهٖ وَالْفَاتِحُ لِبَصَائِرِهِمْ بِمَعْرِفَةِ الْحَقِّ وَالْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ اَوِ النَّاصِرِ لِلْحَقِّ اَوِ الْمُبْتَدِیْ بِهِدَایَةِ الْاُمَّةِ اَوِ الْمُبْتَدَاءِ الْمُقَدَّمِ فِی الْاَنْبِیَاءِ وَالْخَاتِمِ لَهُمْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِیَاءِ فِی الْخَلْقِ

اور میرے لئے میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے فاتح و خاتم بنایا۔ پس فاتح یہاں حاکم کے معنی میں ہے یا امت کے لئے رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا اور ان کی آنکھوں کو حق کی معرفت اور ایمان باللہ کے لئے کھولنے والا یا حق کی مدد کرنے والا یا امت کی ہدایت کے لئے ابتداء فرمانے والا۔ یا انبیائے سلف کی ابتداء اور ان کے سلسلے کو ختم کرنے والے جیسا کہ فخرِ دو عالم[2] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا ہے

وَآخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ۔ (ص ۲۰۰) — ہے کہ میں پیدائش کے لحاظ سے سارے انبیاؑ سے پہلا ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے حدیثِ پاک میں اَلشَّکُوْرُ بھی آیا ہے۔ اِس کا معنی ہے، تھوڑے عمل کا بھی ثوابِ مرحمت فرمانے والا ——— ایک قول یہ ہے کہ اِس کا مطلب اپنے طاعت گزار بندوں کی تعریف کرنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ؀۱ — بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی اپنی تعریف اس نام کے ذریعے فرمائی ہے:

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں) یعنی کیا میں اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا، اس کی قدر جاننے والا اور زیادہ نعمت کے لئے کوشش کرنے والا نہ بنوں چنانچہ اس بارے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی تو ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ — اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔ ؀۲

اللہ تعالیٰ کے اسمائے طیبہ سے اَلْعَلِيْمُ۔ اَلْعَلَّامُ۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ بھی ہیں اور اپنے نبی، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعریف بھی اس کے ساتھ فرمائی ہے اور زیورِ علم سے آراستہ کر کے اپنے نبی کو خصوصیت بخشی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ؀۳ — اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

؀۱ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳ ؀۲ پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم، آیت ۷

؀۳ پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۱۳

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؁ [1]

جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

اللہ جل شانہٗ کے اسماء سے الْاَوَّلُ اور الْاٰخِرُ بھی ہیں۔ ان کا معنی یہ ہے کہ وہ اشیاء کے وجود سے پہلے بھی موجود تھا اور اُن کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا حقیقت اس معاملے میں یہ ہے کہ نہ اس کی ابتداء ہے۔ اور اس کی انتہا ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ہیں جیسا کہ) آپ نے فرمایا ہے کُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِيَاءِ فِى الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِى الْبَعْثِ یعنی میں پیدائش میں تمام انبیاء سے پہلے ہوں اور بلحاظ بعثت سب سے آخری ہوں، یہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ [2]

اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔

اِس میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے مقدم رکھا ہے اور اسی معنی کی جانب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی سنہ ۲۳ھ / سنہ ۶۴۴ء) نے اشارہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمان رسالت ہے، نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ (ہم ہی سب سے آخری اور سب سے سبقت لے جانے والے ہیں) ——— نیز یہ بھی آپ نے فرمایا ہے اَنَا

---

[1] پارہ ۲، سورۂ البقرہ، آیت ۱۵۱ [2] پارہ ۲۱، سورۂ الاحزاب، آیت ۷

أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْأَرضُ عَنْهُ (میں سب سے پہلا ہوں جس کے لیے زمین شق ہوگی) ــــــ وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ (جنت میں داخل ہونے والوں میں سب سے پہلا میں ہوں) ــــــ وَأَوَّلُ شَافِعٍ (سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں) ــــــ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ (اور جن کی شفاعت بارگاہِ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل کرے گی ان میں سب سے پہلا میں ہوں) ــــــ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہی خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم)

اسمائے الٰہیہ سے اَلْقَوِیُّ اور ذُوْالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ بھی ہیں اور ان کا معنی قدرت رکھنے والا ہے ــــــ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بھی اللہ تعالیٰ نے اس کیساتھ توصیف فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

ذِی قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ [1] — جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں ــــــ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السّلام ہیں۔ ــــــ اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلصَّادِقُ بھی ہے۔ ماثور و مشہور حدیث میں آیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم صادق مصدوق کے نام سے موسوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء طیبہ سے اَلْوَلِیُّ اور اَلْمَوْلٰی ہیں اور ان دونوں کا معنی مددگار ہے ــــــ اس اسم مقدس کی خلعت اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مرحمت فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ۔ [2] — تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول۔

---

[1] پارہ ٣٠، سورۃ التکویر، آیت ٢٠ [2] پارہ ٦، سورۃ المائدہ، آیت ٥٥

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: اَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤمِنٍ (میں ہر ایمان والے کا مددگار ہوں) ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب، پناہِ بیکساں، شفیعِ عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ ؎۱ یہ نبی مسلمانوں کا اُن کی جان سے زیادہ مالک ہے۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ (جس کا میں مددگار ہوں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بھی اس کے مددگار ہیں) ——— اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مقدسہ سے اَلْعَفُوُّ بھی ہے۔ اس کا معنی ہے درگزر کرنے والا ——— اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم اور توریت میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں درگزر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ ؎۲ اے محبوب! معاف کرنا اختیار کرو۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

فَاعْفُ عَنْہُمْ وَاصْفَحْ ؎۳ تو اُنہیں معاف کرو اور ان سے درگزر کرو۔

ارشادِ باری تعالیٰ: خُذِ الْعَفْوَ کا مطلب آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کو بھی معاف کر دو ——— مشہور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ توریت اور انجیل کے اندر سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے کہ وہ نہ تو بدخلق ہیں اور نہ سخت دل، بلکہ وہ معاف کرنے اور درگزر فرماتے ہیں۔

؎۱ پارہ ۲۱، سورہ الاحزاب، آیت ۶ ؎۲ پارہ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۹۹

؎۳ پارہ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۱۳

اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ مبارک اَلْھَادِیْ ہے۔ اس کا معنی توفیق ہے جس کو وہ اپنے بندوں میں سے دینا چاہے اور اس کے معنی دلالت اور بلانے کے بھی ہیں جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:۔

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ؕ [1]	اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ [2]	اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس ہدایت کی اصل میل سے ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ تقدیم اس کی اصل ہے۔ ــــــ اور طٰہٰ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یَاطَاھِرُ یَاھَادِیُ ہے یعنی یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ [3]	بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

اور اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ [4]	اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے۔

پس پہلے معنیٰ (یعنی اپنی توفیق سے ہدایت دینا) یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ اسی معنی کا کے لحاظ سے تو اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

---

[1] پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۲۵ [2] پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۲۵

[3] پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۵۲ [4] پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۶

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ	بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ	سے چاہو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ
یَّشَآءُ۔ ؎۱	ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔

اور ھَادِیْ کو دلالت کے معنی میں لیں تو خدا کے سوا دوسروں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے ——— اللہ تعالیٰ کے اسمارِ حسنیٰ سے اَلْمُؤْمِنُ اور اَلْمُهَیْمِنُ بھی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں مومن کا معنی یہ ہے کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کا پورا کرنے والا ——— اپنی حق بات کو سچی کر دکھانے والا ——— اپنے مسلمان بندوں اور رسولوں کو سچے کر دکھانے والا ——— ایک قول یہ ہے کہ اپنی ذات میں تنہا و یکتا ——— بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اپنے بندوں کو دنیا میں ظلم سے امن دینے والا اور آخرت میں اپنے عذاب سے مامون رکھنے والا۔

اَلْمُهَیْمِنُ کا معنی امین بھی بتایا گیا ہے گویا یہ اُسی سے تصغیر کا صیغہ ہے کہ تبدیلی کے وقت ہمزہ ھا سے بدل گیا ہے ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ دُعا میں جو اٰمِیْن کہتے ہیں یہ بھی اسماءِ الٰہیہ سے ایک اسم ہے اور اس کا معنی بھی وہی ہے جو مُؤْمِن کا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلْمُهَیْمِنُ کا مطلب اَلشَّاهِدُ اور اَلْحَافِظُ ہے ؎۱ ——— نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اَمِیْنُ، مُؤْمِنُ، مُهَیْمِنُ ہیں۔ چنانچہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ؎۲	وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے، امانتدار ہے

اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اعلانِ نبوت سے پہلے امین کے لقب سے مشہور ومعروف اور اس کے بعد بھی ——— حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ/ ۶۵۲ء)

؎۱ پارہ ۲۰، سورۂ القصص، آیت ۵۶ ؎۲ پارہ ۳۰، سورۂ التکویر، آیت ۲۱

نے اپنے ایک شعر میں آپ کو مُهَيْمِنُ کہا ہے۔ ان کا وہ شعر یہ ہے:

ثُمَّ احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ
خِنْدِفَ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

کہا گیا ہے کہ یہاں بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ سے يَآ اَيُّهَا الْمُهَيْمِنُ مراد ہے ـــــ قیتبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء) کو ارشاد باری تعالیٰ: يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ میں مومنین کی تصدیق کرنا مراد ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں۔ پس یہ بھی مومن کے معنی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء طیبہ سے اَلْقُدُّوْسُ بھی ہے اس کا معنی ہے نقائص سے منزہ اور حدوث و فنا کی علامات سے پاک ـــــ بیت المقدس کا یہ نام اسی لئے ہے کہ آدمی اس میں گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ وادی المقدس اور روح القدس نام بھی اُسی (ذات سبوح و قدوس) سے نسبت رکھنے کے باعث ہیں اور گزشتہ انبیائے کرام کی کتابوں میں فرمایا گیا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام اَلْمُقَدِّسُ بھی ہوگا یعنی گناہوں سے پاک کر دینے والا۔ جیسا کہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ	تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ [1]	تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

یا وہ ہستی جس کے ذریعے آدمی گناہوں سے پاک ہو جائے اور جس کا اتباع کرنے کے باعث گناہوں سے بچا رہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

---

[1] پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؁ ۱

اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے۔

اور اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ؁ ۲

انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس (اَلْمُقَدِّسُ) کا معنی یہ ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ سے پاک و منزہ ——— اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے ایک نام اَلْعَزِیْزُ ہے۔ اس کا معنی ہے ——— غالب ——— یا جس کا کوئی ثانی نہ ہو ——— یا دوسروں کو عزت دینے والا چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ ؁ ۳

اور عزت تو اللہ و رسول کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف، بشارت و نذارت (بشارت دینے اور ڈر سنانے) سے بھی فرمائی ہے چنانچہ خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ؁ ۴

ان کا رب انہیں خوشخبری سناتا ہے اپنی رحمت اور رضا اپنی کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے (حضرت زکریا علیہ السلام) کو بشارت دیتے ہوئے) یہ بھی فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ؁ ۵

بیشک اللہ تجھے مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کریگا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے

---

۱ پارہ ۱، سورہ البقرہ، آیت ۱۲۹ ۲ پارہ ۳، سورہ البقرہ، آیت ۲۵۷

۳ پارہ ۲۸، سورہ المنافقون، آیت ۸ ۴ پارہ ۱۰، سورہ التوبہ، آیت ۲۱،

۵ پارہ ۳، سورہ آلِ عمران، آیت ۳۹

اور اللہ تعالیٰ نے سردرِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نام بھی مبشّر، نذیر اور بشیر رکھا ہے کیونکہ آپ فرماں برداروں کو بشارت دیتے اور نافرمانوں کو ڈر سناتے ہیں ——— بعض مفسّرین نے اسماء الطیبہ میں طٰہٰ اور یٰسٓ کو بھی شمار کیا ہے جبکہ کئی ہی مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ دونوں فخرِ دوعالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اسماءِ طیبہ بھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی شرافت اور بزرگی سے نوازا ہے۔



فصل - ۱۵

ایک ایمان افروز بحث

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ توفیقِ الٰہی سے فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض اسماءِ حسنیٰ کی خلعت سے سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نوازا ہے اس کے بارے میں ایک نکتہ بیان کیا جاتا ہے جس کے بعد قسمِ اوّل کے اس باب کو ختم کر دیا جائیگا۔ اُس نکتے سے ہر کم عقل اور کج فہم کا شبہ دُور ہو جائے گا جو گذشتہ فصل کی ایک حدیث سے اس کے دِل میں پیدا ہو گیا ہو گا۔ یہ نکتہ شکوک و شبہات کی دشوار گذار گھاٹیوں سے نکال کر حقیقت کو جھوٹ کی ملاوٹ سے پاک صاف کر دیگا۔

جاننا چاہیے کہ اللہ جلّ مجدہٗ کو اپنی عظمت، کبریائی، بادشاہی، اسمارِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ میں مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے اور نہ مخلوق کا کوئی فرد اس کے مشابہ ہو سکتا ہے۔

جن الفاظ کا اطلاق شریعتِ مطہرہ میں خالق اور مخلوق دونوں پر ہُوا ہے۔ حقیقت میں مشابہت وہاں بھی مطلقاً نہیں ہے۔ کیونکہ ذاتِ قدیم کی صفات اور مخلوق کی صفات بالکل مختلف ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق کی ذات میں کوئی مماثلت یا مشابہت نہیں اسی طرح اللہ ربّ العزت کی صفات اور مخلوق کی صفات میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی صفات کو عرض و غرض سے جدائی نہیں جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے پاک اور منزّہ ہے کیونکہ علاوہ

... بریں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات اس کی ذات سے جُدا نہیں اور نہ جدا ہو سکتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ ۔ لہ اس جیسا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان عارفوں اور علمائے محققین کو شاداں و فرحاں رکھے جنہوں نے فرمایا ہے کہ توحید سے مراد ایک ایسی ذات کا اثبات ہے جو کسی بھی ذات کے مشابہ نہ ہو اور نہ کبھی اپنی صفاتِ عالیہ سے معطّل ہو ——— امام واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے جو ہمارا مقصود ہے۔

لَیْسَ کَذَاتِہٖ ذَاتٌ وَلَا کَاِسْمِہٖ اِسْمٌ وَلَا کَفِعْلِہٖ فِعْلٌ وَلَا کَصِفَتِہٖ صِفَتٌ اِلَّا مِنْ جِہَۃِ مُوَافِقَۃِ اللَّفْظِ اللَّفْظَ وَجَلَّتِ الذَّاتُ الْقَدِیْمَۃُ اَنْ تَکُوْنَ لَھَا صِفَۃٌ حَدِیْثَۃٌ کَمَا اسْتَحَالَ اَنْ تَکُوْنَ لِلذَّاتِ الْمُحْدَثَۃِ صِفَۃٌ قَدِیْمَۃٌ وَھٰذَا کُلُّہٗ مَذْھَبُ اَھْلِ الْحَقِّ وَالسُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔

ص - ۲۰۵

نہ کوئی ذات اس کی ذات کی طرح ہے، نہ کوئی اِسم اس کے اِسم جیسا ہے۔ نہ کوئی فعل اس کے فعل کی طرح ہے۔ اس کی صفت جیسی کسی کی صفت نہیں ماسوائے ایک لفظ کیساتھ دوسرے لفظ کی موافقت ہونے کے اور وہ قدیم ذات اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو جس طرح کے حادث ذات میں قدیم صفت کا پایا جانا محال ہے۔ یہ جو کچھ بیان ہوا یہ سارے کا سارا اہلِ حق کا مذہب ہے جو اہلِ سنت وجماعت (کہلاتے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔

لہ پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۱

لے تحریکِ وہابیت اصل میں مقامِ مصطفےٰ کے خلاف ایک زبردست سازش اور انبیائے کرام و اولیائے عظام کی عظمت کو مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے مٹانے کی ابلیسی شرارت ہے جس کا مقصد دین کے نام پر لوگوں کو

ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس (مذکورہ) قول کی تفسیر کی ہے تاکہ یہ بیان مزید واضح ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکایت توحید کے جمیع مسائل پر مشتمل ہے کیونکہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ) بے دین بنانا ہے۔ وہابی حضرات حفاظتِ توحید کی آڑ میں انبیائے کرام و اولیائے عظام کے علوم و اختیارات وغیرہ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور بے خبر لوگوں کو دھوکا دینے کی خاطر خدا کی صفات سے لفظی مناسبت دکھا کر شرک و کفر کی توپیں داغنے لگتے ہیں اور قدیم و حادث یا ذاتی و عطائی وغیرہ جتنے واضح فرق ہیں انہیں قطعاً نظر انداز کر جاتے ہیں۔ کتنے ہی بھولے بھالے مسلمان ان کی اس فنکاری کو سمجھ نہیں پاتے اور اس شرارت کا شکار ہو کر پیش خولش شرک و کفر سے بچ کر توحید کے پجاری بن بیٹھتے ہیں مجدد مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہابیت کے علمبرداروں اور مبلغوں کو اپنی متعدد تصانیف میں یہ تفرقے دکھا کر سمجھایا اور ان پر حجت تمام فرمائی ہے۔ چند عبارتیں ملاحظہ ہوں:

۱- انبیاء علیہم السلام کی نسبت لفظِ علیم وارد اور یہ حقیقت عطائیہ ہے یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقتہً متصف بعلم ہیں اور مولیٰ عزّوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم بتایا۔ یہ حقیقتِ ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ استعانت و امداد و علم غیب و تصرفات و ندا و سماع و فریاد وغیرہ اسی فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ (الامن والعلیٰ، مطبوعہ۔ حبیب پبلشرز لاہور، ص ۵۵)

۲- صفتِ الٰہی بعطائے الٰہی نہیں تو جو بعطائے الٰہی ہے صفتِ الٰہی نہیں، تو اس کا اثبات اصلاً کسی صفتِ الٰہی کا اثبات بھی نہ ہوا۔ نہ کہ خاص صفت ملزومہ الوہیت کا کہ شرک ثابت ہو بلکہ یہ تو بالبداہت صفت ملزومہ عبدیت ہوئی کہ بعطائے غیر کسی صفت کا حصول تو بندہ ہی کے لئے معقول، تو اس کا اثبات صراحۃً عبدیت کا اثبات ہوا، نہ کہ معاذ اللہ الوہیت کا۔ ایک یہی حرف تمام شرکیات وہابیہ کو کیفرِ حیثانی کے لئے بس ہے۔ (الامن والعلیٰ۔ ص ۶۲)

۳- قرآنِ عظیم خود ہی فرماتا ہے کہ یہ صفت اللہ عزّوجل کے لئے ایسی خاص ہے کہ کافر مشرک تک اس کا

وَكَيْفَ تُشْبِهُ ذَاتُهُ ذَاتَ الْمُحْدَثَاتِ وَهِيَ بِوُجُوْدِهَا مُسْتَغْنِيَةٌ وَكَيْفَ يُشْبِهُ فِعْلُهُ فِعْلَ الْخَلْقِ وَهُوَ لِغَيْرِ جَلْبِ اُنْسٍ اَوْ دَفْعِ نَقْصٍ حَصَلَ وَلَا بِخَوَاطِرَ اَوْ اَغْرَاضٍ وُجِدَ وَلَا بِمُبَاشَرَةٍ وَمُعَالَجَةٍ ظَهَرَ وَفِعْلُ الْخَلْقِ لَا يَخْرُجُ مِنْ هٰذِهِ الْوُجُوْهِ۔ (ص ۲۰۵)

اللہ تعالیٰ کی ذات بھلا مخلوق کی ذات کے مشابہ کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے وجود میں مستغنی ہے اور اس کا فعل مخلوق کے فعل جیسا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ (خدا کا فعل) اُنس حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کے بغیر ہے۔ نہ وہاں اندیشہ، غرض یا کوشش ہے اور نہ اس کے فعل میں مباشرت یا معالجہ ہے جبکہ مخلوق کا فعل ان وجوہات سے خالی نہیں ہوتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ) اختصاص جانتے ہیں۔ ان سے بھی پوچھو کہ کام کی تدبیر کرنے والا کون ہے تو اللہ ہی کو بتائیں گے، دوسرے کا نام نہ لیں گے اور خود ہی اس صفت کو اپنے مقبول بندوں کے لئے ثابت فرماتا ہے کہ قسم اُن محبوبانِ خدا کی جو عالم میں تدبیر و تصرف کرتے ہیں۔ ایمان سے کہنا وہابیت کے دھرم پر قرآنِ عظیم شرک سے کیونکر بچا۔ اے ناپاک طائفہ کے سنگت والو! جب تک ذاتی و عطائی کے فرق پہ ایمان نہ لاؤ گے کبھی قرآن و حدیث کے قہروں سے پناہ نہ پاؤ گے اور اس پہ ایمان لاتے ہی یہ تمہاری شرکیات کے راگ متعلقہ تدبیر و تصرف و استعانت و دافع البلاء و حاجت روا و مشکل کشا و علمِ غیب و ندا وغیرہا سب کافور ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے مبارک منصور بندے آنکھوں دیکھے منظور نظر آئیں گے۔ (الامن والعلیٰ ص ۸۶-۸۷)

۴۔ ان امور بلکہ ہر کمال بلکہ وجود و ہستی کی خاص بجنابِ احدیت عزوجل ہے۔ استعانت حقیقیہ یہ کہ اُسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے اس معنی کا غیرِ خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے بلکہ واسطہ وصولِ فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق

ہمارے مشائخ عظام سے ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے وہم و گمان میں آتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ہے۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں حکم فرمایا۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ بایں معنی استعانت بالغیر ہرگز اس حصر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے منافی نہیں جس طرح وجودِ حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کئے موجود ہونا خاص بجنابِ الٰہی تعالیٰ و تقدس ہے پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک نہ ہوگا جب تک وہی وجودِ حقیقی نہ مراد لے۔ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَۃٌ پہلا عقیدہ اہلِ اسلام کا ہے۔ یونہی علمِ حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو اور تعلیمِ حقیقی کہ بذاتِ خود بے حاجت بدیگرے القائے علم کرے۔ اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں۔ پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآنِ عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے اور حضورِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ یہ نبی انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا کرتا ہے۔ یہی حال استعانت و فریاد رسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا، در معنی وسیلہ و توسل و توسط غیر کے لئے ثابت اور قطعاً روا، بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لئے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل وسیلہ و توسل و توسط بننے سے پاک ہے اس سے اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں وسیلہ بنیگا۔"

(برکات امداد، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی، ص ۴، ۵)

۵۔ مخالفین کو تو محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرہ کر دیا ہے۔ انہیں حق نہیں سوجھتا۔ مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ دشواری نہیں۔ علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی۔ یونہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی۔ ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔ تو آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کیلئے اثبات علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعاً یہی قسمیں مراد ہیں فقہا کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر بنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ دوسرے کے لئے ثابت کی اب یہ

ہے اور عقل کے ذریعے جو کچھ تمہیں ادراک ہوتا ہے وہ بھی تمہاری ہی طرح حادث ہے ——

امام ابوالمعالی جوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرنے پہ ہی مطمئن ہو کر بیٹھ جائے وہ مشبّہ ہے اور جو خدا کے سوا دوسروں کی نفی کرنے سے مطمئن ہو جائے وہ معطّل ہے اور جو اس کے وجود کا اقرار کرنے کے بعد اس کی حقیقت کے ادراک سے اظہارِ عجز کرے وہ موحّد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ / سنہ) نے کیا خوب فرمایا ہے کہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ تو اللہ کے متعلق یہ یقین کرے کہ اشیاء پہ اس کی قدرت بغیر چارہ جوئی اور اسباب کے ہے۔ اس کا صُنع مزاج کے دخل اور علّت سے خالی ہے۔ ہر چیز اس کی صُنع ہے اور وہ صُنع کے لئے کسی علّت کا محتاج نہیں ہے جو چیز تیرے وہم و گمان میں سما سکے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اس سے ورا اور بلند و بالا ہے —— یہ کلام نہایت عجیب، بہت نفیس اور انتہائی محققانہ ہے۔ اس کا آخری حصّہ اِس ارشادِ الٰہی کی تفسیر ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ [1] اس جیسا کوئی نہیں۔

دوسرے حصّے میں اس ارشادِ خداوندی کی تفسیر بیان کی ہے۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔ [2] اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے

---

[1] پارہ ۲۵، سورۂ الشورٰی، آیت ۱۱ [2] پارہ ۱۷، سورۂ الانبیاء، آیت ۲۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ) دیکھ لیجئے کہ خدا کے لئے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ حاش للہ علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہونا درکنار خدا کے لئے محال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اُسے علم حاصل ہو۔ پھر خدا کے لئے علم بہ حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ حاشا للہ علم محیط خدا کے لئے محال قطعی ہے جس میں بعض معلومات مجہول رہیں۔ تو علم عطائی غیر محیط حقیقی غیر خدا کے لئے ثابت کرنا خدا کی صفتِ خاصہ ثابت کرنا کیونکر ہوا۔ (خالص الاعتقاد، مطبوعہ لاہور، ص ۳۰، ۳۱)

اور تیسرا حصہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ فَيَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ [1]

جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں، ہو جا، وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توحید اور تقدیس و تنزیہ کے عقیدے پر ثابت قدم رکھے اور تشبیہ و تعطیل سے بچائے جو ضلالت و گمراہی کے راستے ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وبارک وسلم)

---

[1] پارہ ۱۴، سورۂ النحل، آیت ۴۰

بابِ چہارم

اس باب میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اُن معجزات کا بیان ہوگا جو آپ کے دستِ اقدس پر ظاہر ہوئے اور اُن خصائص کبریٰ و علاماتِ عظمیٰ کو بیان کیا جائے گا جن کے ساتھ اللہ جلّ مجدہٗ نے آپ کو مخصوص کر کے مشرف فرمایا ہے:

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قاری کو یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ ہم نے یہ کتاب اس شخص کے لئے جمع نہیں کی جو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوت کا منکر ہے یا آپ کے معجزات پر نکتہ چینی کرتا ہو۔ لہٰذا ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اِن پیش کردہ معجزات) پر دلائل قائم کر کے منکرین کے اعتراضات اٹھانے کی کوشش کریں اسی طرح معجزہ اور تحدی کے شروط بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں اور نہ ہمیں نسخِ شرائع کو باطل بتانے والے کے خیالِ فاسد کا مزاج پوچھنے کی ضرورت۔ یہ کتاب ہم نے صرف ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو جان و دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دین پر ہیں۔ آپ کی ملت زمرۂ اہلِ سنّت وجماعت ایسی ہیں، آپ کا اتّباع کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کا پوری طرح اعتراف کرتے ہیں (وہابیہ کی طرح نہیں کہ اِدھر اقرارِ نبوّت و رسالت سے پیوستہ اور اُدھر ہمہ وقت توہین و تنقیص پہ کمر بستہ) تاکہ اس کتاب کے ذریعے اُن حضرات کی محبت (کیونکہ حبِ نبی ہی تو سرمایۂ زندگی و جانِ ایمان ہے) میں اضافہ ہو۔ وافر توفیق نصیب ہو اور ایمان و اعمال میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگے۔

وَنِیَّتُنَا اَنْ نُثْبِتَ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ اُمَّھَاتِ مُعْجِزَاتِہٖ وَمَشَاھِیْرَ — اور ہماری نیت یہ ہے کہ اس باب میں آپ کے بڑے بڑے معجزے اور مشہور نشانیاں

اٰیَاتِہٖ لِنُدِلَّ عَلٰی عَظِیْمِ قَدْرِہٖ عِنْدَ رَبِّہٖ وَاَتَیْنَا مِنْهَا بِالْمُحَقَّقِ وَالصَّحِیْحِ الْاِسْنَادِ وَاَکْثَرُہٗ مِمَّا بَلَغَ الْقَطْعَ اَوْکَادَ وَاَضَفْنَا اِلَیْهَا بَعْضَ مَا وَقَعَ فِیْ مَشَاهِیْرِ کُتُبِ الْاَئِمَّۃِ۔

(ص۔ ۳۰۶)

بیان کریں تاکہ ہم دلائل کے ساتھ یہ دکھا سکیں کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی کس درجہ قدر و منزلت ہے اور ہم نے وہی چیزیں پیش کی ہیں جو تحقیق شدہ اور صحیح الاسناد ہیں۔ ان میں سے اکثر قطعی یا اس کے قریب ہیں نیز وہ بھی جو آئمہ کی مشہور تصانیف میں مذکور ہے۔

اور جب ایک منصف مزاج اُن اُمور میں تأمل کرے گا جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں یعنی آپ کے آثارِ جمیلہ، سیرت حمیدہ، علمی فوقیت، عقل کی نکتہ رسی، حلم، جملہ کمالات، جمیع خصائل، احوال کی گواہی اور گفتار کے صواب کو دیکھے گا تو اسے آپ کی نبوت کی صحت اور دعوت کی سچائی میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہیگا اور یہ بات کتنے ہی لوگوں کے اسلام و ایمان کا باعث بنیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام ترمذی اور ابن قانع وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم سے اُن کی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو میں بھی آپ کو دیکھنے کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جب میں نے جمال جہاں آرا کو دیکھا تو یقین ہو گیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا منہ نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی الشہید ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی رمثہ تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور میرا بھتیجا میرے ہمراہ تھا تاکہ اُسے بھی دکھاؤں جب میں دولتِ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مالا مال ہوا تو بے ساختہ زبان پہ یہی آیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں (سبحان اللہ) ——— امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت

کی ہے کہ جب ضماد وفد کے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

(ص۲۰۸،۲۰۷)

سب تعریفیں اللہ کے لئے. ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں جس کو وہ گمراہ رکھے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بےشک محمد اسکے بندے اور رسول ہیں۔

یہ سن کر ضماد کہنے لگے کہ آپ اِن کلمات کو بار بار دُہراتے رہیں کیونکہ یہ تو دِل کی گہرائیوں میں سما جاتے ہیں اور عرض گزار ہوئے کہ اپنا دستِ مبارک آگے بڑھائیے کہ میں بیعت کروں (یعنی آپ کے ہاتھوں بک جاؤں)۔

جامع بن شداد نے کہا ہے کہ ہم میں طارق نامی ایک شخص تھا اس نے بتایا ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا (آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور) فرمایا، کیا تمہارے پاس بیچنے والی کوئی چیز ہے؟ ہم نے جواب دیا: ہاں یہ اونٹ بیچنا ہے۔ دریافت کیا کہ کیا قیمت مانگتے ہو۔ ہم نے جواب دیا کہ اتنے وسق کھجوریں۔ آپ نے اونٹ لیا اور لے کر مدینہ منورہ کی جانب چلے گئے۔ (آپ کے جانے کے بعد ہم آپس میں کہنے لگے کہ) ہم نے ایسے آدمی کے ہاتھوں اونٹ بیچ دیا جس سے ہم متعارف ہی نہیں ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ایک عورت ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھی وہ ہودج سے بولی کہ تمہارے اونٹ کی قیمت دلانے کی ضمانت میں دیتی ہوں۔ میں نے اُس اونٹ خریدنے والے کا جمالِ جہاں آرا دیکھا ہے اس کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا ہے وہ تمہارے ساتھ دغا نہیں کرے گا۔ اگلے روز علی الصبح

ایک شخص کھجوریں لے کر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ کھجوریں کھا کر دیکھنا اور جتنا تمہارا حق ہے وہ تول لو۔ پس ہم نے کھجوریں تول لیں۔

عمان کے بادشاہ جلندی کے متعلق خبر ہے کہ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسے اسلام کی دعوت دے رہے ہیں تو اس نے کہا کہ خدا کی قسم، مجھے اِس اُمّی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (کی صداقت) پر اِس بات نے دلالت (رہبری) کی کہ جب وہ کسی بھلائی کا حکم دیتے ہیں تو سب سے پہلے خود اس کام کو کرتے ہیں اور جب کسی چیز سے روکتے ہیں تو سب سے پہلے آپ ترک فرماتے ہیں۔ جب غالب ہوتے ہیں تو اتراتے نہیں اور مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں۔ ایفائے عہد کرتے اور وعدہ نبھاتے ہیں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں۔

نفطویہ نے آیہ کریمہ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ کے تحت فرمایا ہے کہ یہ ایک مثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جمالِ مصطفےٰ خود آپ کے برحق نبی ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ قرآن کریم بھی نہ بتائے۔ اسی لئے ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

لَوْ لَمْ تَکُنْ فِیْہِ اٰیَاتٌ مُّبَیِّنَۃٌ
لَکَانَ مَنْظَرُہٗ یُنَبِّیْکَ بِالْخَبَرِ

اب وقت آپہنچا ہے کہ ہم فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، وحی اور رسالت کا ذکر کریں اور اس کے بعد معجزۂ قرآن کی بات کریں اور اس کے دلائل و براہین کی۔

فصل - ا

اقسامِ وحی - نبوت اور رسالت

جاننا چاہیے کہ اللہ جل شانہٗ اس بات پر قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی قدرت، اپنے اسماء، اپنی صفات اور تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا علم بغیر کسی واسطے کے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دے جیسا کہ بعض انبیائے کرام کے بارے میں سنت اللہ مذکور ہے اسی لئے بعض مفسرین نے آیۂ کریمہ، وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہ سب باتیں انبیائے کرام تک کسی واسطے کے ساتھ پہنچائی جائیں جو اللہ کا کلام ان تک پہنچا دے اور یہ واسطہ خواہ غیر بشر سے جیسے ملائکہ حضرات انبیائے کرام کے ساتھ یا خود اُن کی جنس سے ہو جیسے انبیائے کرام اپنی امتوں کے ساتھ اور عقلی لحاظ سے بھی اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

جب یہ امر جائز ٹھہرا اور محال نہیں ہے تو انبیائے کرام وہ معجزے لے کر آئے جو اُن کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ پس ان تمام امور کی تصدیق واجب ٹھہری جو انبیائے کرام لے کر آئے کیونکہ معجزے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تحدی کے ساتھ اس ارشادِ باری تعالیٰ کے قائم مقام ہیں کہ میرے بندے نے سچ فرمایا ہے پس تم اِن کی اطاعت و اتباع کرو اور انبیائے کرام جو کچھ فرماتے ہیں معجزہ اس کے صدق کا گواہ ہے۔ اس سلسلے میں اتنی وضاحت ہی کافی ہے اور کلام کو طول دینا مقصد سے خارج ہے جو اس کا پورا علم حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ہمارے آئمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف دیکھے وہاں سیر حاصل کلام پائے گا۔

نبوت ، فَالنُّبُوَّةُ فِیْ لُغَةِ مَنْ هَمَزَ مَاْخُوْذَةٌ مِنَ النَّبَاِ وَهُوَ الْخَبَرُ وَقَدْ لَا يُهْمَزُ عَلٰى هٰذَا	لفظ نبوت کو جس نے ہمزہ کیساتھ پڑھا ہے تو یہ اَلنَّبَا سے ماخوذ ہے اور وہ خبر ہے اور اس تاویل پر آسانی کے لئے

التَّاوِيْلِ تَسْهِيْلاً وَالْمَعْنٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى غَيْبِهٖ وَاَعْلَمَهٗ اَنَّهٗ نَبِيُّهٗ فَيَكُوْنُ نَبِيٌّ مُنَبَّاءٌ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مَفْعُوْلٍ اَوْ يَكُوْنُ مُخْبِرًا عَمَّا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ وَمُنَبِّئًا بِمَا اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى فَاعِلٌ وَيَكُوْنُ عِنْدَ مَنْ لَمْ يَهْمِزْهُ مِنَ النُّبُوَّةِ وَهُوَ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْاَرْضِ مَعْنَاهُ اَنَّ لَهٗ رُتْبَةً شَرِيْفَةً وَمَكَانَةً نَبِيْهَةً عِنْدَ مَوْلَاهُ مُنِيْفَةً فَالْوَصْفَانِ فِىْ حَقِّهٖ مُؤْتَلِفَانِ۔

(ص۔ ۲۰۹-۲۱۰)

اِسے بغیر ہمزہ لکھتے ہیں اور اِس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے غیب پر مطلع فرمایا ہے اور اسے یہ بتایا ہے کہ وہ نبی ہے پس وہ خبر دیتا ہے اور خبر لیتا ہے۔ اس صورت میں فَعِیْل، مفعول کے معنی میں ہے یا وہ اس امر کی خبر دینے والا ہوتا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث فرمایا اور اس چیز کی اطلاع دیتا ہے جس پہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلع فرمایا فَعِیْل، فاعل کے معنی میں اور جس نے نبوت کو غیر مہموز پڑھا ہے اس کے نزدیک معنی زمین کی سطح مرتفع ہے یعنی نبی کا مرتبہ بہت عزیز مقام بلند اور اپنے مولیٰ کے نزدیک رفیع الشان ہے۔ پس نبی کے حق میں دونوں قسم کے اوصاف ضروری ہیں۔

رسالت: رسول کا معنی مرسل یعنی بھیجا ہوا ہے۔ یہ لغت میں فَعُوْل، کے وزن پہ آتا ہے اور مُفَعَّل، کے وزن پہ شاذو نادر ہی استعمال ہوتا ہے۔ رسالت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جن لوگوں کی طرف بھیجا ہے اُن تک اس کے احکام پہنچا دے۔ یہ تَتَابُع سے مشتق ہے جس کا مطلب پے در پے اور لگاتار ہے، اِسی لئے جَاءَ النَّاسُ اِرْسَالًا کا مطلب یہ نہیں لیتے کہ ایک دوسرے کا تابع ہوا بلکہ ایک کے بعد دوسرا آیا۔ لہٰذا رسول پہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ امت کو بار بار تبلیغ کرے اور امت کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا اِتّباع کرے۔

عُلمائے کرام کا اِس میں اِختلاف ہے کہ نبی اور رسول کا معنی ایک ہے یا مختلف

بعض حضرات کا قول ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہے۔ اُن کے نزدیک اِن کی اصل اَلنَّبَاءَ بمعنی خبر ہے۔ وہ بزرگ اس آیۂ کریمہ سے اِستدلال کرتے ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ - [۱]	اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے -

پس ارسال اس کے ساتھ ہی ثابت ہوگیا۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی ہوتا ہے —— دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ایک وجہ کے تحت یہ دونوں الگ الگ ہیں یعنی نفسِ نبوّت میں تو دونوں مشترک ہیں جبکہ منصبِ نبوّت،

هِيَ الْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغَيْبِ وَ الْاِعْلَامُ بِخَوَاصِ النُّبُوَّةِ اَوِ الرِّفْعَةِ لِمَعْرِفَةِ ذَالِكَ وَحَوْزِ دَرَجَاتِهَا۔	یہ غیب پر مطلع [۲] ہونے اور نبوّت کے خواص سے لوگوں کو خبردار کرنا ہے یا اس کی معرفت کے لیے رفعت اور اس کے درجات حاصل کرنے کا نام ہے

لیکن رسول کے فرائضِ رسالت کی زیادتی کے باعث جو لوگوں کو ڈرانے اور مطلع کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن دونوں (نبی و رسول) کے معنی میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے اگر نبی اور رسول ایک ہی چیز ہوتے تو بلیغ کلام میں ایک چیز کی تکرار مستحسن شمار نہیں کی جاتی پس اس خیال کو پیش کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے کہ نہیں بھیجا امت کی طرف کوئی رسول یا نبی ایسا جو کسی کی طرف ہم نے بھیجا نہ ہو۔

بعض علمائے کرام کی رائے ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لائے اور جو شریعت نہ لائے وہ نبی ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچانے اور

---

[۱] پارہ ۱۷، سورہ الحج، آیت ۵۲

[۲] نبوّت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے اور نبی اسی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ بعض علومِ غیبیہ پر

(بقیہ صفحہ آئندہ)

عذاب الٰہی سے ڈرانے کا کام کرے گا ـــــــ سب سے صحیح نظریہ، جس پہ امتِ محمدیہ کا جمِ غفیر ہے یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا اور سب سے پہلے رسول ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مطلع فرماتا ہے۔ نبی کی غیب دانی کا انکار اس کی نبوت کا انکار ہے۔ افسوس! وہابیت کی اندھیر گردی کے باعث کتنے ہی مسلمان کہلانے والے، علم وفضل کے تمام تر دعاوی کے باوجود حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعطائے الٰہی غیب جاننے کا انکار کرتے ہیں اور اپنے ساتھ بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی منکرینِ نبوت کے زمرے میں شامل کرتے رہتے ہیں۔ کاش! یہ کلمہ طیبہ کے حامی عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً کے مصداق بننے کی کوشش نہ کرتے۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے حضرات کو سمجھانے اور مسلمانوں کو ان کا شکار بننے سے بچانے کی خاطر اس عقیدے کی یوں مدلل وضاحت فرمائی ہے:

۱۔ بلاشبہ غیرِ خدا کے لئے ایک ذرے کا ذاتی علم نہیں۔ اس قدر خود ضروریاتِ دین سے ہے اور منکر کافر۔

۲۔ بلاشبہ غیر خدا کا علم معلوماتِ الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ مساوی درکنار تمام اولین و آخرین وانبیاء ومرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑ در کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو، کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الٰہیہ کہ غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش وفرش وشرق وغرب وجملہ کائنات از روزِ اول تا روزِ آخر کو محیط ہو جائیں، آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو حدیں ہیں، شرق وغرب دو حدیں ہیں، روزِ اول وروزِ آخر دو حدیں

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ / ۶۵۲ء) کی حدیث میں ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم و بیش) ہے اور ذکر فرمایا کہ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور ان میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں

علمائے محققین کے نزدیک نبوت و رسالت نہ نبی کے لئے ذاتی ہیں اور نہ ذاتی وصف۔ کرامیہ فرقے والوں نے اس سلسلے میں اختلاف کیا ہے جبکہ ان کے طول طویل بیانات سراسر ناقابلِ اعتماد ہیں۔

وحی۔ لفظ وحی کی اصل اِسْرَاعٌ ہے جس کا معنی ہے جلدی کرنا۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم نازل ہوتا تو آپ اس کو لینے میں جلدی فرماتے تھے۔ بایں وجہ اس کا نام وحی رکھا گیا اور الہامات کی کئی اقسام کو بھی وحی سے مشابہت رکھنے کے باعث وحی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور خط کو بھی کاتب کے ہاتھ کی تیزی کے باعث وحی کہا گیا ہے اور اسی سلسلے میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہیں اور جو کچھ دو حدیں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔ بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا۔ تو جملہ علومِ خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال ہے نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۲۔ یونہی اس پہ اجماع ہے کہ اللہ عزّوجل کے دیئے سے انبیائے کرام علیہم السلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے۔ یہ بھی ضروریاتِ دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴۔ اِس پہ بھی اجماع ہے کہ اس فضلِ جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء، تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزّوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا مگر وہابیہ کو محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کس دل سے گوارہ ہو (ص۔ ۳۵ خالص الاعتقاد)

سے اصحابِ طالوت، اصحابِ بدر اور مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل کے مکتوبات کی تعداد بھی تین سو تیرہ ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۔ [1] تو انہیں اشارے سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو۔

یعنی اشارہ سے ان سے یہ بات کہی ——— ان کا مطلب لکھنا بھی بتایا گیا ہے۔ ان حضرات کا یہ مقولہ ہے: الوحا الوحا یعنی جلدی کرو۔ جلدی کرو ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ وحی کی اصل سر و اخفاء ہے یعنی راز و نیاز۔ اسی لئے الہام کو بھی وحی کے نام سے موسوم کیا گیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ ۔ [2] بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى [3] اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا ———

یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈالی ——— اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا سے وہ بات مراد ہے جو بغیر واسطے کے اس کے دل میں ڈالی جائے۔

فصل - ۲

معجزہ کیا ہے؟

جاننا چاہیئے کہ جو کچھ انبیاءِ کرام لے کر آتے ہیں اسے ہم نے معجزے کا نام اس لئے دیا ہے کہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہوتی ہے کہ مخلوق کے تحت قدرت ہو لیکن پھر بھی وہ اس کام کے کرنے سے عاجز رہ جائیں۔ ان کو عاجز کر دینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے صدق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ یہود کا موت کی تمنا کرنے کی جانب سے پھیر دینا اور بعض مفسرین کی رائے کے مطابق کفارِ مکہ کا

قرآنِ کریم کی مثل لانے سے عاجز رہنا وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی قدرت سے خارج ہے۔ پس وہ ان کا مثل لانے پر قادر نہیں ہو سکتے جیسے مُردے کو زندہ کرنا۔ لاٹھی کا سانپ بنا دینا، پتھر سے اونٹنی نکال دینا، درخت کا کلام کرنا۔ اُنگلیوں سے پنج آبِ رحمت جاری کر دینا اور چاند کو دو ٹکڑے کرنا۔ یہ ایسے کام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ پس نبی کے ہاتھ پر ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جھٹلانے والوں کو تحدّی کی جاتی ہے کہ تم بھی اس کی مثل لے آؤ۔ یہ اُن کا عجز دکھانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

سرکارِ دو عالم کے مُعجزات

معلوم ہونا چاہیئے کہ جو معجزات ہمارے آقا و مولیٰ، سیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دستِ حق پرست سے ظاہر ہوئے اور جو آپ کی نبوّت کے دلائل اور صدق و صفا کے براہین ہیں وہ مذکورہ بالا دونوں اقسام کے ہیں اور ساتھ ہی تمام رسولوں کے معجزات سے تعداد میں بہت زیادہ۔ نشانی کے لحاظ سے بہت روشن اور حجت کے لحاظ سے بڑے ہی ظاہر باہر ہیں جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزات کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ جن کا احاطہ ہو نہیں سکتا کیونکہ ان میں سے آپ کے ایک معجزہ یعنی قرآنِ کریم ہی کو لے لیجیئے خود اس میں اتنے معجزات پنہاں ہیں کہ ہزار دو ہزار کی گنتی بھی پیچھے رہ جاتی ہے اور انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کفار کو اس کی ایک سورۃ جیسی سورت لانے کا چیلنج دیا تھا اور وہ ایسا کرنے سے عاجز رہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔ یہ اپنی ہر آیت یعنی تینوں آیات کے اعداد اور قدر کے ساتھ معجزہ ہے۔ پھر اس سورت میں کتنے ہی

ع سورۃ الکوثر کی تین آیتیں ہیں جن کے اندر چار پیشگوئیاں ہیں۔ اگر جملہ معجزات کو جو اس
(البقیۃ صفحہ آئندہ پر)

معجزے ہیں جنہیں ہم قرآنی معجزات کے تحت مفصل بیان کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سورت میں پنہاں ہیں شمار کیا جائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ شمار کہاں تک پہنچے۔ اہل علم نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس سمندر سے معانی کے موتی نکالے چنانچہ علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کے لفظوں میں اس سورت سے اعجاز القرآن کے بعض نمونے ہدیہ قارئین ہیں وباللہ التوفیق

"اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" اس آیت میں آٹھ فائدے ہیں:

(۱) یہ جملہ معطی کبیر کی طرف سے عطیہ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے۔ جب عطیہ منعم عظیم کی طرف سے ہو تو وہ نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ کوثر سے مراد وہ مومنین امت ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے نیز اس سے مراد وہ فضائل و خواص ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو جہان میں عطا فرمائے ہیں۔ ان کی کنہ کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور منجملہ کوثر وہ نہر ہے جس کی مٹی کستوری اور جس کے سنگریزے چاندی کی ڈلیاں ہیں اور جس کے کناروں پر سونے چاندی کے برتن تاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں۔

(۲) اس کی تقدیم مفید تخصیص ہے یعنی ہم نے (نہ کسی غیر نے) تجھے یہ چیز کثیر عطا کی جس کی کثرت کی کوئی غایت نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں محدث عنہ کی تقدیم تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اس واسطے ہے کہ ایسی تقدیم اثبات خبر کے واسطے زیادہ تاکید والی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اسم محدث عنہ پہلے ذکر کیا جائے تو سامع کو خبر سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ خبر کو سنتا ہے تو اس کا ذہن اس کو یوں قبول کرتا ہے جیسا عاشق معشوق کو۔ پس وہ خبر اس کے ذہن میں باحسن وجوہ متمکن ہو جاتی ہے۔

(۳) ضمیر متکلم بصیغہ جمع لایا گیا ہے جس سے ربوبیت کی عظمت پائی جاتی ہے۔

(۴) جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے جو قسم کے قائم مقام ہے۔

(۵) فعل کو بصیغہ ماضی لایا گیا ہے تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ کریم کی عطائے آجلہ واقع کے حکم میں ہے۔

(۶) کوثر کے موصوف کو محذوف کر دیا گیا۔ اس لئے کہ مذکور میں وہ فرط ابہام و شیاع نہیں جو محذوف میں ہے

(۷) وہ صفت اختیار کی گئی ہے جس کے معنی ہیں بکثرت ہے پھر اس کو اس کے صیغہ سے معدول کر کے لایا گیا

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو قطعی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ اِس صیغہ پر لام تعریف لایا گیا تاکہ یہ اپنے موصوف کو شامل اور کثرت کے معنی دینے میں کامل ہو چونکہ یہ لام کا نہیں اس لئے واجب ہے کہ حقیقت کا ہو اور حقیقت کے بعض افراد بعض سے اولیٰ نہیں پس وہ کامل ہو گی اس میں اس طعن کا جواب بھی آگیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا آپ کے بعد کوئی بیٹا نہیں کیونکہ آپ کے بعد بیٹے کا باقی رہنا دو سال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بیٹا نبی بنایا جائے اور یہ محال ہے کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یا نبی نہ بنایا جائے اور یہ امر وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ ناخلف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما کر اس عیب سے محفوظ رکھا۔ اولاد کے ہونے سے یہی غرض ہوا کرتی ہے علاوہ ازیں وہ عیب بھی لازم نہ آیا جو بیٹوں کے نبی نہ ہونے کی صورت میں تھا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اس میں بھی آٹھ فائدے ہیں :۔

۹/۱ - فاء تعقیب ۔ یہاں دو باتوں کا سبب بنانے کے معنیٰ کے لئے مستعار ہے۔ اوّل انعام کثیر کو منعم کے شکر و عبادت میں قیام کا سبب بنانا۔ دوسرے انعامِ کثیر کو دشمن کے قول کی پرواہ نہ کرنے کا سبب بنانا کیونکہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ عاص بن وائل نے کہا۔ اِنَّ مُحَمَّدًا صُنْبُوْرٌ۔ یہ قول جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۱۰/۲ لام سے مقصود تعریض ہے۔ عاص اور اس جیسے دوسروں کے دین سے جن کی عبادات و قربانی غیر اللہ کے واسطے تھی اور نیز یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے قدم صراطِ مستقیم پر جما دیں اور اپنی عبادت کو اللہ کی ذاتِ کریم کے لئے خالص کر دیں۔

۱۱/۳ اِن دونوں عبادتوں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت کے دو نوع ہیں؛ ایک اعمالِ بدنیہ، جن میں مقدم نماز ہے۔ دوسرے اعمالِ مالیہ، جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی ہے۔

۱۲/۴ اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نماز اور اونٹوں کی قربانی سے بڑا اختصاص تھا کیونکہ نماز آپ کی مبارک آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنائی گئی اور اونٹوں کی قربانی میں آپ

علم کے ساتھ ہماری طرف منقول ہوتے آئے ہیں اور ان کی نقل متواتر ہے جیسے قرآن کریم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی ہمت قوی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپ نے سو اونٹ قربانی دیئے جن میں ابوجہل کا ایک اونٹ تھا جس کی ناک میں سونے کی نکیل تھی۔

۵/۱۴ - دوسرے لام کو اسی لئے حذف کیا گیا کہ پہلا لام اس پہ دلالت کر رہا ہے۔

۶/۱۴ سجع کے حق میں رعایت کی گئی اور یہ منجملہ بدائع ہے۔ جب قائل اسے طبعی طور پہ لائے اور تکلف سے کام نہ لے۔

۶/۱۵ لِرَبِّكَ میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو اس میں التفات ہے۔ دوسرے مضمر کی جگہ لفظ مظہر لایا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور اس کے غلبۂ قدرت کا ظہور ہے۔ اسی سے خلفا نے یہ قول لیا۔ یأمرك امیر المؤمنین بکذا۔

۶/۱۶ اس سے معلوم ہوا کہ حقِ عبادت یہ ہے کہ بندے اس کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کو خاص کریں اور اس شخص کی خطا سے تعریض ہو گئی جو اپنے رب کی عبادت چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرے

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ اس میں پانچ فائدے ہیں۔

۱/۷ امر (فَصَلِّ وَانْحَرْ) کی علت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شانی (دشمن) کے حال کے قول کیطرف ترک توجہ کو بر سبیل استیناف بیان کیا گیا اور استیناف کا یہ اچھا محل ہے۔ قرآن شریف میں مواقع استیناف بکثرت ہیں۔

۲/۷ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جملہ کو معترضہ قرار دیا جائے جو خاتمہ اغراض کے لئے حکمت کے سیاق پر لایا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (قصص ۳) اور شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

۳/۱۹ عاص کو اس صفت کے ساتھ ذکر کیا اور نام کے ساتھ ذکر نہ کیا تاکہ یہ متناول و شامل ہو اس شخص کو جو دینِ حق کی مخالفت میں عاص کی مانند ہو۔

پس اس میں کوئی شک و شبہ یا اختلاف نہیں ہے کہ اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اور اس کا ظہور آپ کی ذاتِ گرامی سے ہوا ہے اور اس کی حجتوں سے آپ نے استدلال کیا ہے۔ پس اگر کوئی اس کی صحت کا انکار کرے یا جھگڑے تو اس کا انکار کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجود ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ دنیا میں تشریف ہی کب لائے تھے۔ جھگڑنے والوں کا یہ اعتراض آپ کے لئے حجت و دلیل نہیں ہوسکتا تو قرآنِ کریم کا آپ کے لئے معجزہ و حجت ہونا اور اس کے ضمن میں آنے والی آیات کے معجزات کا معجزہ ہونا ضرورتاً معلوم ہے اور ان کے اعجاز کی وجہ بھی ضرورتہً معلوم ہے اور کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں جیسا کہ ہم آگے مفصل بیان کریں گے۔

ہمارے بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ ایسی بھی بے شمار نشانیاں اور خوارق ہیں جن کا صدور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ہوا اور وہ معجزے کے قائم مقام ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی معجزہ یقین کے درجے تک نہ بھی پہنچے تو سب مل کر ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہو کر درجۂ یقین کو پہنچ جاتے ہیں پس آپ کے ہاتھوں ان کا صدور شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتا ہے اور اس میں مومن تو کیا کسی کافر کو بھی شک نہیں ہے کہ آپ کے ہاتھوں عجائبات کا صدور ہوا ہے جبکہ معاند کا اختلاف یہ ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ہیں یا نہیں، حالانکہ ہم قبل ازیں بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۴۔ اس جملے کی شرح میں حرفِ تاکید لایا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ عاص نے کہا جھوٹ ہے اور محض تعنت و عناد کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے اس کو شانی کہا گیا۔

۵۔ خبر معرفہ لائی گئی ہے تاکہ عدو شانی کے لئے ابتر بدرجۂ کمال ثابت ہو، حتی کہ گویا وہ جمہور ہے جس کو صنبور کہا جائے۔ پھر یہ سورت باوجود علوِ مطلع و تمام مقطع کے اور باوجود نکاتِ جلیلہ سے پُر ہونے اور محاسنِ کثیرہ کے جامع ہونے کے اس تصنع سے خالی ہے جس سے انسان اپنے خصم کو ساکت و مغلوب کر لیتا ہے۔" (سیرتِ رسولِ عربی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۳۰ تا ۳۳۴)

کر آئے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی جانب سے ہے اور یہ اس ارشادِ خداوندی کا قائم مقام ہے کہ تم نے سچ فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اِن کا وقوع بھی بداہتہً معلوم ہے کیونکہ اِن کے معانی پر سب کا اتفاق ہے جیسے کہ حاتم کی سخاوت، عنترہ کی شجاعت اور اسنف کا علم شہرت کی بنا پر بداہتہً معلوم ہے اور ان خبروں پہ اتفاق ہے کہ سخاوت، شجاعت اور علم اُن کا مشہور و معروف ہے اگرچہ فی نفسہٖ ہر ایک کی خبر موجبِ علم اور اس درجہ صحت پہ نہ ہو کہ اس پر یقین کیا جا ئے

دوسری قسم معجزات کی وہ ہے جن کی خبر بداہت اور یقین کے درجے تک نہ پہنچے۔ آگے اس کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں پہلی قسم تو وہ ہے کہ وہ خبر عام مشہور ہے اور متعدد راویوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ خبر محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر و تاریخ نے نقل کی ہو جیسے انگلیوں سے پانی کا بہنا اور طعام کو زیادہ کر دینا ——— اس کی دوسری قسم وہ ہے کہ کسی واقعے کے راوی صرف ایک دو ہیں اور راویوں کی کمی کے باعث وہ بات شہرت کی حد کو نہ پہنچی لیکن جب اس جیسے معجزات کو جمع کیا جائے تو وہ معناً اتفاق کی حد کو پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ ہم بیان کر آئے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اظہارِ حق کی خاطر بانگِ دُہل کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کتنے ہی معجزے یقینی طور پر قطعیت کے ساتھ معلوم ہیں جیسے کہ شق القمر کا معجزہ کہ اس کا وقوع نص قرآنی سے ثابت ہے اور آیت کے ظاہری معنی سے کسی دلیل کے بغیر انکار نہیں کیا جاتا جبکہ اس کے اثبات میں تو صحیح الاسناد احادیثِ کثیرہ وارد ہیں۔ کسی بدنصیب یا باطنی طور پر دین سے مفرور شخص کا اختلاف ہمارے اس پختہ عقیدے کو متزلزل نہیں کر سکتا اور نہ کسی جدت پسند ماڈرن مُلّا کی بے حمانت اس قابل ہے کہ اس کی جانب توجہ دی جائے کیونکہ اس کا مقصد صرف ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالنا ہے لیکن ہم اس کی حماقت کو اسی کے منہ پہ ماریں گے اور اس کی ناپاک باتوں کو گندگی کے ڈھیر پہ پھینکیں گے۔

ایسے ہی یقینی معجزات سے آپ کی انگشتہائے مبارک سے پانی جاری ہونا اور تھوڑے طعام

کا زیادہ ہو جاتا ہے۔ ان واقعات کو بہت سے ثقہ راویوں نے صحابہ کرام کی کثیر جماعت سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو وہ ہے کہ جسے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے دوسری جماعت نے روایت کیا ہے اور وہ روایتیں بھی ہیں جو اجلّہ اصحاب اور بزرگ ترین صحابہ سے مروی ہیں اور ان میں سے کتنے ہی واقعات ایسے ہیں جن کا وقوع بہت بڑے مجمع کے سامنے ہوا ہے جیسے کہ جنگ خندق کے روز، غزوۂ بواط، عمرۂ حدیبیہ اور غزوہ تبوک وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں (صحابہ کرام) کی محفلوں اور افواج کے اجتماعوں میں معجزات کا اظہار فرمایا گیا جبکہ اس راوی کے خلاف صحابہ کرام میں سے کسی ایک کا اختلاف منقول نہیں اور جو ان سے مذکور ہوا ہے اس کا کسی نے انکار نہیں کیا کہ میں نے اس کی روایت کب کی ہے۔

دریں حالات ان کی خاموشی بھی بولنے (تصدیق کرنے) کے حکم میں ہے جب کہ صحابہ کرام کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ باطل، ملاہنت اور جھوٹ کو دیکھ کر خاموش رہ سکیں، حالانکہ یہاں تو کوئی رغبت یا خطرہ بھی نہ تھا جو انہیں بولنے سے منع کرتا۔ اگر ان کے نزدیک ان میں سے کوئی بات غلط یا غیر معروف ہوتی تو ضرور وہ اس کا انکار کرتے جیسا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی بعض باتوں کا انکار کیا ہے جیسا کہ سنن، سیر اور قرآنی حروف کے متعلق روایات ہیں اور بعض کو وہم بھی ہوا اور بعض حضرات کو مغالطہ بھی ہوا جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔ پس یہ ساری کی ساری قسم بھی قطعی معجزات کی طرح ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔

بیشک بعض ایسی بھی بے سر و پا خبریں ہوتی ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اور وہ لوگوں میں گھومتی رہتی ہیں لیکن گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ جب محققین اُن کی چھان پھٹک کرتے ہیں تو وہ گرد و غبار کی طرح اُڑ جاتی ہیں اور ان کا بے اصل ہونا سب پر کھل جاتا ہے۔ اس کے بعد ایسے واقعات کو کوئی زبان پر بھی نہیں لاتا۔ چنانچہ ایسی کتنی ہی جھوٹی باتوں اور گھڑے گھڑائے قصوں کے دفن ہو جانے کا عام مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ (اس کے برعکس) ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ

وسلم کے وہ معجزات جو بطریق احاد مروی ہیں۔ وہ مرور زمانہ کے ساتھ مزید شہرت ہی حاصل کرتے آئے ہیں حالانکہ وہ مختلف الخیال جماعتوں ہیں گردش کرتے رہیں۔ ان حضرات کا وجود نامسعود بھی موجود ہے جو انبیائے کرام کے عیب جو ہیں اور توہین و تنقیص نبوت میں کوشاں رہتے ہیں۔ ملحدوں کا گروہ بھی موجود ہے جو چراغ مصطفوی کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتا ہے لیکن ان تمام مساعی کے باوجود وہ معجزات بھی روز بروز قوت پکڑتے اور مسلمانوں کے قلب و جگر میں اس طرح سماتے جارہے ہیں کہ نکتہ چینوں اور جلنے بھننے والوں کے ہاتھ سوائے حسرت و ندامت اور ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں آتا ——— سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سے،

وَكَذَالِكَ اِخْبَارُهٗ عَنِ الْغُيُوْبِ	اور اسی طرح غیب کی خبریں دینا نیز جو آئندہ
وَاِنْبَاءُهٗ بِمَا يَكُوْنُ وَكَانَ مَعْلُوْمٌ	ہوگا یا زمانہ ماضی میں ہو گزرا (ماکان وما یکون)
مِنْ اٰيَاتِهٖ عَلَى الْجُمْلَةِ بِالضَّرُوْرَةِ	وہ بتانا، یہ آپ کے معجزات میں ایسی ضروری
وَهٰذَا حَقٌّ لَا غِطَاءَ عَلَيْهِ	باتیں ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور یہ ایسا حق
(ص ۲۱۶)	ہے جس کے چہرے پر کوئی پردہ نہیں۔

ہمارے آئمہ میں سے قاضی ابوبکر باقلانی اور استاد ابوبکر وغیرہما رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اس کے قائل ہیں ——— جو شخص ان معجزات کو خبر احاد کے باعث محض قصہ کہانی سمجھتا ہے۔ میرے نزدیک اس نے کتب احادیث سے کما حقہٗ استفادہ نہیں کیا اور وہ دوسرے علوم کی تحصیل میں زیادہ مشغول رہا ہے۔ ہاں جو علوم نقلیہ سے واقف اور احادیث و سیر کے علوم میں ماہر ہے وہ ان واقعات کی صحت میں کبھی شک نہیں کریگا اور وہی کچھ کہے گا جو ہم نے کہا ہے کیونکہ یہ بات بعید بھی نہیں ہے کیونکہ ایک ہی چیز کے بارے میں ایک شخص کو تواتر کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے جبکہ دوسرے کو خبر احاد کے ذریعے تو درکنار مطلقاً اس کا علم ہی نہیں ہوتا مثلاً کتنے ہی لوگ شہرت کے باعث جانتے ہیں کہ دنیا میں بغداد بھی ایک شہر ہے وہ عظیم الشان شہر اور دار الحکومت ہے جبکہ کتنے ہی ایسے انسان بھی ملیں گے جنہوں نے اس کا نام تک نہیں سنا ہوگا اور باقی خوبیاں رہیں ایک طرف۔

اس کو یوں سمجھیئے کہ مالکی فقہاء اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ / ۷۹۵ء) کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور منفرد کے لئے واجب ہے اور رمضان شریف کی پہلی رات کو روزوں کی نیت کر لینا باقی راتوں کی طرف سے کفایت کرتا ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء) ہر رات میں تجدید نیت کے قائل ہیں اور مسح میں سر کے بعض حصے کو کافی سمجھتے ہیں نیز ان دونوں حضرات کا مذہب ہے کہ ہر قتل میں قصاص واجب ہے خواہ وہ دھار والی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ نیز وضو کی نیت کرنا اور نکاح کے لئے ولی کا ہونا شرط بتاتے ہیں جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) کی تحقیق ان جملہ مسائل میں ان کے خلاف ہے۔ مالکی فقہاء کے سوا دوسرے علماء اہل سنت، جو امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر نہیں ہیں انہوں نے فقہ مالکیہ کی کتب سے وابستگی نہ رکھنے کے باعث، ان اقوال کو نقل نہیں کیا، بلکہ ممکن ہے کہ انہیں ان باتوں کی خبر تک نہ ہو اور عوام الناس کا تو ذکر ہی کیا۔ پس جب ہم معجزات بیان کریں گے تو اس وقت ان شاء اللہ تعالیٰ اس بیان کو اور واضح کیا جائے گا۔

فصل-۳

قرآن کے اعجاز کی وجوہات

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق مرحمت فرمائے، جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز اعجاز کی بہت سی قسموں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جبکہ سمجھنے سمجھانے کی خاطر، ضبط تحریر میں لاتے ہوئے انہیں چار جگہ تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اعجاز قرآن کی پہلی وجہ اس کا حسن تالیف، التیام کلمات، فصاحت، وجوہ اعجاز اور بلاغت ہے جو عادت اہل عرب کا خارق ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ مذکورہ خوبیوں سے پوری طرح مزین اور میدان کلام کے شہسوار تھے۔ بلاغت و حکمت سے انہوں نے جو خاص حصہ پایا تھا دیگر اقوام عالم اس سے محروم تھیں۔ انہیں وہ لسانی قوت مرحمت فرمائی گئی تھی جو دوسرے انسانوں کو عطا

نہیں فرمائی گئی۔ خوش بیانی سے اس درجہ نوازے گئے تھے کہ دانشوروں کو بھی اپنا قائل کر لیتے تھے۔ غرضیکہ خدائے ذوالمنن نے یہ خوبیاں اُن لوگوں کی فطرت و جبلّت کا حصّہ بنا دی تھیں۔

انہیں کلام میں اتنی مہارت اور بیان پر اتنی قدرت حاصل تھی کہ فی البدلیہ ایسی بات کہہ دیا کرتے تھے جس کے ادبی محاسن سننے والوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ خوش بیانی کا کوئی راستہ اُن پہ بند نہ تھا۔ جس وقت اور جس جگہ ضرورت پڑتی تو ایسے انداز سے خطاب کرتے کہ اس راستے کی تمام دشوار گزار گھاٹیوں کو بڑی آسانی سے عبور کر جاتے۔ معرکہ آرائی میں رجبہ پڑھنا ان کا معمول تھا۔ وہ کسی کی تعریف کرنے اور کسی کی پگڑی اُچھالتے رہتے۔

وہ لوگ کہیں اپنے کلام کے ذریعے مطلب نکالتے، کبھی بچھڑوں کو ملاتے، کسی کو سر آنکھوں پہ بٹھلاتے، کسی کی مٹی پلید کر کے رکھ دیتے۔ غرضیکہ اُن کے بیان میں ایسا جادو تھا کہ جس کے گلے میں چاہتے تو تعریف و توصیف کا ایسا ہار ڈال دیتے کہ اہل عقل و دانش بھی دھوکا کھا جاتے۔ کلام کے ذریعے وہ اپنی مشکلات کو آسان کر لیتے، لوگوں کے دلوں سے کینہ و کدورت کو دور کر دیتے اور پست لوگوں کو بلند کر دیتے تھے (یعنی تعریف یا ہجو کرنے کے ساتھ) وہ اپنے کلام سے بزدلوں کو جُرأت دِلاتے، بخیلوں اور دولت کے پجاریوں کو سخاوت پر مجبور کر دیتے تھے۔ چاہتے تو ناقص کو کامل اور کامل کو گمنامی کے گڑھے میں پھینک دیتے تھے۔

اُن میں سے اگر کوئی بدوی ہوتا تو اس کے الفاظ بھی جچے تُلے اور ادب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوتے تھے۔ ان کا کلام، محکم، بات صاف اور فیصلہ جاندار ہوتا تھا۔ اُن کی طبیعت جوہر دار ہوتی محاسنِ کلام سے وابستگی کا جنون تھا ـــــــ اگر اُن میں کوئی شہری تھا تو نہایت بلیغ۔ جس کی تقریر میں خوبصورتی اور بیان میں شیرینی ہوتی۔ تھوڑے لفظوں میں معانی کثیرہ کو بیان کرتے۔ نرم طبیعت والے تھے جس کے باعث کلام عمدہ اور موزوں ہوتا تھا۔

اُن حضرات کی باتیں پاکیزہ اور عبارات خوب صورت ہوتی تھیں۔ بلاغت کے دونوں

باب (ایجاز و اطناب) ہر مقام پر مناسب ہوتے تھے۔ غرضیکہ بلاغت میں انہیں حجتِ بالغہ اور قوتِ دافعہ حاصل تھی جس کے باعث انہیں کامیابی اور وسعت حاصل تھی۔ وہ یقین بھی رکھتے تھے کہ کلام ان کا غلام اور بلاغت ان کی لونڈی ہے۔ کیونکہ وہ فنونِ ادب کے جامع اور معانی کے مغز کو تلاش کرنے والے تھے فصاحت و بلاغت کے جس دروازے سے چاہتے داخل ہوتے اور بام عروج تک پہنچنے کے لئے انہوں نے ہر جانب زینے لگا رکھے تھے۔ پس انہوں نے ہر اعلیٰ و ادنیٰ امیدان میں طبع آزمائی کی، حسن و قبیح میں گفتگو کرتے۔ قلیل و کثیر کو زیرِ بحث لاتے اور اپنی نظم و نثر پر انہیں بجا طور پر ناز تھا۔ انہیں یہ خطرہ مطلقاً نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی اس میدان کے اندر ان کی گرد راہ کو بھی پہنچ سکے گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ عزیز کے ذریعے انہیں سیماب پا اور ماہیٔ بے آب کی طرح مضطرب کر دیا کیونکہ اس مقدس کتاب کی شان تو یہ ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ ؎	باطل کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

اس کتاب کی آیتیں محکم اور کلمات مفصل ہیں۔ اس کی بلاغت نے عقلِ انسانی کو مبہوت کر دیا اور سب پر واضح ہو گیا کہ فصاحت میں یہ سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کا ایجاز و اعجاز ہر کلام پر غالب آیا۔ اس کی حقیقت و مجاز میں ایک کمال دوسرے کا معاون ہے۔ اس کے مطلع و مقطع میں مشابہت ہے۔ اس کے جوامع کلام اور بدائع حکم نے کلام کی تمام خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے۔ پھر ایجاز و اختصار بھی ایسا جو حسن میں معتدل ہے۔ اس کے الفاظ پسندیدہ اور فوائد سے مطابقت رکھتے ہیں۔

قرآن کا چیلنج: اہلِ عرب کو اگرچہ تمام فنونِ کلام میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ وہ زبان مخاطبت

؎ پارہ ۲۴، سورہ حٰم سجدہ۔ آیت ۴۲

اور بیان و محاورت پر پورا عبور رکھتے تھے، غرائب اور لغت میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قرآن کریم اُن کی اپنی زبان میں نازل ہوا تھا جو ان کے محاورے کے مطابق ہے اور جس میں شب و روز وہ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے تھے۔ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم متواتر تیئس برس تک ہر آن انہیں چیلنج کرتے رہے اور ان کے بڑے بڑوں کو ڈنکے کی چوٹ سناتے رہے:-

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ [۱]

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ کہ اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اور کبھی یوں اعلان فرماتے رہے:-

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ [۲]

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے اِن خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرما دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار کر رکھی ہے کافروں کے لئے۔

اور اِن کی زبان بندی کرتے ہوئے یہ اعلان بھی فرما دیا:-

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے

هٰذَا الْقُرْآنَ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ؁ ۱	آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے. اگرچہ اُن میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

قرآن کو گھڑا ہوا کہنے والوں کا یوں بھی منہ بند فرمایا:

قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مُّفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؁ ۲	تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکیں سب کو بلا لو. اگر تم ہو سچے۔

یہ رجز و توبیخ اور تحدی اس لئے فرمائی گئی کہ جو چیز من گھڑت اور بے اصل ہو اس کی مثل بنا لینا اور اس کا معارضہ کرنا بعید نہیں ہوتا لیکن الفاظ جب صحیح معنی کے تابع ہوں تو معارضہ بہت دشوار ہوتا ہے مثلاً جب کہتے ہیں کہ فلاں شخص سے جو کچھ لکھنے کے لئے کہا جائے وہی لکھ دیتا ہے اور دوسری بات یہ کہی جائے کہ فلاں شخص جیسا چاہتا ہے لکھ لیتا ہے

ان میں سے پہلے شخص کو دوسرے پر بہت فضیلت ہے کیونکہ اِن دونوں فقروں کے معانی میں بڑا فرق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برابر انہیں جھنجوڑتے، اُن کے عقلاء کی کوتاہ دستی کو واضح کرتے رہے۔ ان کے بلند بانگ دعاوی کے جھنڈوں کو سرنگوں کرتے رہے۔ اُن کے بڑے بڑوں کی شیخی کرکری کرتے رہے۔ کفار کے بتوں اور اُن کے آباؤ اجداد کی مذمت فرماتے رہے۔ حتّٰی کہ اُن کے گھر بار۔ مال و زر اور زمین مویشی مسلمانوں کے لئے حلال ٹھیراتے رہے۔ غرضیکہ کفار ذلت و رسوائی کی زندگی تو گزارتے رہے لیکن قرآن کریم جیسی ایک سورت

---

۱ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۸، ۲ پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۱۳۔

بنا کر سُرخ رُوئی حاصل کرنے سے قطعاً عاجز رہے۔ وہ اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کی خاطر قرآنِ کریم کے خلاف بیانات دینے، طوفان بدتمیزی برپا کرنے، فتنے اٹھانے اور دعو کا دینے میں ہی سرور پاتے اور اس طرح اپنے دِل کی لگی بُجھاتے تھے۔

چنانچہ کفار نے اس چاند کی طرف دُھول اڑاتے ہوئے کبھی تو قرآنِ کریم کے بارے میں کہا کہ:

اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ؎۱	یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا ہُوا۔

کبھی کہتے:۔

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ؎۲	جادو ہے جو چلا آتا ہے۔

کبھی یہ الزام لگاتے کہ:۔

اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ نِ افْتَرٰهُ	یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انھوں نے بنا لیا
وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ؎۳	اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے

اور قرآنِ کریم کے متعلق کبھی یہ کہنے لگتے:

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا ؎۴	اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں

غرضیکہ یہ لوگ انکار کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن قرآنِ کریم کی مثال نہ لا سکے اور جوشِ مخالفت سے مغلوب ہو کر اپنی خفت کو مٹانے کے لئے کہہ دیا کرتے تھے۔

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ۔ ؎۵	ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔

اور کبھی یوں کہا کرتے:۔

؎۱ پارہ ۲۹، سُورۃ المدثر، آیت ۲۴ ؎۲ پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۲

؎۳ پارہ ۱۸، سُورۃ الفرقان، آیت ۴ ؎۴ پارہ ۱۸، سورۃ الفرقان، آیت ۵

؎۵ پارہ پہلا۔ سُورۃ البقرہ، آیت ۸۸،

قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ؎۱

ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں ٹینٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے

اور کبھی یوں مہم شروع کر دیتے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ؎۲

قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔

اور کبھی یوں بھی شیخی بگھارنے لگتے:

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ؎۳

ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے۔

حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ ہرگز اس کا مثل نہ لا سکو گے اور واقعی وہ اس کا مثل لانے میں بالکل قادر نہیں ہوئے اور ان کے مسیلمہ کذاب جیسے بیوقوف لوگوں نے قرآن کریم کا مثل لانے کی جو کوشش کی اس سے ان کا عیب و نقص سب پہ عیاں ہو گیا کیونکہ اللہ جل مجدہٗ نے ان لوگوں کے کلام سے فصاحت کو سرے سے سلب ہی کر دیا تھا نیز عقلمندوں پر تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن کریم ان کی فصاحت کے انداز پر نہیں اور اس کی بلاغت نہ ان کی بلاغت کی جنس ہے اور معارضہ کرنے والے تو پیٹھ دے کر بھاگ گئے اور انصاف پسند فرمانبردار بن گئے نیز راہِ ہدایت مل جانے پر کتاب الٰہی کے والا و شیدا بن گئے چنانچہ جب ولید بن مغیرہ نے زبان رسالت سے سنا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى

بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا

؎۱ پارہ ۲۴، سورۂ حٰم سجدہ، آیت ۵، ؎۲ پارہ ۲۴، سورہ حٰم سجدہ، آیت ۲۶،
؎۳ پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۳۱،

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ — بے حیائی اور بُری بات اور سرکشی سے۔
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ؎۱ — تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

تو بے ساختہ پکار اٹھا کہ اِس کلام میں چاشنی ہے۔ اس کے رنگ و بُو کی کیا بات ہے۔ اس کا نیچے والا حصہ سیراب ہے اور اوپر والا پھلوں سے لدا ہوا کوئی انسان ایسے کلام پہ قادر نہیں ——— ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے کہ کسی اعرابی نے ایک شخص کی زبان سے یہ الفاظ سُنے :-

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ — تو اعلانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ؎۲ — اور مشرکین سے مُنہ پھیر لو۔

تو سنتے ہی سجدے میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کے آگے سجدہ کیا ہے اور ایک اعرابی نے ایک شخص کی زبان پہ یہ آیہ کریمہ سُنی ۔

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا — پھر جب اس سے نا امید ہوئے الگ
نَجِيًّا ۝ ؎۳ — جا کر سرگوشی کرنے لگے ۔

تو وہ پکار اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق ایسے کلام پہ قادر نہیں ہو سکتی ———
یہ بھی بطورِ حکایت بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں آرام فرما تھے آپ نے دیکھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ نے اس سے اس شہادت اور مسلمان ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے جواب دیا کہ میں روم کے رئیسوں سے ہوں اور عربی ادب میں مہارت رکھتا ہوں میں نے ایک مسلمان قیدی کی زبان سے قرآنی کریم کی یہ آیۂ کریمہ سُنی ہے :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا

؎۱ پارہ ۱۴، سورۂ النحل، آیت ۹۰ ؎۲ پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۹۴
؎۳ پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۸۰

وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ	اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ؎۱	تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

جب میں نے اس کے اندر غور و فکر کیا تو میں نے دنیا و آخرت کے ان تمام احوال کو اس میں جمع پایا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے ——— اصمعی نے حکایۃ" بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی کو یہ کہتے ہوئے سُنا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ ذُنُوْبِيْ كُلِّهَا۔ تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے تو کتنی فصیح ہے اس نے جواب دیا کہ ارشاد باری تعالیٰ:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ	اور ہم نے موسٰی کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے
اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ	دودھ پلا۔ پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو
فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ	اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر۔
وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ	بیشک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور
وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؎۲	اسے رسول بنائیں گے۔

کے سامنے آپ میرے کلام کی فصاحت کو کس درجے میں شمار کرتے ہیں؟ غور تو فرمائیے کہ اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبر، اور دو بشارت جمع ہیں۔

یہ قرآن کریم کے اعجاز کی ایک قسم ہے اور کسی دوسری قسم کی جانب مضاف بھی نہیں ہے۔ موافق مذہب صحیح کے دونوں اقوال میں سے قول یہی صحیح ہے اور یہ بات کہ قرآن کریم کو لانے والے سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے نیز یہ بھی قطعی طور پر معلوم ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مثل لانے کا چیلنج دیا تھا اور اہل عرب ایسا کلام لانے سے عاجز رہ گئے تھے نیز یہ بھی قطعی

؎۱ پارہ ۱۸، سُورہ النور، آیت ۵۲ ؎۲ پارہ ۲۰، سُورۃ القصص، آیت ۷۔

طور پہ معلوم ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت بھی عادتِ اہلِ عرب کی خارق ہے جو حضرات علم کی دولت سے مالا مال ہیں اور زبان و بیان میں مہارتِ تامّہ رکھتے ہیں وہ قرآنِ کریم کی فصاحت اور اس کے وجوہِ بلاغت کو یقینی طور پہ جانتے ہیں لیکن جن کی وہاں تک رسائی نہیں انہیں یقینِ محکم کی دولت سے مالا مال کرنے کے لئے یہی امر کافی ہے کہ فصاحت و بلاغت میں یدِ طولیٰ رکھنے والے بھی قرآنِ کریم کی مثل لانے سے عاجز آگئے حالانکہ کتابِ الٰہی کی مخالفت میں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور معارضہ سے عاجز آکر جو یہ افراط کرتے تھے کہ یہ گھڑی ہوئی ہے، اُن کے لئے بھی اس کی معجزانہ بلاغت کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ یہ کمال دیکھنے کی غرض سے جب ارشادِ باری تعالیٰ:

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ [۱]	اور خون کا بدلہ [۱ع] لینے کا تمہاری زندگی ہے

پر نظر کی جاتی ہے یا فرمانِ خداوندی:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ	اور کسی طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں
وَاُخِذُوْا مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ	ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور
[۲]	ایک قریب جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے۔

---

[۱] پارہ ۲، سورۂ البقرہ، آیت ۱۷۹ [۲] پارہ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۵۱

[۱ع] اس آیہ میں بیں فصاحت و بلاغت اور ایجاز پہ بحث کرتے ہوئے خاتم الحفاظ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) نے فرمایا ہے: —— قولہٗ تعالیٰ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ کے معنی کثیر ہیں اور الفاظ قلیل ہیں کیونکہ غرض اس سے یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کو قتل کرنے سے خود بھی قتل ہوگا تو پھر کسی کے قتل کی جرأت نہ کرے گا۔ پس قتل یعنی قصاص سے قتلِ کثیر کا انسداد ہو گیا اور اس میں شک نہیں کہ قتل کا موقوف ہونا انسان کی حیات کا باعث ہے۔ اس جملے کو اہلِ عرب کے قول اَلْقَتْلُ اَنْفٰی

نیز یہ ارشادِ باری تعالیٰ:-

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ [1]	برائی کو بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تجھے میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائیگا جیسا کہ گہرا دوست۔

---

[1] پارہ ۲۴، سورۂ حم سجدہ، آیت ۳۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ) لِلْقَتْلِ پر بیس بلکہ زیادہ وجہوں سے فضیلت حاصل ہے حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک اس معنی بیان کے لئے یہ مثل نہایت مختصر ہے ...... وہ بیس وجوہات یہ ہے:-

(۱) اَلْقِصَاصُ حَیٰوةٌ میں دس حروف ہیں اور اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ میں چودہ حروف۔

(۲) قتل کی نفی حیٰوۃ کو مستلزم نہیں اور آیت حیٰوۃ کے ثبوت پر نص ہے جو اصل غرض ہے۔

(۳) حیٰوۃ کا نکرہ لانا مفید تعظیم ہے اور اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ قصاص میں حیٰوۃ طویل ہے اور اسی وجہ سے حیات کی تفسیر بقا سے کی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ مگر اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں لازم نہیں ہے۔

(۴) آیت میں کلیت اور جامعیت ہے اور مثل مذکور میں کلیت اور جامعیت نہیں کیونکہ کل قتل مانع قتل نہیں ہے بلکہ بعض قتل موجب قتل ہوتا ہے اور مانع قتل صرف قتلِ خاص ہے جو قصاص ہے۔ پس قصاص میں حیات دائمی ہے۔

(۵) آیت میں تکرار نہیں ہے اور مثل میں قتل کا لفظ مکرر ہے اور گو تکرار مخل فصاحت نہ ہو مگر جو کلام تکرار سے خالی ہوگا وہ اس کلام سے جس میں تکرار ہو گی۔ افضل ہوگا۔

(۶) آیت میں تقدیر محذوف کی حاجت نہیں اور مثل مذکور کی تقدیر یہ ہے اَلْقَتْلُ قِصَاصًا اَنْفٰی لِلْقَتْلِ ظُلْمًا مِنْ تَرْكِهٖ ظُلْمًا۔ پس مثل مذکور میں مِنْ جو افعل التفضیل کے بعد ہوتا ہے اپنے مجرور کیساتھ محذوف ہے اور قتل اوّل کے بعد قصاصًا اور قتل ثانی کے بعد ظُلمًا محذوف ہے۔

يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ — اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) (۷) آیت میں طباق (ضد) ہے اس لئے کہ قصاص شعر حیات کی ضد کو بتاتا ہے اور مثل مذکور میں ایسا نہیں ہے۔

(۸) آیت میں فن بدیع ہے اور وہ یہ کہ احد الضدین یعنی موت کو دوسری ضد یعنی حیات کا محل کیا گیا ہے اور حیات کا قائم ہونا موت میں ایک عظیم مبالغہ ہے۔ یہ کشاف میں مذکور ہے اور صاحب ایضاح نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ فی کے لانے سے قصاص کو حیات کا منبع اور معدن ٹھہرا دیا ہے

(۹) مثل مذکور میں سکون بعد حرکت کے پے در پے ہے اور یہ پسندیدہ نہیں کیونکہ لفظ منطوق میں اگر پے در پے حرکت ہوتی ہے تو زبان کو اس کے نطق میں آسانی ہوتی ہے اور اس سے اس کی فصاحت ظاہر ہوتی ہے بخلاف اس کے اگر ہر حرکت کے بعد سکون ہوتا ہے تو حرکت کی وجہ سے منقطع ہو جاتی ہے جیسے کسی چوپائے کو کچھ حرکت دی جائے پھر روک دیا جائے۔ پھر حرکت دیکر پھر روک دیا جائے، تو وہ مقید کی طرح ہو جائیگا اور حرکت و رفتار پہ قادر نہ ہو گا۔

(۱۰) مثل مذکور میں بحسب ظاہر تناقض ہے کیونکہ شے خود اپنی نفی نہیں کرتی۔

(۱۱) قلقلہ، قاف کی تکرار اور نون کے غنہ سے آیت سالم ہے جو ضغطہ اور شدت کا موجب ہے۔

(۱۲) آیت مشتمل ہے حروف متناسبہ پر کیونکہ آیت میں قاف سے صاد کی طرف خروج ہے اور جس طرح قاف حروف استعلا میں سے ہے صاد حروف مستعلیہ اور مطبقہ میں سے ہے۔ اس کے برعکس قاف کے بعد حرف تار کو ادا کرنا ذرا تامل کا سبب ہے کیونکہ تا حرف منخفض ہونے کی وجہ سے قاف کے غیر مناسب ہے اور اسی طرح صاد کے بعد حار ادا کرنا احسن ہے بہ نسبت لام کے ادا کرنے کے بعد ہمزہ کا نکالنا۔

(۱۳) صاد اور حاد اور تار کے تلفظ میں حسن صوت ہے اس کے برعکس قاف اور تار کی تکرار ایسی نہیں ہے۔

یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ   آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ   ) ۱۴- آیت میں لفظ قتل نہیں ہے جو موجب تنفر ہے بلکہ لفظ حیات ہے جو طبیعت کو مقبول ہے۔

۱۵- لفظ قصاص مساوات کو بتاتا ہے۔ پس اس سے عدل ظاہر ہوتا ہے۔ بمطلق قتل میں یہ بات نہیں ہے

۱۶- آیت مبنی ہے اثبات پر اور مثل مذکور مبنی ہے نفی پر اور اثبات نفی سے اشرف ہے کیونکہ اثبات اول ہے اور نفی اس کے بعد ہے۔

۱۷- مثل مذکور کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا لازم ہے کہ قصاص میں حیات ہے اور فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ کا اول ہی سے یہی مفہوم ہے۔

۱۸- مثل مذکور میں افعل التفضیل کا صیغہ فعل متعدی سے ہے اور آیت میں اس سے سالم ہے۔

۱۹- افعل متقضی ہوتا ہے اشتراک کو، پس چاہیئے کہ ترک قتل بھی نافی قتل ہو لیکن یہاں قتل زیادہ نافی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور آیت اس سے سالم ہے۔

۲۰- آیت قتل کرنے اور مجروح کرنے دونوں سے باز رکھنے والی ہے کیونکہ قصاص دونوں کو شامل ہے اور اعضاء کے قصاص میں بھی حیات ہے کیونکہ عضو کا قطع کرنا مصلحت حیات کو ناقص کر دیتا ہے اور کبھی اس کا اثر نفس تک پہنچ کر حیات کو زائل بھی کر دیتا ہے اور مثل میں ایسا نہیں ہے۔

۲۱ آیت کے شروع میں جو لَکُمْ ہے اس میں یہ لطیفہ ہے کہ یہ بیان اس عنایت کا ہے جو بالتخصیص مؤمنین کے لئے ہے اور مؤمنین کی خصوصیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراد مؤمنین کی حیات ہے نہ کہ دوسروں کی، گو دوسروں میں بھی اس کا تحقق ہو جائے۔"

(الاتقان اردو، جلد دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۲ تا ۱۷۵)

؎ اس آیۂ مبارکہ میں ستّرہ الفاظ اور بیس بدائع ہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور ایجاز کے بارے میں خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں رقمطراز ہیں: "قولہ تعالیٰ: وَقِیْلَ

وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ [1]	کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جُودی پہ ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دُور ہوں بے انصاف لوگ۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَّمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ [2]	تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پہ پکڑا، تو ان میں کسی پہ ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا۔

یہ اور ان جیسی کتنی ہی آیتیں بلکہ قرآنِ کریم کا اکثر حصہ ایسا ہے کہ اس کے ایجازِ الفاظ کثرتِ معانی، عبارت کی عمدگی، حروف کی نشست کا حُسن اور کلمات کے تناسب کے بارے میں جو کچھ بطورِ نمونہ ہم نے بیان کیا ہے اس کی حقیقت ہر اس شخص پہ واضح ہو جائیگی جو اس میں غور و فکر کرے اور اُس پہ یہ حقیقت کھلتی چلی جائیگی کہ اس کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے فصلیں اور علوم کے ذخیرے پنہاں ہیں اور جس سے غواصی کر کے دفتروں کی صورت میں علمی کارناموں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور اس سے مسائل اخذ کر کے کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) يَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ (الآیہ) امر، نہی، خبر، ندا، نعت، تسمیہ، ہلاکت بقا، سعادت، شقاوت اور قِصّہ کو جامع ہے اور بلاغت، ایجاز بیان اور بدیع جو اس جملہ میں ہیں اگر ان کی شرح کی جائے تو قلمیں خشک ہو جائیں۔ اس آیت کی بلاغت کے متعلق میں نے علیحدہ کتاب تالیف کی ہے۔ کرمانی کی العجائب میں ہے کہ معاندین نے باوجود تلاش و جستجو کے جب عرب اور عجم میں کوئی ایسا کلام نہ پایا جو باوجودِ ایجازِ غیر مخل کے الفاظ کی عظمت اور حُسنِ نظم اور جودتِ معانی کے لحاظ سے اس آیت کے مثل ہو تو اس امر پہ اتفاق کر لیا کہ طاقتِ بشری اس آیت کے مثل پیش کرنے سے قاصر ہے۔ (الاتقان اردو، جلد دوم، ص ۱۷۱)

[1] پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۴۴، [2] پارہ ۲۰، سورۂ العنکبوت، آیت ۴۰،

اگر قرآنِ کریم کے بیان فرمودہ طول طویل قصّوں اور زمانۂ ماضی کے واقعات کو دیکھے تو غائر کرنے والا دیکھے گا کہ یہ انتہائی مربوط، تسبیح کے دانوں کی طرح ملے ہوئے مناسب اور الفاظ ایک دوسرے کے موافق ہیں جبکہ فصحاء کا کلام ایسے مواقع پر کمزور پڑ جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ اور دوسرے واقعات و قصص کو دیکھئے کہ طویل اور بار بار بیان ہوئے کہ کثرت سے تکرار ہے اور ہر عبارت دوسری مختلف ہے لیکن ایک ایک عبارت کی خوبی دوسری عبارت کی خوبیوں کو بھلا دیتی ہے۔ ہر آیت کا حُسن دوسری سے بڑھ کر نظر آتا ہے اور ایک ہی بات جب تکرار ہوتی ہے تو نہ طبیعت کو متنفر کرتی ہے اور نہ گوار ہی گزرتی ہے:

فصل-۴

اعجاز القرآن کی دوسری وجہ

قرآن کریم کا معجزہ ہونے کی دوجہ اس کا نظمِ عجیب اور اسلوب غریب ہے جو کلامِ عرب کے اسالیب نظم و نثر کے خلاف ہے اس کی ہر آیت کے آخر میں وقفہ ہے جو کلمات کے وصل کی انتہا ہے اس کی ماقبل و مابعد نظیر پائی نہیں گئی اور نہ کوئی اس جیسا کلام لانے پر قادر ہے بلکہ اس کے اعجاز کو دیکھ کر عقل بھی انگشت بدنداں اور عقلاء ششدر و حیران ہیں اور انہیں نثر، نظم، سجع، رجز اور شعر میں سے کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جسے کلام الٰہی کے مقابلے پر پیش کر سکیں۔

چنانچہ جب ولید بن مغیرہ نے سرورِ کون و مکاں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے کلام الٰہی کی چند آیتیں سماعت کیں تو اس کا دل پگھل کر رہ گیا اور وہ بڑا متاثر ہوا۔ ابوجہل کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس کے پاس کلام الٰہی کا انکار کرتا ہوا پہنچ گیا اور اسے شعر بتایا۔ ولید نے کہا۔ خدا کی قسم، تم میں کوئی ہے جو شعر کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہو۔ جو کلام وہ

(فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پیش فرما رہے ہیں اس کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے

ولید بن مغیرہ کے بارے میں دوسری خبر یہ ہے کہ ایامِ حج میں اس نے قریش کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ حج کے لئے قافلے آنے والے ہیں لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اُن (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیں ورنہ اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے کی خود ہی تکذیب ہو جائے گی لہٰذا سب کو ایک ہی بات کہنی چاہیئے۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم انہیں کاہن بتائیں گے۔ ولید نے کہا۔ واللہ وہ کاہن تو نہیں ہیں کیونکہ ان میں کاہنوں کی طرح گنگنانا اور ان جیسے عقل ڈھکوسلے نہیں ہیں کہنے لگے تو ہم انہیں مجنون بتائیں گے۔ ولید نے کہا۔ واللہ وہ مجنون بھی نہیں ہیں کیونکہ مجانین کی طرح نہ ان کی باتیں بیہودہ ہیں اور نہ انہیں وسوسے میں ڈالا ہوا ہے۔ کہنے لگے تو ہم انہیں شاعر بتائیں گے۔ ولید نے جواب دیا کہ واللہ! وہ شاعر بھی نہیں ہیں کیونکہ ہم شعر کی جملہ اقسام کو جانتے ہیں خواہ رزمیہ ہو یا بزمیہ اور اس کے حسن و قبیح نیز بسط و قبض کو پہچانتے ہیں لیکن شاعری ان کے کلام میں نظر نہیں آتی۔ کہنے لگے تو ہم انہیں جادوگر بتائیں گے۔ ولید کہنے لگا کہ اُن میں جادوگروں کی طرح جھاڑ پھونک کرنا اور گرہیں لگانا بھی نہیں ہے۔ ولید کہنے لگا کہ ہم حیران ہیں کیونکہ ان میں سے جو بات بھی ہم اس کے بارے میں کہیں وہ نرا جھوٹ اور محض بے اصل بات ہوگی۔ ہاں ان میں سے ایک بات دل کو لگتی ہے کہ ہم ان کے بارے میں پروپیگنڈے کے طور پر یہی کہیں کہ وہ ایسے جادوگر ہیں کہ باپ بیٹے، میاں بیوی اور خویش و اقارب میں جدائی ڈال دیتے ہیں۔ سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ان راستوں میں جا بیٹھے جدھر سے قافلے آنے والے تھے اور آنے والے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے متوحش کرتے رہے چنانچہ اس ساری کارگزاری کے سرغنہ یعنی ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ـ اسے مجھ پر چھوڑ جسے مَیں نے اکیلا پیدا

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ـ کیا ہے اور اُسے وسیع مال دیا اور

وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّ مَهَّدْتُّ
لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ
اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ
لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ
صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ
وَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝
ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝
ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۝
فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا
سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝

لہ

بیٹے دیئے سامنے حاضر رہتے اور مَیں نے اس کے لئے طرح طرح کی تیاریاں کیں پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دُوں ہرگز نہیں، وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے قریب ہے کہ میں اُسے آگ کے پہاڑ صعود پہ چڑھاؤں. بیشک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی تو اس پہ لعنت ہو کیسی ٹھہرائی. پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی. پھر نظر اٹھا کر دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا. پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا. پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا ہُوا.

اِسی طرح جب عُتبہ بن ربیعہ نے قرآنِ کریم سُنا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مَیں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جسے سیکھا اور پڑھا نہ ہو، لیکن خدا کی قسم مَیں نے یہ ایسا کلام سُنا ہے کہ اس جیسا پہلے پڑھا اور سُنا نہیں تھا. یہ نہ تو شعر ہے اور نہ سحر و کہانت نضر بن حارث نے بھی ایسا ہی کہا ہے.

جو حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا باعث ہوئی اُس میں ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی اُنیس کی تعریف میں کہا تھا کہ مَیں نے بخدا کسی کے بارے میں نہیں سُنا کہ میرے بھائی سے بڑھ کر شاعر ہو. کیونکہ دورِ جاہلیت میں انہوں نے بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا تھا. جن میں سے ایک میں بھی ہوں چنانچہ وہ مکہ مکرمہ گئے اور وہاں سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خبر لائے مَیں نے پوچھا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں جواب

دیا کہ لوگ تو انہیں شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن میں نے کاہنوں کی باتیں بھی سُنی ہیں مگر ان میں کاہنوں والی کوئی بات نہیں پائی۔ میں نے اُن کے کلام کو شعر کے مقابل رکھا تو میرے سمیت کسی شاعر کے کلام سے وہ کلام مطابقت نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم وہ یقیناً سچے ہیں اور ان پر قسم قسم کے بہتان لگانے والے بالکل جھوٹے ہیں۔ اس سلسلے میں اور بھی بکثرت احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

قرآن کریم معجزہ ہونے کے لحاظ سے مذکورہ دونوں وجہ سے معجزہ ہے یعنی محض ایجاز و بلاغت کے لحاظ بھی اور محض اسلوبِ غریب کے باعث بھی۔ محققین کی رائے یہی ہے کہ ان میں سے ہر صورت معجز نما ہے اور اہل عرب اِن میں سے کسی ایک قسم کا مقابلہ بھی نہیں کر سکے تھے کیونکہ یہ چیز اُن کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اور لوگوں کی فصاحت کے مقابلے میں یہ کلام اپنی نظیر آپ ہے۔

اکثر محققین اور بعض بزرگ اس جانب گئے ہیں کہ قرآن کریم کا معجزہ ہونا ایجاز و بلاغت اور اسلوبِ غریب دونوں کے مجموعے کے لحاظ سے ہے اور اپنے اس مدّعا پر انہوں نے ایسے دلائل قائم کیے ہیں جن کا سننا کانوں پر گراں گزرتا ہے اور دل اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جبکہ صحیح مؤقف وہی ہے جس کی وضاحت ہم پیش کر آئے ہیں اور ان جملہ امور کا علم قطعی اور یقینی ہے۔ جس شخص کو فنِ بلاغت میں کمال حاصل ہو اور جس نے زبان و ادب کے فن سے اپنے دل و دماغ کو مزین کر رکھا ہو۔ اس پر ہمارے بیان کی صداقت پوشیدہ نہیں ہے۔

آئمہ اہلِ سُنّت و جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان وجوہاتِ عجز کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ لوگ کسی وجہ سے قرآنِ کریم کا مثل نہ لا سکے۔ اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ قرآنِ عزیز میں قوت۔ جزالت، فصاحتِ الفاظ، حُسنِ نظم، کمالِ ایجاز، بدیع تالیف اور اسلوبِ غریب وغیرہ کی ایسی خوبیاں جمع ہیں جو انسانی طاقت سے خارج اور خرقِ عادت کے قبیل سے

ہونے کے باعث محال ہے کہ انسان ان پر قادر ہو سکے، جیسے مُردوں کا زندہ کرنا، لاٹھی کا سانپ بنانا اور کنکریوں سے کلمہ پڑھوانا وغیرہ۔

شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہیں کہ قرآن کریم کا مثل لانا ان امور میں سے ہے جن پر انسان کا قادر ہونا ممکن ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں اس کی طاقت مرحمت فرما دے لیکن آج تک اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت نہ کسی کو عطا فرمائی ہے اور نہ آئندہ عطا فرمائے گا غرضیکہ اس امر کو بندوں کی قدرت کے تحت دینے سے ہاتھ روک رکھا ہے اور انہیں اس کے معارضہ سے عاجز کر رکھا ہے اور اس قول کی ان کے اصحاب سے ایک جماعت قائل ہے۔

بہر حال اہل عرب کا اس کی مثل لانے سے عاجز رہنا دونوں طرح ثابت ہے اور اسے اگر انسان کے تحت قدرت مان لیا جائے تو اور بڑھ کر حجت قائم ہوتی ہے۔ اس صورت میں معاندین اور معارضہ کرنے والوں سے کہا جائیگا کہ اگر سچے ہو تو اس جیسا لے آو۔ چونکہ ممکن ہونے ہوئے نہ لاسکیں گے تو اس صورت میں ان کا عجز اور نمایاں ہو جاتا ہے اور انہیں زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ایک چیز جو انسان کی قدرت سے خارج ہے اگر وہ اسے نہ کر سکا تو ظاہر ہے کہ وہ کرنے سے عاجز ہی تھا لیکن اگر کوئی امر ایسا ہو کہ انسان اس پر قادر ہو اور پھر نہ کر سکے تو یہ اس کے انتہائی عاجز ہونے کی دلیل ہے۔

بہر حال وہ کسی طرح بھی قرآن کریم کا مثل نہ لا سکے اور جلا وطنی، قتل اور قیدی ہونا برداشت کرتے رہے۔ انہیں ذلت و حقارت کے کڑوے پیالے پینے پڑ رہے تھے حالانکہ وہ بڑے خود دار اور مغرور تھے۔ اگر معارضہ پر قادر ہوتے تو کبھی بخوشی یہ ذلت و خواری برداشت نہ کرتے بلکہ معارضہ کرنا اپنے لیے بدرجہا آسان شمار کرتے کیونکہ اس کے ذریعے ان کا مقصد بڑی آسانی سے حاصل ہوتا تھا اور عذر بھی دفع ہوتا تھا۔ نیز اپنے مخالف کا منہ بھی اچھی طرح بند کر سکتے تھے لیکن کلام پر قدرت تامہ رکھتے اور علم و ادب میں وگوں

کی پیشوائی کادم بھرنے کے باوجود وہ قرآنِ کریم کا مثل نہ لا سکے۔

ان میں سے کوئی ایسا نہ رہا ہوگا جس نے بساط بھر اس امر کی کوشش نہ کی ہو گی۔ کون ایسا ہو گا جس نے قرآن کریم کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنے، مثل لاکر اسے عام کتاب ظاہر کرنے اور اس شمعِ ہدایت کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش نہ ہو کی لیکن قرآن عزیز کے معارضہ میں ان سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ انہیں اتنی طویل مہلت ملی اور ان کی جماعت اتنی کثیر تھی اور معارضہ کی خاطر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بھی تھے۔ اس کے باوجود وہ اس میدان میں ایک قدم بھی نہ چل سکے جب کوئی پیش نہ گئی تو آس توڑ بیٹھے۔ زبانوں پہ قفل لگ گئے اور قلم ٹوٹ گئے۔ پس قرآنِ مجید اپنی ان دونوں خوبیوں کے لحاظ سے معجزہ ہے اور ان میں سے ہر خوبی اپنی جگہ بھی مستقل معجزہ ہے۔

فصل - ۵

اعجاز القرآن کی تیسری وجہ

قرآنِ کریم کے اعجاز کی تیسری وجہ وہ غیبی خبریں ہیں جن کے بارے میں کتاب عزیز نے ان کے وقوع سے پہلے خبر دی اور پھر وہ اسی طرح وقوع میں آئیں جس طرح خبر دی گئی تھی۔ ان میں سے ایک یہ ہے جس کے بارے میں اللہ جلّ مجدہٗ نے یوں فرمایا ہے:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ [1]	بیشک تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہو گے۔ اگر اللہ چاہے، امن و امان سے، اپنے سروں کے بال منڈواتے اور ترشواتے بے خوف۔

[1] پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۲۷،

اور اللہ جلّ مجدہٗ نے یہ بھی فرمایا ہے ؛۔

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝[1]	اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہونگے (رومی) چند برس میں ۔

اسی سلسلے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے ؛۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝[2]	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ ۔

اور اہل ایمان کو خلافت کی بشارت سے نوازتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے ؛

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ[3]	اللہ نے وعدہ دیا اُن کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی اُن سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لئے جمادیگا ان کا یہ دین جو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا ۔

حبیب پروردگار سے یہ بھی فرمایا گیا ؛

اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ	جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس

---

[1] پارہ ۲۱، سورۂ الروم، آیت ۳، ۴ ، [2] پارہ ۲۶ ، سورۂ الفتح، آیت ۲۸ ،
[3] پارہ ۱۸، سورۂ النور، آیت ۵۵ ،

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ ؎ سے بخشش چاہو، بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا ہے

چنانچہ یہ سب باتیں اسی طرح ظہور پذیر ہوئیں جس طرح ان کے بارے میں خبر دی گئی ہیں، چند سال بعد روم نے فارس (ایران) پر غلبہ پا لیا۔ وہ وقت بھی آیا کہ لوگ فوج در فوج دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا اور کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہ گئی تھی جہاں اسلام نہ پہنچ گیا ہو۔ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے خلافت سے بھی نوازا، دین کی بنیادیں پوری طرح مضبوط فرما دیں اور مشرق سے مغرب تک ساری زمین پر مسلمانوں کو قبضہ مرحمت فرما دیا، جس کے بارے میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے زمین کے مشرق و مغرب دکھائے گئے ہیں اور قریب ہے کہ میری امت کا تسلط وہاں تک پہنچے گا جہاں تک کہ زمین میرے لئے لپیٹ گئی ہے۔ ——— اسی طرح غیبی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ — بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ؎ — ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

یہ جس طرح وعدہ فرمایا گیا اسی کے مطابق واقع ہوا ہے۔ حالانکہ آج تک کتنے ہی لوگوں نے اس کی آیات اور احکام کو بدلنے کی کوشش کی اور خاص طور پر قرامطہ نے تو اس میں تغیر و تبدل کر دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، ہر قسم کا فریب روا رکھا اور اپنی پوری صلاحیت و توانائی اس مقصد پر خرچ کر کے دیکھ لی۔ ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا لیا لیکن کلام الٰہی کو نازل ہوئے پانچ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے پھر بھی اس شمعِ ہدایت کو معاندین کی آندھی بجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں نہ اس کا ایک حرف تبدیل کر سکے

؎ پارہ ۳۰، سورۂ النصر، آیت ، ؎ پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۹،

اور نہ مسلمانوں کے دلوں میں تشکوک و شبہات ڈال سکے والحمد للہ والمنۃ

اِسی طرح یہ غیبی خبر:

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ¹ — اب بھگائی جاتی ہے۔ یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے غیبی خبر دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:-

قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ ² — تو اس سے لڑو۔ اللہ انہیں عذاب دیگا تمہارے ہاتھوں اور انہیں رُسوا کریگا اور تمہیں ان پہ مدد دیگا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کریگا اور ان کے دلوں کی گھٹن دُور فرمائیگا اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول کریگا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:-

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ³ — وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔ بُرا مانیں مشرک۔

نیز مسلمانوں کو قبل از وقت یہ بھی فرما دیا تھا:-

---

¹ پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۴۵ ² پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت

³ پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۳۳)۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ؎۱	وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی

بفضلہٖ تعالیٰ یہ جملہ امور اسی طرح واقع ہوئے جس طرح خبر دی گئی تھی

اسی طرح بعض وہ آیات ہیں جن میں منافقین اور یہود کی مخفی سازشوں اور ان کے بعض نامعقول اقوال کا راز فاش کیا گیا ہے اور کلام الٰہی میں انہیں ڈانٹ پلائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۝ ؎۲	اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر

اسی طرح منافقین کا ایک مقولہ قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا:-

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ؎۳	اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور اس لیے کہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

؎۱ پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۱۱، ؎۲ پارہ ۲۸، سورۂ المجادلہ، آیت ۸،

؎۳ پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۵۴،

اور اللہ تعالیٰ نے یہود کی کارگزاری کے بارے میں یہ فرمایا ہے:۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ [1]	کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس حاضر نہ ہوئے۔ اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پہ یہود بے بہبود کی کرتوت یوں ظاہر فرمائی ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ [2]	کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کے متعلق جو وعدہ فرمایا ہوا تھا اور جس پہ مسلمانوں کا یقین کامل تھا اس کے بارے میں قرآن کریم نے یہ اعلان فرمایا تھا:۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ [3]	اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

---

[1] پارہ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۴۱ — [2] پارہ ۶، سورہ نساء، آیت ۴۶،

[3] پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۷

اور ایسے ہی امورِ غیبیہ سے قرآن کریم کی یہ خبر ہے:

اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ ﴿ۙ﴾	بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت
الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا	کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے
اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿﴾ ۱	ہیں۔ تو اب جان جائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شمعِ رسالت کے پروانوں کو یہ خوش خبری سُنائی کہ ان تمسخر کرنے والوں کے مقابلے میں میری جانب سے اللہ تعالیٰ کفایت فرمائے گا۔ تمسخر اُڑانے والے معاندین و حاسدین کی مکہ مکرمہ میں ایک کثیر جماعت تھی، جو لوگوں کو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے روکتے اور بساط بھر ایذا رسانی میں کوشاں رہتے تھے (وعدۂ الٰہی کے مطابق) آخر کار وہ سب کے سب ہلاک ہوئے۔

حبیبِ خدا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حفاظت کے بارے میں یہ وعدہ بھی فرمایا گیا:۔

وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۲	اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے اللہ

چنانچہ اکثر لوگ آپ کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہتے تھے لیکن جو کچھ اللہ جلّ مجدہٗ نے وعدہ فرمایا تھا اسی کے مطابق ہوا اور وقتِ وصال تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھا۔ اس قسم کے کتنے ہی واقعات احادیثِ صحیحہ مشہورہ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

فصل ۶

اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ زمانۂ ماضی کی وہ خبریں جو اُمتوں کے ہلاک ہونے اور اگلی شریعتوں کے بارے میں ہیں جن کو اہلِ کتاب کے صرف چند سرکردہ علماء ہی جانتے تھے اور انہوں نے مدتوں اُن کی

---

۱ پارہ ۱۴، سورہ الحجر، آیت ۹۵، ۹۶ ۲ پارہ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۶۷

تحقیق و تحصیل کی اور عمریں ان کی تلاش و جستجو میں صرف کر دیں تھیں لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کو اسی طرح بیان فرما دیا جس طرح ان کا وقوع ہوا تھا اور جس طرح اُن محققین کی تصانیف میں وہ خبریں درج تھیں چنانچہ صورتِ حال سے واقف انصاف پسند علمائے اہلِ کتاب نے آپ کے بیانات کی صحت و صداقت کو تسلیم کر لیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اُمّی محض ہیں۔ آپ نے کسی سے نہ تو پڑھنا لکھنا سیکھا ہے، نہ کبھی کسی مکتب میں جا کر کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے ہیں نہ کبھی علماء و فضلاء کی صحبت اختیار کی ہے اور نہ کبھی وہ اُن کے سامنے سے (کچھ عرصہ کے لئے) غائب رہے (کہ اُس عرصے میں علم حاصل کر لیتے) غرضیکہ وہ آپ کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔

اسی لئے اکثر اہلِ کتاب آپ سے ایسی باتیں دریافت کرتے رہتے تھے اور آپ قرآنِ کریم کی آیات تلاوت کر کے انہیں خبریں دیتے اور نصیحت فرماتے رہتے تھے یعنی انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے حالات جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعات۔ حضرت یوسف علیہ السّلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ، اصحابِ کہف۔ ذی القرنین، حضرت لقمان اور اُن کے بیٹوں کے قصے۔ اسی طرح دیگر انبیائے کرام کی خبریں دینے، دنیا کی پیدائش کا حال بتاتے اور بعض اُن باتوں کی خبر دیتے جو توریت۔ انجیل۔ زبور، صحفِ ابراہیم اور صحفِ موسیٰ میں تھیں (اور اہلِ کتاب انہیں چھپاتے تھے) لیکن انصاف پسند علمائے اہلِ کتاب ان کی تکذیب نہ کر سکے بلکہ آپ کی تصدیق کرتے ہی بنی اور توفیقِ الٰہی نے جس کا ساتھ دیا وہ ازلی رحمت سے حصّہ پا کر آپ پر ایمان لے آیا اور کتنے ہی اپنی بدبختی اور عناد کے باعث انکار پہ اڑے رہے۔

یہود و نصاریٰ اگرچہ آپ کے ساتھ پوری طرح عداوت رکھتے اور تکذیب میں پوری سرگرمی دکھاتے تھے لیکن جب سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اُن کی کتابوں سے ان پر حجت قائم فرماتے جن پر ایمان رکھنے کا انہیں دعویٰ تھا اور ان باتوں کے ذریعے انہیں شرمندہ کرتے جو خود ان کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں۔ خود بھی وہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم

سے شرارت کے طور پر انبیاء سابقہ کے حالات، علوم مخفیہ اور گمنام قصے اکثر دریافت کرتے تھے اور آپ اُن کو کتبِ سابقہ اور شرائع مخفیہ سے جواب مرحمت فرماتے جیسے کہ آپ سے رُوح، ذوالقرنین، اصحابِ کہف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حکمِ رجم کے بارے میں سوالات کئے گئے تھے اور پوچھا گیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسی چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں نیز یہ کہ وہ کونسے جانور اور پاکیزہ چیزیں تھیں جو پہلے سے بنی اسرائیل پر حلال تھیں لیکن ان کی سرکشی کے باعث بعد میں حرام قرار دی گئیں۔ ——— اسی طرح علومِ مخفیہ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ [۱]

یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی۔ کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔

اس کے سوا اور بھی کتنی ہی باتیں ہیں جن کے بارے میں وہ سوال کرتے اور آپ انہیں اس وحی کے ذریعے بتا دیتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں کوئی خبر ایسی پائی نہیں گئی کہ وہ لوگ آپ کو جھٹلا سکے ہوں بلکہ اُن میں سے اکثر لوگوں نے آپ کا سچا نبی ہونا تسلیم کر لیا اور آپ کے ارشاداتِ عالیہ کی تصدیق فرمائی اور برملا اعتراف کیا کہ یہودی آپ کی مخالفت پر از راہِ بغض و عناد ہی قائم ہیں جیسے اہل نجران، ابن صوریا اور اخطب یہودی کے دونوں بیٹے وغیرہ۔ اگر کسی نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی اور کہا کہ ہماری کتابوں میں آپ کے

---

[۱] پارہ ۲۶، سُورۂ الفتح۔ آیت ۲۹

فرمان کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے تو اتمامِ حجت اور اثباتِ دعویٰ کی خاطر آپ کو یہ حکم ملا تھا:-

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[۱]	تم فرماؤ، توریت لاکر پڑھو، اگر تم سچے ہو تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہی ظالم ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم یہود کو اپنے ارشادات کے خلاف کتب سابقہ سے دکھانے کا سختی کے ساتھ حکم فرماتے رہے حالانکہ ان سے ایسا مطالبہ کیا جارہا تھا کہ اگر واقعی خلاف موجود تھا تو اس کا دکھا دینا قطعاً ناممکن نہیں تھا اور نہ ذرا بھی مشکل تھا لیکن بعض لوگوں نے تو برملا اس امر کا اعتراف کرلیا کہ وہ محض اسلام دشمنی میں انکار پر ڈٹے ہوئے تھے جبکہ بعض بے حیائی سے کتاب لاکر پیش کرتے اور مطلوبہ عبارت پر ہاتھ رکھ لیتے تھے، جو یقیناً اُن کی رُسوائی کا باعث ہوتی تھی لیکن ایسا قول کتبِ سابقہ سے کوئی پیش نہیں کیا جاسکا جو آپ کے ارشاداتِ عالیہ کے خلاف ہو اور اُن کی تغلیط کرتا ہو۔ اسی لئے تو اللہ جلّ مجدہٗ نے یہ فرمایا ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝	اے کتاب والو! بیشک تمہارے پاس یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں۔ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب

---

[۱] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۹۳، ۹۴۔

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ [1]

اللہ اِس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پہ چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دِکھاتا ہے۔

فصل۔ ۷

اعجاز القرآن کی پانچویں وجہ

قرآنِ کریم کے اعجاز کی جو چار وجوہات گزشتہ فصلوں میں بیان کی گئی ہیں، وہ ایسی ہیں کہ اُن میں کسی قسم کا نزاع یا شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اِن کے علاوہ بھی قرآنِ کریم کے اعجاز کی اور وجوہات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی خاص کام میں کسی مخصوص قوم کے عجز کو ظاہر فرمایا گیا ہے یعنی بعض آیات میں اِس بات کی خبر دی گئی ہے کہ وہ لوگ یہ کام نہیں کر سکیں گے اور اِس اعلام کے بعد بھی واقعی وہ لوگ اُس کام کو ہرگز نہ کر سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا ہے:۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا

تم فرماؤ، اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لئے ہو، نہ اوروں کے لئے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر سچے ہو۔ اور ہرگز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے۔ بداعمالیوں کے سبب

---

[1] پارہ ۶، سورۃ المائدۃ - آیت ۱۶،۱۵

قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ o ؎	جو آگے کر چکے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

ابو اسحاق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی حجت اور صحتِ رسالت کی روشن دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہود کو موت کی آرزو کرنے کا حکم دیا وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وہ موت کی ہرگز آرزو نہیں کریں گے چنانچہ یہود سے کسی نے موت کی تمنا کی بھی نہیں اسی لئے فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی یہودی موت کی تمنا کرے بھی تو یہ آرزو اُس کے گلے کا پھندا ثابت ہوگی اور وہ فوراً مر جائے گا پس اللہ تعالیٰ نے خوف کو اُن کے دِلوں پر مسلّط کرکے اُنہیں موت کی تمنا کرنے سے روک رکھا ہے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صداقت اور وحی کی صحت سب پر ظاہر ہو جائے اِسی لئے کِسی یہودی نے موت کی تمنا نہیں کی حالانکہ وہ لوگ آپ کو جھٹلانے کی بہت بھاگ دَوڑ کرتے ہیں لیکن یہ کام نہیں کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور اُس نے اس طرح اپنے حبیب کے معجزے کو ظاہر اور حجت کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

ابو محمد اصیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے اللہ جلّ مجدہٗ نے سیّدنا محمّد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر یہ حکم نازل فرمایا ہے اس روز سے یہود کی کسی جماعت یا فرد نے اس تمنا کی جانب ایک قدم بھی نہیں بڑھایا اور نہ کوئی اس بات کو اپنے لئے پسند ہی کرتا ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، جس کا دِل چاہے وہ آج بھی اِسے آزما کر دیکھ سکتا ہے۔ ـــــــ اسی قبیل سے آیت مباہلہ ہے۔ جب نجران کے عیسائیوں کا سردار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مباہلہ نازل فرمائی :۔

؎ پارہ پہلا۔ سورۃ البقرہ۔ آیت ۹۴، ۹۵

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥ [1]	پھر اے محبوب ! جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مُباہلہ کریں تو جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں ۔

تو ان لوگوں نے مُباہلہ نہ کیا بلکہ جذیہ دینے کی ذلت گوارا کر لی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان کے سردار عاقب نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ جب بھی کسی نبی نے اپنی قوم پر لعنت کی تو اس قوم کے خورد وکلاں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔

اسی کے مانند یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ٥ [2]	اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بُلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار کر رکھی ہے کافروں کے لئے

---

[1] پارہ ۳، سورہ آلِ عمران، آیت ۶۱ [2] پارہ پہلا، سورہ البقرہ، آیت ۲۳، ۲۴

اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ خبر دی تھی کہ وہ قرآن کریم کا مثل نہ لاسکیں گے اسی طرح واقع ہوا کہ اس کا مثل کوئی نہ لاسکا۔ یہ آیت اگرچہ غیبی خبروں میں شمار کرنے کے زیادہ لائق ہے (اور فاس فصل میں شمار کی جاچکی ہے) لیکن اس میں چونکہ کفار کو عاجز کرنا بھی پایا جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی مذکور ہوئی۔

فصل - ۸

اعجاز القرآن کی چھٹی وجہ

قرآن کریم کے اعجاز کی وجوہات میں سے ایک وجہ (چھٹی وجہ) وہ رعب اور دبدبہ ہے جو اس کی عظمت و رفعت کے باعث پڑھنے اور سننے والوں کے دل پر چھا جاتا ہے۔ یہ بات سننے والوں پر بڑی گراں گزرتی اور اسی لئے وہ کوشاں رہتے تھے کہ اس کے سننے سے بچے رہیں۔ اس نفرت کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ [1]	اور جب تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کی یاد کرتے ہو، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے۔

جب وہ اس کا سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے تو اس کا پڑھنا بھلا کیوں گوارا کرنے لگے تھے۔ اسی لئے حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن عزیز کو ناپسند کرتا ہے اس کے لئے یہ گراں ہے کیونکہ یہ کتاب حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے اور اس کا رعب اور دبدبہ پڑھنے یا سننے کے وقت مومن کے دل کو اللہ جل مجدہٗ کی جانب کھینچتا ہے۔ پس اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے وہ اس کی تہ دل سے تصدیق کرنے لگتا ہے اور اس کی مسرت و شادمانی میں اضافہ ہوتا چلا

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۴۶

جاتا ہے چنانچہ مومن کی اس حالت کے بارے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے :-

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ	اِس سے بال کھڑے ہوتے ہیں اُن کے بدن
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ	پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اُن کی کھالیں
جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى	اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف
ذِكْرِ اللّٰهِ ۝ [1]	رغبت میں ۔

قرآنِ کریم کی اسی ہیبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے :-

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى	اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو
جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا	ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا. پاش
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ [2]	پاش ہوتا اللہ کے خوف سے ۔

یہ ہیبت صرف قرآنِ کریم کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور یہ آیت اس امر پہ بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ خوف اس شخص پہ بھی طاری ہوتا ہے جو اس کے معانی سے آگاہ نہیں ہے. جیسا کہ ایک نصرانی کے متعلق مروی ہے کہ اُس کا گذر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو قرآن کریم پڑھ رہا تھا. وہ سُن کر کھڑا ہو گیا اور رونے لگا. کسی نے رونے کا سبب پوچھا. اس نے جواب دیا کہ اس کلام کی ہیبت اور حسنِ نظم کے باعث روتا ہوں. یہی وہ خوف ہے جس کا کتنے ہی لوگوں نے مسلمان ہونے سے پہلے اور کتنے ہی حضرات نے مسلمان ہونے کے بعد اعتراف کیا ہے. جن میں سے کچھ تو دائرہ اسلام میں آ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو اپنے کفر پہ بدستور ڈٹے رہے. صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۴ھ / ۶۷۲ء) سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نمازِ مغرب میں سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت پہ پہنچے :-

---

[1] پارہ ۲۳، سورۃ الزمر آیت ۲۳، [2] پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت ۲۱

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ۝ [1]

کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں؟ یا آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے، بلکہ انہیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا وہ کڑوڑے (خود مختار) ہیں۔

تو اسے سُن کر قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی جانب اُڑ جاتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ میرے دل میں اسلام کے جاگزین ہونے کا یہ پہلا موقع تھا ——— عتبہ بن ربیعہ کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کلام کے بارے میں گفتگو کی جو آپ اپنی قوم کے خلاف لائے تھے تو آپ نے قرآن کریم کی یہ آیتیں پڑھنا شروع کر دیں:۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ [2]

یہ اُتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئیں۔ عربی قرآن عقل والوں کے لئے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا تو ان میں اکثر نے منہ پھیرا تو وہ سنتے ہی نہیں۔

آپ یہ سورہ برابر پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب تیرھویں آیت کے ان لفظوں پر پہنچے کہ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ تو عتبہ نے اپنا ہاتھ آپ کے دہن مبارک پر رکھ دیا اور اپنی قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا کہ اب بس کیجیے۔

---

[1] پارہ ۲۷، سورۂ الطور، آیت ۳۵ تا ۳۷، [2] پارہ ۲۴، سورۂ حٰمٓ سجدہ، آیت ۱ تا ۴

عُتبہ نے قرآن سُنا

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا اور عتبہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی جانب ٹیک لگا کر سُننا شروع کر دیا۔ جب آپ پڑھتے ہوئے وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّھَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ پر پہنچے تو سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے سجدہ کیا۔ (آپ کو سجدے میں دیکھ کر) عتبہ کھڑا ہوا اور اپنے گھر کو چلا گیا اور کئی روز تک گھر سے باہر نہ نکلا۔ یہاں تک کہ لوگ خود اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ مَیں تمہارے ساتھ بات کرنے سے معذور ہوں اس لئے کہ مَیں نے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) سے ایسا کلام سُنا ہے کہ میرے کانوں نے اُس کے مانند کلام آج تک نہیں سُنا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کو اس کا جواب کیا دُوں،

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے معارضے کا ارادہ کیا لیکن اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہیں یہ ارادہ ترک کرنا پڑتا۔ روایت ہے کہ ابن مقنع نے جب یہ ارادہ کر کے کچھ لکھنا چاہا تو اس کے قریب سے ایک بچہ گزرا جو یہ پڑھ رہا تھا، قِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ تو اس نے اپنے ارادے سے رجوع کر لیا جو چند لفظ لکھے تھے انہیں (مقابلے پر بیکار دیکھ کر) مٹا دیا اور بیساختہ پکار اُٹھا کہ مَیں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کسی انسان سے ممکن نہیں کیونکہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ شخص اپنے دَور کا بلند پایہ فصیح وبلیغ تھا۔

یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ اندلس میں یحییٰ بن حکم غزال ایسا شخص تھا، جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے معارضہ کے ارادے سے سورۂ اخلاص کو بنظرِ غائر دیکھا تو اس پر ایسا خوف طاری ہوا اور دہشت چھائی کہ اُسے یہ ارادہ ترک کرتے ہی بنی اور اس خوف نے اُسے تائب ہونے اور خدا کی جانب رجوع ہونے پر مجبور کر دیا۔

فصل-۹

اعجاز القرآن کی ساتویں وجہ

اعجاز القرآن کی وجوہات میں سے ایک وجہ اس کا رہتی دنیا تک باقی رہنا بھی ہے یعنی جب تک دنیا باقی رہے گی یہ بھی دنیا میں موجود رہے گا کیونکہ اللہ جلّ مجدہٗ نے اس کی حفاظت کی ذمّہ داری خود لی ہے چنانچہ فرمایا ہے:-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ہ [1]	بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اور اس سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ہ [2]	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

جملہ انبیائے کرام کے معجزات کا یہ حال ہے کہ جیسے ہی کسی نبی کا زمانہ گزرا تو ان کا معجزہ بھی آئی گئی چیز ہو جاتی اور ان حضرات کے جملہ معجزات کا صرف ذکر ہی باقی رہ گیا ہے لیکن ہمارے آقا و مولیٰ، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ قرآن کریم ہے جو کتنی ہی نشانیوں اور معجزوں کا مجموعہ ہوتے کے ساتھ ابتدائے نزول سے آج تک اسی طرح موجود ہے حالانکہ پانچ سو پینتیس برس گزر چکے ہیں (جبکہ اب ۱۳۹۹ھ ہے) اور اس کی حجت سب پر غالب اور اس کا معارضہ ممتنع ہے حالانکہ ہر زمانہ علم و ادب کے ماہرین اور میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسواروں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو

---

[1] پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۹ ، [2] پارہ ۲۴، سورۂ حٰم سجدہ، آیت ۴۲

سر رہے ہے ملحد تھے یا شریعت محمدیہ کے مخالف لیکن کوئی اس کے معارضہ پہ قادر نہ ہو سکا کیونکہ ایسی ایک بھی خبر منقول نہیں ہے اور جس نے ایسی کوشش کی بھی وہ رائگاں ثابت ہوئی بلکہ منقول تو یہی ہے کہ ایسے ہر شخص کو اپنے عجز کا اعتراف کر کے اس ارادے سے رجوع کرنا پڑا۔

فصل-۱۰

اعجاز القرآن کی آٹھویں وجہ

اکثر ائمہ سلف اور ان کے مقلدین نے اعجاز القرآن کی کتنی ہی وجوہات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا کبھی اکتاتا نہیں ہے بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جائے اُسی قدر حلاوت اور بڑھتی چلی جاتی ہے اور جتنا کو اسے دہرایئے اتنا ہی ذوق و شوق اور فزوں تر ہوتا جاتا ہے اور اشتیاق ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسری کوئی کتاب خواہ وہ فصاحت و بلاغت میں کتنی ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو لیکن اس کا بار بار پڑھنا ایک قسم کا بوجھ بن جاتا ہے اور طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے۔

لیکن قرآن جو ہر اس کتاب الہی ہے کہ خلوت میں اس کی تلاوت سے لذت حاصل کی جاتی ہے اور مشکلات کے اندر اس کے ذریعے سکون حاصل ہوتا ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی اور کتاب میں یہ بات پائی نہیں گئی بلکہ بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ انہیں نغمے کے ساتھ خاص طریقے سے پڑھا جاتا ہے تاکہ اس کیفیت کے ساتھ سرور حاصل کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے قرآن کریم کی توصیف میں فرمایا ہے کہ بار بار پڑھنے سے یہ پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے پند و نصائح ختم ہونے والے نہیں، اس کے عجائب فنا نہیں ہو سکتے۔ یہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی چیز ہے کوئی دل لگی کا سامان یا ہنسی مذاق نہیں۔ اس میں غور کرنے سے اہل علم کبھی سیر نہیں ہوں گے۔ کوئی اسے اپنی

نفسانی اغراض کے تابع نہیں کر سکتا اور نہ کوئی زبان اس جیسی ہو سکتی ہے یہ وہ کلام ہے کہ جب جنات نے اسے سنا تو بے ساختہ کہہ اٹھے :

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاه يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ.[1]	ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے۔

اعجاز القرآن کی نویں وجہ

قرآن کریم کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ تمام علوم و معارف کا مجموعہ ہے۔ عام طور پر اہل عرب جس سے ناواقف تھے اور خاص طور پر اعلان نبوت سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی معرفت سے ناآشنا تھے اور نہ یہ مروی کہ اس کے ساتھ آپ کی ملازمت رہی۔ امم سابقہ کے علماء بھی ان علوم و معارف کا احاطہ نہ کر سکے اور ان کی تصانیف میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو ان مضامین پر مشتمل ہو۔ یہ قرآن کریم ہی کی شان ہے کہ اس نے تمام شرائع کے علوم کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور دلائل عقلیہ کے طریقے پر متنبہ کیا گیا ہے گمراہ امتوں کے خیالات باطلہ کو مضبوط دلائل اور روشن حجتوں کے ساتھ رد کیا ہے جن کے الفاظ آسان اور مطالب واضح ہیں۔ کتنے ہی ماہرین نے اپنے دلائل کو یہ رنگ دینا چاہا لیکن ایسا نہ کر سکے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا جو ہے :

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ.[2]	اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے۔ ان جیسے اور نہیں بنا سکتا۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے :

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ	تم فرماؤ۔ انہیں وہ زندہ کرے گا

---

[1] پارہ ۲۹، سورۂ الجن، آیت ۱، ۲ [2] پارہ ۲۳، سورۂ یٰسین، آیت ۸۱ ،

اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ ؎۱ جس نے پہلی بار انہیں بنایا۔

اور اس وحدہٗ لاشریک نے یہ بھی صاف صاف بتا دیا:

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَۃٌ اِلَّا اگر آسمانوں وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا

اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ؕ ؎۲ ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے۔

اس کے ساتھ ہی قرآنِ کریم نے گزشتہ انبیائے کرام کے حالات، گزشتہ اُمّتوں کے واقعات، پند و نصائح، اوامر و نواہی، آخرت کی خبریں، محاسن آداب اور خصائلِ حمیدہ کو اندر سمویا ہوا ہے اور ہر چیز کا بیان اس کے اندر موجود ہے جیسا کہ اللہ جلّ مجدہٗ نے فرمایا ہے:۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ؎۳ ہم اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا ہے۔

اور اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اور ہم نے تم پہ یہ قرآن اُتارا کہ ہر چیز

تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ ؎۴ کا روشن بیان ہے:۔

اور قرآنِ کریم کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ اور بیشک ہم نے لوگوں کے لئے اس

هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ؎۵ قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی۔

نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم کو ایسا نازل فرمایا ہے کہ یہ تنبیہ کرتا ہے، ہدایت دیتا ہے، گزشتہ اُمتوں کے حالات بتاتا

؎۱ پارہ ۲۳، سورہ یٰسٓ، آیت ۷۹، ؎۲ پارہ ۱۷، سورہ الانبیاء، آیت ۲۱

؎۳ پارہ ۷، سورہ الانعام، آیت ۳۸، ؎۴ پارہ ۱۴، سورہ النحل، آیت ۸۹،

؎۵ پارہ ۲۳، سورہ الزمر، آیت ۲۷،

ہے، ماضی و مستقبل کی خبروں پر مطلع کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ بار بار کا پڑھنا بھی اس کو پرانا نہیں کرتا اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ یہ صداقت ہے۔ کوئی دل لگی یا ہنسی کھیل نہیں ہے۔ جس نے اس کے موافق کہا وہ سچ کہتا ہے اور جس نے اس کے مطابق حکم دیا، وہ انصاف کرتا ہے جس نے اس کے ذریعے جھگڑا کیا۔ وہ کامیاب ہوا جس نے اس کے ساتھ تقسیم کی، اس نے انصاف کیا۔ جس نے اس پر عمل کیا۔ اجر پایا۔ اور جس نے اس کو اختیار کیا۔ اس نے صراطِ مستقیم کی جانب راہ پائی۔ جو اس کے سوا کسی اور چیز سے ہدایت کا طالب ہوا۔ اس نے گمراہی اختیار کی۔ جس نے اس کے سوا کسی اور کو حُکم بنایا۔ یہ اس کی گردن مروڑے گا۔

یہ نصیحت دینے والی اور حکمت والی کتاب ہے یہ نورِ مبین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مضبوط عہد ہے۔ یہ شفا دینے والی چیز ہے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے پناہ گاہ ہے جو اس کے ساتھ تمسک کرے اور ہر اس شخص کے لئے ذریعۂ نجات ہے۔ جو اس کی پیروی کرے۔ اس میں کچھ نہیں کہ اسے سیدھا کیا جائے اور اس میں کسی کی جانب جھکاؤ نہیں کہ کوئی اس پر ناراض ہو۔ اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور تلاوت کی کثرت اس کو پرانا نہیں کرتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اُن کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نہ یہ مختلف ہوتا ہے، نہ اس پر کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے اور اس میں اگلی پچھلی سب خبریں ہیں ——— ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا، میں تم پر نئی توریت نازل کر رہا ہوں جس کے ذریعے اندھی آنکھیں۔ بہرے کان اور مقفل دل کھولے جائیں گے۔ اس میں علم و حکمت کے چشمے ہیں اور گلستانِ دل کی بہار ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ تم قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ اس میں عقل و فہم اور حکمت کا نور بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ؎۱	بیشک یہ قرآن ذکر فرماتا ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۔

اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے :۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ؎۲	یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے ۔

الغرض اس کتاب میں تھوڑے الفاظ کے اندر جامع حکمتیں اور مطالب کثیرہ بھر دیئے گئے ہیں جو پہلی کتابوں سے بدرجہا زیادہ ہیں حالانکہ پہلی کتابوں کے الفاظ اس سے کئی گنا تھے

دسویں وجہ اعجاز القرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتاب دلیل و مدلول کو جمع کرنے والی ہے۔ یہ اس طرح کہ اس میں فصاحت و بلاغت کے باعث انتہائی ایجاز و اختصار ہے لیکن ساتھ ہی امر و نہی اور وعدہ و وعید بھی موجود ہیں۔ پس تلاوت کرنے والا ایک سورۃ کے ذریعے دونوں چیزوں کو بخوبی دیکھ سکتا ہے۔

گیارہویں وجہ اس کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کو ایسی نظم کے طریقے پر ترتیب دیا ہے جو پہلے رائج نہ تھی اور یہ نثر کی صورت میں نہیں ہے۔ طبائع پر نظم کا قبول کرنا زیادہ آسان ہے، قلوب اسے جلد یاد کر لیتے اور کان اسے فوراً قبول کرتے ہیں۔ علاوہ بریں نظم کو بہتر طریقے پر سمجھا جا سکتا ہے، لوگ اس کی جانب زیادہ مائل ہوتے ہیں اور خواہش کا رجحان اس کی جانب زیادہ ہے ۔

بارہویں وجہ قرآن کریم کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیکھنے والوں پر اس کا سیکھنا اور حفظ (زبانی) یاد کرنے والوں پر اس کا حفظ کرنا آسان

؎۱ پارہ ۲۰، سورۂ النمل. آیت ۷۶ ؎۲ پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران. آیت ۱۳۸

فرما دیا گیا۔ چنانچہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [1]

اور بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لئے تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

صدیاں گزر گئی ہیں لیکن امتِ محمدیہ کے سوا کسی امت میں ایسا ایک فرد بھی نہیں ہوا جو اپنی پوری کتاب کو حفظاً یاد کر سکا ہو جبکہ قرآن کریم کا حفظ کر لینا بچوں تک کے لئے آسان کر دیا گیا ہے کہ وہ تھوڑی سی مدت میں اسے بآسانی زبانی یاد کر لیتے ہیں۔

تیرہویں وجہ اس کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعض حصے دوسرے سے لفظی مشابہت رکھتے ہیں اس کے باوجود حسنِ تالیف اور ترکیب وارتباط نہایت مستحسن ہے اور یہ ایک واقعے سے دوسرے کی جانب اور ایک باب سے دوسرے کی طرف بڑی خوبی کے ساتھ بڑھتا ہے حالانکہ معانی میں اختلاف ہوتا ہے ایک ہی سورۃ اگرچہ امر، نہی، خبر، استفہام، وعدہ، وعید، اثباتِ نبوت، توحید، تفرید اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہوتی ہے لیکن یہ تمام چیزیں اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا حالانکہ فصیح کلام کے اندر جب ایسا ہوتا ہے تو کلام کی قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے اس کی رونق ماند پڑ جاتی ہے اور الفاظ کے اندر اضطراب واقع ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۂ ص کو گہری نظر سے دیکھئے کہ اس میں کفار کی خبریں، ان کی تفاوت اور امم سابقہ کی ہلاکت کے واقعات بیان کر کے سرزنش کی گئی ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکذیب کرتے تھے اور جو کلامِ الٰہی آپ پر نازل ہو رہا تھا اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے اور ان حرکتوں پر انہیں ڈانٹا ہے۔ پھر ان کے سرداروں کے کفر پر جمع ہونے اور ان کی باتوں سے حسد کی بو آنے کا ذکر کر کے انہیں عاجز و ذلیل کیا اور

---

[1] پارہ ۲۷، سورۂ القمر، آیت ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰،

دنیا و آخرت کی رسوائی سے ڈرایا ہے کہ پہلی امتوں نے جب گزشتہ انبیائے کرام کو جھٹلایا تھا تو وہ امتیں ہلاک کر دی گئی تھیں اور انہیں ڈرایا ہے کہ اگر وہ امم سابقہ کے مذکورہ نقوش قدم پر چلنے سے باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جا سکتا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی جانب سے پہنچنے والی اذیتوں اور تکالیف پر صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے اور تسلی دی گئی ہے کہ سابقہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا سلوک ہوا تھا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اتنے سارے مختلف مضامین کو کم از کم الفاظ کے اندر حسن خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہ قرآنِ کریم ہی کا خاصہ ہے۔

یہ جملہ امور جو ہم نے اعجاز القرآن کی وجوہات میں بیان کئے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض وجوہات اور بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر کا تعلق فن بلاغت سے ہے اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ جو باتیں مستقل فن کی حیثیت نہیں رکھتیں انہیں اعجاز القرآن کے ساتھ تفصیل سے بیان کریں بلکہ ان کا فنِ بلاغت کے تحت بیان کیا جانا زیادہ مناسب ہے۔ ان کے علاوہ بھی کتنے ہی وجوہات ایسے ہیں جو قبل ازیں ہم نے آئمہ دین سے نقل کئے ہیں اور انہیں اعجاز القرآن میں شمار نہیں کیا بلکہ ان کا ذکر خواص و فضائل میں کیا ہے۔ پس اعجاز القرآن کے سلسلے میں مذکورہ وجوہات پر اعتماد کرنا چاہئیے اور اس کے علاوہ دیگر وجوہات کو قرآن کریم کے خواص و عجائب میں شمار کرنا چاہیے جو کسی حد پر ختم نہیں ہوتے۔ واللہ ولی التوفیق۔

فصل - ۱۱

معجزۂ شق القمر اور معجزۂ حبس شمس

شق القمر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا

پس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے ہیں اور

وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [1] کہتے ہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ جلّ مجدہٗ نے چاند کے پھٹنے کا ذکر صیغۂ ماضی کے ساتھ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ کافر اس معجزے سے منہ پھیرتے اور انکار کرتے ہیں اہلسنّت و جماعت کے تمام مفسّرین کا اس پہ اتفاق ہے کہ یہ معجزہ ضرور واقع ہو چکا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسین بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطے سے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ سے نیچے اور آپ نے فرمایا تھا کہ لوگو! گواہ رہنا۔ ان کی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والی روایت میں یہ بھی ہے کہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ تھے اور جو روایت حضرت اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریقے سے ہے اس میں یہ ہے کہ ہم منیٰ میں تھے اور اِن سے حضرت اسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو روایت کی ہے اس میں ہے کہ کے دو ٹکڑے میں نے خود دیکھے تھے۔

امام مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۶۳ھ/۶۸۲ء) نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی ہے کہ شق القمر کا معجزہ مکہ معظمہ میں واقع ہُوا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ قریش نے اس وقت کہا تھا کہ ابن ابی کبشہ نے جادو کر دیا ہے۔ ایک شخص بولا کہ اگر محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) نے چاند پہ جادو کر بھی دیا ہو۔ تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اس نے ساری زمین کو اپنے جادو کی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ لٰہذا ہمیں چاہیئے کہ دوسرے شہروں سے جو لوگ یہاں آتے ان سے دریافت کریں کہ انہوں نے بھی چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں یا نہیں۔ جب انہوں نے

---

[1] پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۲،۱

آنے والے لوگوں سے پوچھا تو وہ بھی چاند کے شق ہونے کی شہادت دیتے تھے۔

اسی کے مطابق امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ ابوجہل کہنے لگا کہ یہ جادو کر دیا گیا ہے لہٰذا آس پاس کے لوگوں کے پاس آدمی بھیج کر صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ اردگرد کے لوگوں نے بھی یہی بتایا کہ ہم نے چاند کے ۲ دو ٹکڑے دیکھے تھے۔ اس پہ کفار کہنے لگے کہ یہ قدیمی جادو ہے جو ایک مدت سے چلا آرہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۶۲ھ/۶۸۱ء) نے بھی اس واقعے کی روایت کی ہے۔ گویا یہ چار شخص (اعمش، اسود، مسروق، علقمہ) ہوئے جنہوں نے اس واقعے کی ان سے روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ کرام سے بھی یہ واقعہ مروی ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) حضرت انس (۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۳) حضرت عبداللہ بن عمر (۴) حضرت حذیفہ (۵) حضرت علی المرتضیٰ (۶) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ابی حذیفہ ارحبی کی روایت میں ہے کہ مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جب چاند کے ۲ دو ٹکڑے کئے گئے تھے تو ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے ——— حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اہلِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نشانی طلب کی تھی تو آپ نے چاند کے ۲ دو ٹکڑے کر دکھائے۔ ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا اور دوسرا اس جانب۔ اس واقعے کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۱۷ھ/۷۳۵ء) نے بھی روایت کی ہے اور معمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت میں ہو جو انہوں نے امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے تائید کے لئے کفار کو دکھایا۔ اس پہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ اور اس خبر کو حضرت جبیر بن مطعم سے ان کے بیٹے محمد اور اُن سے ان کے فرزند جبیر بن محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے امام مجاہد نے اور حضرت حذیفہ سے عبدالرحمٰن السلمی اور مسلم بن ابی عمران اللذدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کی ہے۔ اسی حدیث (متعلقہ شق القمر) کے اکثر طریقے صحیح ہیں اور مذکورہ آیت اپنے معنی میں بالکل صریح ہے۔

اِن حقائق کے ہوتے ہوئے باطل اعتراضات کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے مثلاً کوئی اگر یوں کہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ہوتے تو زمین پہ بسنے والے تمام لوگ دیکھتے یہ خیال فاسد ہے کیونکہ رُوئے زمین کے تمام لوگ چاند دیکھنے کے لئے کب گھات لگائے بیٹھے تھے؟ اگر ایسی کوئی روایت ہوتی کہ تمام انسانوں کو قبل از وقت اس امر سے مطلع کر دیا تھا اور پھر کسی کو چاند کے ٹکڑے نظر نہ آتے تو البتہ بات قابلِ توجہ ہوتی۔ کیا ایسی کوئی روایت ہے؟

ثانیاً: اگر بعض ایسے لوگوں کی شہادتیں مِل بھی جائیں جن کا جھوٹ کی جانب میلان نہیں ہے کہ ہم نے چاند کے دو ٹکڑے نہیں دیکھے تب بھی یہ ہم پہ حجت نہیں کیونکہ چاند تمام رُوئے زمین پہ تو نظر نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایک ملک میں دکھائی دیتا ہے تو دوسرے میں دکھائی نہیں دیتا۔ یا چاند اور کسی قوم کے درمیان پہاڑ یا بادل آجائیں تب بھی اُسے نظر نہیں آتا۔ جبکہ گرہن بھی بعض جگہ جزوی نظر آتا ہے اور بعض مقامات پہ پُورا۔ غرضیکہ فلکیات کے ماہرین چاند کے بارے میں اِن باتوں کو خوب سمجھنے کے مدّعی ہیں۔ اِس سلسلے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ؕ[1]   یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔

علاوہ بریں شق القمر کا معجزہ رات کے وقت دکھایا گیا تھا اور اس وقت لوگوں کا عام معمول یہ تھا کہ گھروں کے دروازے بند کر کے آرام کرتے تھے اور دنیاوی کاروبار عموماً بند کر دیا جاتا تھا اور ایسے وقت میں آسمان کی جانب وہی متوجہ ہوگا جو کسی ضرورت کے تحت تاک لگائے بیٹھا ہو اور کسی وجہ سے اس اہتمام اور فکر نے اسے مشغول کر رکھا ہو۔

اس طرح بہت سے شہروں میں چاند گہن واقع ہی نہیں ہوتا اور اگر کسی جگہ سے گہن نظر بھی آ رہے تو کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں دوسروں سے سن کر معلوم ہوتا ہے ورنہ انہیں علم ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض ثقہ لوگ خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے آسمان میں عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے یا ستارہ ٹوٹتا ہوا یا خاص قسم کا ستارہ طلوع ہوتا دیکھا ہے جبکہ عام لوگ اِن باتوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔

سورج کا لوٹنا

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۳۲۱ھ / ۹۳۱ء) دو سندوں کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی کتاب مشکل الحدیث میں تخریج کی ہے کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنا سرِ مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ بیدار ہونے پر سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اے علی! تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ عرض گزار ہوئے، آقا! نمازِ عصر تا حال نہیں پڑھی۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئے۔ اے ذوالمنن! یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا۔ اس کے لئے سورج کو واپس پھیر دے تاکہ یہ نمازِ عصر ادا کرے۔

---

[1] پارہ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۳۸۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ غروب ہونے کے بعد سورج کو مغرب سے طلوع ہوتے ہوئے دیکھا گیا اور پہاڑوں اور زمین پر اپنی دھوپ بکھیر دی یہ واقعہ خیبر کے راستے میں منزلِ صہبا میں پیش آیا تھا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح و ثابت ہیں اور ان کے راوی معتبر و ثقہ ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ احمد بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جسے علم کی ہوا لگی ہو اسے حدیثِ اسماء کی صحت کا انکار زیب نہیں دیتا، اس لیے کہ یہ روایت علاماتِ نبوت میں سے ہے۔

یونس بن بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب زیادۃ المغازی میں ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ نے قوم کو اُن کے استفسار پر اُن کے قافلے اور اونٹوں کی خبریں دیں۔ تو انہوں نے پوچھا، وہ کب پہنچیں گے؟ آپ نے جواب دیا، وہ بدھ کے روز یہاں پہنچ جائیں گے جب بدھ کا روز آیا تو قریش کے سرداران کا انتظار کرنے لگے۔ دن ختم ہونے کو تھا لیکن قافلہ نہ پہنچ سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی تو سورج اپنی جگہ پر ٹھہر گیا گیا اور تقریباً ایک پہر آپ کی خاطر ٹھہرا رہا (یہاں تک قافلہ آ پہنچا)

فصل-۱۲

انگشت ہائے مبارک سے پانی جاری ہونا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے پانی جاری ہونا اور آپ کی برکت سے زیادہ ہونے کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی جاری ہونے کی حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں سے حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بھی ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو اسحاق ابراہیم بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس حال میں دیکھا کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا ہے، لوگ پانی کے لئے اِدھر اُدھر دَوڑ رہے ہیں لیکن کہیں پانی نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پانی منگوایا (جو قطرہ قطرہ اکٹھا کر کے پیش کیا گیا)۔ آپ نے اپنا دستِ مُبارک اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس پانی سے وضو کرتے جاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں، مَیں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی اُبل رہا تھا۔ لوگوں نے وضو کرنا شروع کیا اور اوّل سے آخر تک تمام لوگ وضو کر کے فارغ ہو گئے۔

اِس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ جب سرورِ کون و مکاں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا تو اِتنا تھا کہ انگلیاں ڈوب جاتی ہیں یا ڈوبتی بھی نہ تھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا کہ اُس وقت آپ کتنے حضرات تھے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ تین سو کے قریب ——— حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی ایک روایت میں ہے کہ اس وقت وہ قریبی بازار زوراء میں تھے۔ اِس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے حمید ثابت اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی روایت کیا ہے ——— حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ مَیں نے اُن سے پوچھا، آپ اس وقت کتنے حضرات تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا کہ اس وقت ہم اَسّی تھے ——— اِسی کے ہم معنی حضرت ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی روایت کی ہے لیکن اِن کی روایت میں ہے کہ اس وقت تقریباً ستّر افراد تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت جو حضرت علقمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریقے سے ہے. وہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ اس میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا. فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس جتنا بھی پانی ہے (خواہ چند قطرے ہی کیوں نہ ہو) یہاں لے آئے چنانچہ جن کے پاس تھوڑا بہت پانی نکلا وہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے. آپ نے سب پانی ایک برتن میں اکٹھا کر لیا اور اپنا دستِ مبارک اس برتن میں ڈال دیا. فوراً آپ کی انگشت ہائے مبارک سے (چشموں کی طرح) پانی اُبلنے لگا.

صحیح بخاری میں سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریقے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے روز ہم پر تشنگی غالب ہوگئی (کیونکہ پانی ختم ہو گیا تھا). بارگاہِ رسالت میں ایک چھاگل کے اندر پانی پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے وضو فرمانا شروع کر دیا لوگ دوڑ کر عرض گزار ہوئے کہ حضور! اس کے علاوہ ہمارے پاس اور پانی نہیں ہے. آپ نے چھاگل پہ اپنا دستِ مبارک رکھ دیا تو انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے.

سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اس وقت کتنے حضرات تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو پانی ہم سب کے لئے کافی ہوتا لیکن اُس وقت ہم پندرہ سو تھے ——— اسی کے مانند حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور انہوں نے اِس کی روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے کی ہے اور اس میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا.

صحیح مسلم میں غزوہ بواط کے متعلق وہ طویل حدیث ہے جس کو ولید بن عبادہ بن صامت نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا. اے جابر! وضو کے لئے لوگوں کو بلا لو. آگے طویل حدیث بیان کی کہ پانی کے ایک پُرانی مشک سے صرف چند قطرے مِل سکے تھے جو بارگاہِ رسالت میں پیش کئے گئے. آپ نے

وہ پانی لے کر کچھ پڑھا اور مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے کیا پڑھا تھا اور حکم فرمایا کہ لوگوں کو آواز دو تاکہ وہ ٹب لائیں۔ چنانچہ ٹب آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا اور آپ نے اپنا دستِ مبارک ٹب میں رکھ کر انگلیاں پھیلا دیں۔ میں نے وہ پانی ٹب میں ڈال دیا اور آپ نے بسم اللہ شریف پڑھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے پانی پوری تیزی کے ساتھ اُبل رہا تھا۔ پھر ٹب کا پانی بھی جوش مارنے اور گھومنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ برتن لبالب بھر گیا۔ آپ نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا۔ سب نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا۔ جب نے آواز دی کہ ایسا شخص کوئی باقی ہے جسے پانی کی حاجت ہو۔ جب ایسا کوئی آدمی نہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک کھینچ لیا اور اس وقت ٹب بھرا ہوا تھا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ایک سفر کے دوران لشکرِ اسلام کے پاس پانی ختم ہو گیا۔ بارگاہِ رسالت میں ایک برتن پیش کیا گیا کہ ہمارے پاس صرف یہی تھوڑا سا پانی ہے جو اس برتن کے اندر ہے۔ آپ نے اس پانی کو ایک بڑے برتن میں ڈال دیا اور اپنا دستِ مبارک اس پانی سے ڈبو دیا۔ (آپ کی انگشت ہائے مبارک سے اتنا پانی جاری ہوا کہ) لوگ آتے رہے اور وضو کر کے واپس لوٹتے رہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

مذکورہ واقعات کے سلسلے میں یہ اصولی بات مدِنظر رکھنی چاہیئے کہ جو واقعہ ایسے کثیر مجمع کے سامنے واقع ہو اس کے راوی پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی کیونکہ اگر راوی نے غلط کہا تھا تو دوسرے صحابہ کرام فوراً اس کی تردید کر دیتے جبکہ اُن حضرات کی جبلت میں یہ چیز داخل ہو چکی تھی کہ وہ غلط بات پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ جاننے غور ہے کہ صحابہ کرام نے اِن واقعات کی روایت و اشاعت کی ہے اور جمِ غفیر کے سامنے اِن واقعات کا پیش آنا بتایا ہے لیکن جن صحابہ کرام سے ان واقعات کی روایت کی گئی ہے انہوں نے اپنے مشاہدے کا قطعاً انکار نہیں کیا اور ان کا سکوت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعات بالکل صحیح

اور درست ہیں۔

فصل-۱۳

پانی جاری کرنا

گزشتہ معجزے کے مشابہ یہ بھی معجزہ ہے کہ آپ کے چھونے کی برکت سے یا دُعا کرنے سے پانی جاری ہو جاتا تھا ــــــ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے موطا شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۸ھ / ۶۴۳ء) کی روایت پیش کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے وقت لشکرِ اسلام ایسے چشمے پہ فروکش ہوا تھا جو برائے نام بہہ رہا تھا۔ صحابہ کرام ہاتھ سے پانی روکتے، جب کچھ پانی جمع ہو جاتا تو کسی برتن میں ڈال لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس چشمے پہ آکر منہ ہاتھ دھوئے اور مستعمل پانی اسی میں ڈالتے گئے جس کی برکت سے پوری تیزی کے ساتھ چشمہ رواں دواں ہو گیا اور سب لوگ سیراب ہو گئے ــــــ ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ پانی اتنی تیزی سے بہنے لگا تھا کہ اُس کی آواز گرج کی طرح معلوم ہوتی تھی ــــــ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! اگر تیری زندگی رہی تو اس جگہ باغ ہی باغ دیکھے گا۔

براء بن عازب اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے جو واقعۂ حدیبیہ کے بارے میں سب سے مفصّل حدیث ہے کہ ہم چودہ سو افراد تھے اور وہ کنواں ایسا تھا کہ اس سے پچاس بکریاں بھی پانی نہیں پی سکتی تھیں۔ ہم نے اس کا پانی استعمال کرنا شروع کیا تو اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہ رہا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کنویں کی منڈیر پہ آ بیٹھے آپ کی خدمت میں ڈول پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور دُعا فرمائی۔ پس پھر کیا تھا پانی اس کے اندر سے جوش مار کر اُبلنے لگا۔ ہم نے خود بھی پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی خوب سیر کیا۔

اِن دونوں روائیتوں کے علاوہ واقعہ حدیبیہ میں ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اُسے ایک گڑھے کے وسط میں نصب کیا دیا۔ اُس سے اتنا پانی نکلا کہ سب نے پیا اور اپنی سواریوں کو خوب پانی پلا کر بٹھانے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔

ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے وضو کا لوٹا طلب فرمایا اور اسے اپنی بغل میں لے لیا۔ یہ معلوم نہیں کہ اُس میں اپنا لعاب دہن ڈالا یا نہ ڈالا۔ اس لوٹے سے اتنا پانی نکلنے لگا کہ سب لوگوں نے پی لیا۔ اپنے جانوروں کو خوب پلا لیا اور اپنے سارے برتن پانی سے بھر لئے حالانکہ وہ آفتابہ اُسی حالت میں تھا جس حالت میں آپ نے مجھ سے لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم بہتّر افراد تھے۔ اسی کے مانند حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی حدیث کو اس کے خلاف ذکر کیا جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم شمع رسالت کے پروانوں کو لے کر اہلِ موتہ کی مدد کے لئے اس وقت نکلے جب آپ کو بعض جیّد اصحاب کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اِس کے بعد طویل حدیث بیان کی جس میں بہت سی نشانیاں اور معجزے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے صحابۂ کرام کو بتایا کہ کل انہیں پانی کی تلاش ہو گی اور حدیث میضاہ آخر تک بیان کی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس وقت تقریباً تین سو افراد تھے۔ مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابی قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرمایا کہ میرے لئے اپنے وضو کے لوٹے کی حفاظت رکھنا کیونکہ عنقریب اِس کے ساتھ ایک غیر معمولی واقعہ وابستہ ہونے والا ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی روایت میں ہے کہ جب شمع رسالت کے پروانے

کو پیاس نے تنگ کرنا شروع کیا تو فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے دو اصحاب کو ایک جانب روانہ فرمایا اور انہیں بتا دیا کہ تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس اُونٹ ہے اور اس پہ پانی کی پکھال لدی ہوئی ہے۔ آگے باقی حدیث بیان کی۔ ان دونوں حضرات کو وہ عورت مل گئی اور اسے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے آپ نے اس پکھال کا پانی ایک برتن میں اُنڈیل لیا اور جو کچھ خدا نے چاہا اُس پہ پڑھا اس کے بعد وہ پانی دو مشکیزوں میں ڈال کر ان کے دہانے کھول دیئے اور صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ پانی پی لو اور اپنے تمام مشکیزے اور دوسرے برتن پانی سے بھر لو۔ چنانچہ سارے برتن بھر لیے گئے اور کوئی ایک بھی خالی نہ رہا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں پکھال کے پانی میں ذرا بھی کمی نہیں آئی بلکہ کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابۂ کرام کو حکم فرمایا کہ اس عورت کو کھانے کے لیے زادِ راہ دے دو۔ چنانچہ اس کا کپڑا بھر دیا گیا۔ اس عورت کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ ہم نے تمہارے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گھٹایا کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانی مرحمت فرما دیا ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ کیا وضو کے لیے پانی ہے؟ ایک شخص مشکیزہ لے کر حاضر ہوا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ آپ نے وہ پانی ایک پیالے میں انڈیل دیا۔ فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہم سب کو وضو کروا دیا اور ہم نے خوب ہی دل کھول کر پانی استعمال کیا حالانکہ ہم چودہ سو افراد تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جیشِ عسرت والی حدیث میں ہے کہ پیاس سب کو یہاں تک تنگ کر رہی تھی کہ ایک آدمی نے اونٹ ذبح کیا تو اس کی اوجھڑی نچوڑ کر پی گیا لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب رجوع ہوئے کہ ان کی حالت بارگاہِ

رسالت میں پیش کی جائے چنانچہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی ہاتھ اٹھا دیئے۔ ابھی دستِ مبارک نیچے نہیں آئے تھے کہ آسمان پہ بادل گھر آئے، بارش ہونے لگی اور جتنے برتن ہمارے پاس تھے پانی سے بھر لئے گئے۔ یہ بارش صرف لشکرِ اسلام پر ہو رہی تھی۔ اِرد گرد اس کا نشان بھی نہ تھا۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اونٹ پہ ابوطالب بیٹھے ہوئے تھے۔ ذی المجاز کے مقام پہ انہیں پیاس لگی اور پانی مانگا۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نیچے اُترے۔ زمین پہ پاؤں مبارک مارا تو نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ آپ نے فرمایا، لیجیے پانی پیجیے۔ غرضیکہ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور اسی قبیل کے معجزات سے آپ کی دُعائے استسقاء کا قبول ہونا ہے۔

فصل ۱۴

کھانے میں برکت

سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات سے ایک یہ امر بھی ہے کہ آپ کی دُعا اور برکت سے تھوڑا کھانا زیادہ ہو جاتا تھا۔ —— قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی شہید ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کھانے کے لئے کچھ مانگا۔ آپ نے نصف وسق جو اُسے مرحمت فرما دیئے۔ وہ شخص اپنے اہل و عیال سمیت ان میں سے کھاتا رہا لیکن جو ختم نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اُس شخص نے وہ جو ناپ لئے تو ختم ہو گئے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ صورتِ حال عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نہ ناپتے تو یہی جو مدتوں ختم نہ ہوتے۔

اسی کے مانند حضرت ابُوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور روایت ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے چند روٹیوں سے ستّر اسّی آدمیوں کو شکم سیر کر دیا تھا۔ ان روٹیوں کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بغل میں دبا کر لائے تھے آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور ان پہ جو خدا کو منظور ہوا وہ پڑھا اور اتنے کثیر آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ خندق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک صاع جَو کے آٹے کی روٹیوں اور ایک نو عمر بکری کے گوشت سے ایک ہزار آدمیوں کو شکم سیر کر دیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سب لوگ شکم سیر ہو کر چلے گئے تھے اور کھانا اسی طرح باقی بچا تھا یعنی گوشت کا برتن بھرا ہوا تھا اور آٹا پکایا جا رہا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس دیگچے اور آٹے میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر برکت کی دُعا فرمائی تھی۔ اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سعید بن میناء اور ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی روایت کیا ہے اور ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

اس حدیث کو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک انصاری اور ان کی بیوی سے روایت کیا ہے جن کے نام نہیں بتائے انہوں نے فرمایا کہ بارگاہِ رسالت میں مٹھی بھر آٹا پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے وہ آٹا مختلف برتنوں میں پھیلا دیا اور جو خدا نے چاہا وہ اس پہ پڑھا بس تمام حاضرین نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا حالانکہ مکان اور سارا صحن حاضرین سے بھرا پڑا تھا اور انہیں سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کھانا کھلانے کے لئے اپنے ساتھ لائے تھے جب سب فارغ ہو گئے تو برتنوں میں اُتنا ہی کھانا موجود تھا۔ جتنا کہ شروع میں تھا

حضرت ابوایوب انصاری کے گھر دعوت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۱ھ/۶۷۰ء) کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ان کے یارِ غار، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کی اور صرف اتنا کھانا تیار کیا جو دونوں حضرات کے لئے کافی ہو جائے کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ انصار میں سے تیس معززین کو اور بلا لیجئے۔ جب وہ تیس کھانا کھا کر چلے گئے تو کھانا اُتنا ہی موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ساٹھ آدمیوں کو اور بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ بھی بلائے گئے پھر فرمایا۔ ستر آدمی اور بلا لاؤ۔ وہ بھی آئے اور شکم سیر ہو کر کھا گئے لیکن کھانا پھر بھی اتنا ہی موجود تھا۔ یہ معجزہ دیکھ کر جتنے آدمی دعوت میں شامل ہوئے تھے سب آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس روز میرے گھر ایک سو اسی آدمیوں نے کھانا کھایا تھا۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بارگاہِ رسالت میں ایک دیگچے کے اندر پکا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔ صحابۂ کرام کی یکے بعد دیگرے جماعتیں آتی رہیں اور اس میں سے گوشت کھاتی رہیں —— اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم ایک سو تیس آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ ایک صاع آٹے کی روٹیاں پکائی گئیں اور ایک بکری ذبح کر کے اس کی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے بوٹیاں نہ کھائی ہوں۔ اس کے بعد اس بھنے ہوئے سالن سے دو بادیئے بھر لئے گئے۔ جن سے کچھ تو ہم نے کھا لیا اور باقی اُونٹ پر رکھ لیا کہ پھر کھا لینگے

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس کو انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے —— اسی کے مانند حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اِن جملہ حضرات نے

فرمایا ہے کہ کسی غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہیوں کو بھوک لاحق ہوئی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جتنا کھانا کسی کے پاس ہے یہاں لے آئے۔ کوئی ایک مٹھی بھر لایا کوئی اس سے زائد اور کسی کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک صاع کھجوریں نکلیں۔ آپ نے وہ سب کچھ ایک چمڑے کے دستر خوان پر جمع کروالیا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ ساری ڈھیری اتنی تھی جتنا ایک بکری کا گوشت یا اونٹ کا کوہان۔ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے توشہ دان اس ڈھیری سے بھر لے جاؤ۔ لشکر میں ایک نوجوان بھی ایسا باقی نہ رہا جس نے اپنا توشہ دان نہ بھر لیا ہو۔ اس کے باوجود خوراک باقی رہ گئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم نے مجھے اصحابِ صُفّہ کو بلا کر لانے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں تلاش کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ ہمارے سامنے ایک کھلے برتن میں کھانا رکھا گیا۔ تو ہم نے خوب سیر ہو کر کھالیا اور کھانا اُسی قدر باقی تھا جتنا پہلے تھا۔ صرف یہ ہوا کہ اس پر انگلیوں کے نشان نظر آرہے ہیں۔

حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اولادِ عبدالمطلب کی دعوت فرمائی، جو چالیس افراد تھے۔ اس میں سے کئی تو ایسے تھے جو اکیلے ہی ایک بکری کا گوشت کھا جاتے اور تین صاع پانی پی لیتے تھے۔ آپ نے ان سب کے لئے ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار سیر) کھانا تیار کروایا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھالیا اور کھانا جُوں کا توں باقی بچ رہا۔ ایک لکڑی کے پیالے میں پانی رکھا گیا تھا جس سے سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور اس میں اتنا ہی پانی باقی رہا۔ جیسے اِس میں سے کسی نے پانی پیا ہی نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک نکاح کیا۔ تو اُن کے پاس تشریف لے جانے کے بعد آپ نے مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں آدمی کو کھانے کے لئے بُلا لاؤ اور ان کے علاوہ بھی جو ملے ان سب کو بُلا لینا پس آپ کا کاشانۂ اقدس لوگوں سے بھر پور ہو گیا۔ سرورِ کون و مکاں صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم

نے کھجوریں کا ایک سیر کے لگ بھگ حیسہ (مالیدہ) اپنے سامنے رکھا اور اس میں تین انگلیاں گاڑ دیں. اس کے بعد لوگوں نے اس میں سے کھانا شروع کیا. سب کھا کر فارغ ہو گئے اور طشت میں اُتنا ہی حیسہ باقی تھا. دعوت کھانے والوں کی تعداد اکہتر یا بہتر تھی.

دوسری روایت میں ہے کہ دعوت کھانے والوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ مذکورہ دعوت کا ذکر ہے یا کسی دوسری دعوت کا. یہاں تک کہ جب سارے آدمی شکم سیر ہو کر کھا چکے تو آپ نے مجھ (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا کہ برتن اُٹھا لو میں نے برتن اٹھالیا اور نہیں کہہ سکتا کہ جب یہ دعوت کھلانے کے لئے رکھا گیا تھا اُس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب اُٹھانے کے وقت۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والدِ محترم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور وہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ خاتونِ جنت، سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صبح کے وقت ہانڈی پکائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بارگاہِ رسالت میں بھیجا کہ آج آپ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمائیں. سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھانا بھیجنے کا حکم فرمایا. سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے ایک ایک پلیٹ کھانا تمام ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے بھیجا، پھر ایک پلیٹ کھانا سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے بھیج دیا۔ پھر ایک پلیٹ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو دیا اور ایک پلیٹ میں اپنے لئے ڈال کر ہانڈی کو دیکھا تو وہ اسی طرح بھری ہوئی تھی. حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم نے خوب کھالیا تھا۔

ایک دفعہ حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے فرمایا کہ احمس کے چار سو سواروں کو یہاں بلا لاؤ اور انہیں زادِ راہ دے دو۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس تو صرف چند

صاع کھجوریں ہیں۔ فرمایا، تم بلا کر تو لاؤ۔ وہ جا کر بُلا لائے اور کھجوروں کے ڈھیر سے اُن سواروں کو زادِ راہ دینا شروع کر دیا۔ جو صرف اتنی بڑی ڈھیری تھی جیسے اونٹ کا بچہ بیٹھا ہوا ہو۔ آخرکار سب کو زادِ راہ دے دیا گیا اور کھجوریں باقی بھی بچ رہیں۔ یہ دُکین الاحمسی اور جریر کی روایت کے مطابق ہے۔ نعمان بن مُقرن نے بھی ایسی ہی خبر دی ہے لیکن ان کی روایت میں ہے کہ وہ چار سوار مزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اسی طرح کا معاملہ اس حدیث میں ہے جو انہوں نے اپنے والدِ ماجد کے قرضے سے متعلق بیان فرمائی جبکہ وہ اپنا سارا مال اپنے والدِ محترم کے قرضے کی ادائیگی میں دینا چاہتے تھے لیکن قرض خواہ رضامند نہ ہوئے کیونکہ ان کی ساری پیداوار سے بھی قرضہ ادا نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے بموجب کھجوریں توڑ لیں اور وہیں درختوں کے نیچے ڈھیر لگا لیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس ڈھیر کے گرد پھرے اور برکت کی دعا بھی فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس ڈھیر سے سارا قرضہ ادا کر دیا۔ اور اتنی کھجوریں باقی بچ رہیں جتنی سالانہ انہیں حاصل ہوتی تھیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اتنی کھجوریں بچ رہیں جتنی قرضے میں دی تھیں۔ ان کے قرض خواہ یہودی تھے اور وہ یہ ماجرا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسلمانوں کو بُھوک کی تکلیف پہنچی، مجھ سے سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ توشہ دان میں بھی کچھ ہے؟ میں عرض گزار ہُوا، کچھ کھجوریں ہیں۔ فرمایا، میرے پاس لے آؤ۔ جب میں نے توشہ دان پیش کر دیا تو آپ نے مٹھی میں بھر کر وہ کھجوریں نکال لیں۔ انہیں پھیلایا اور دعائے برکت کی۔ پھر فرمایا۔ دس آدمیوں کو بُلاؤ۔ چنانچہ دس آدمی آئے اور خوب کھا کر چلے گئے۔ پھر دس بلائے گئے اور وہ بھی شکم سیر ہو کر چلے گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے (اس توشہ دان سے) سارے لشکر کو کھجوریں پیٹ بھر کر کھلا دیں۔ پھر (مجھ سے) فرمایا، یہ اپنی کھجوریں سنبھال کر

رکھنا اور اس میں سے (بوقتِ ضرورت) مٹھی بھر کر اپنے کھانے کے لئے نکال لیا کرنا اسے الٹا نہ کر دینا۔ جتنی کھجوریں مَیں (حضرت ابوہریرہ) نے پیش کی تھیں۔ ان سے زیادہ مٹھی بھر کر اپنے کھانے کے لئے نکالیں، عہدِ رسالت، خلافتِ صدیق، خلافتِ فاروق اور خلافتِ عثمان میں اسی توشہ دان سے میں برابر کھجوریں کھاتا اور کھلاتا رہا۔ افسوس! حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شہادت کے وقت وہ توشہ دان مجھ سے لوٹ لیا گیا اور میں اس برکت سے محروم ہو گیا۔ —— ایک روایت میں ہے کہ مَیں نے اسی توشہ دان کی کھجوروں میں سے ساٹھ صاع یعنی تقریباً سات من تو فی سبیل اللہ لوگوں کو کھلا دی تھیں —— اسی طرح کا واقعہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا۔ اُس وقت دس یا دو چار زیادہ کھجوروں پر برکت کی دعا فرمائی گئی تھی۔

اسی کے مانند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ مجھے بھُوک نے بہت تنگ کیا ہوا تھا تو میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب آپ کاشانۂ اقدس میں پہنچے تو دُودھ سے بھرا ہُوا ایک پیالہ پایا جو کسی نے ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ صفّہ کو بُلا لاؤ۔ میں نے دل میں سوچا کہ دُودھ تو صرف ایک آدمی کے لئے کافی ہے اور اتنے سارے حضرات کا اتنے سے دُودھ سے بنیگا کیا؟ جبکہ بھوک کے باعث مستحق میں ہوں۔ بہر حال آقائے کائنات کا حکم تھا۔ مَیں جملہ اصحاب صُفّہ کو بُلا لایا۔ ارشاد فرمایا۔ ابُوہریرہ! یہ پیالہ لے کر انہیں دودھ پلاؤ۔ مَیں نے پیالہ پہلے آدمی کو دے دیا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر پیا اور پھر دوسرے صحابی کو دے دیا۔ انہوں نے بھی شکم سیر ہو کر پی لیا اور پیالہ تیسرے ساتھی کو پکڑا دیا۔ غرضیکہ جب تمام حضرات پیٹ بھر کر دُودھ پی چکے۔ تو آپ نے فرمایا اب ہم دونوں باقی رہ گئے ہیں۔ اب تم پیو۔ مَیں نے پیالہ لے کر پیٹ بھر کر دُودھ پی لیا۔ آپ نے فرمایا اور پیو۔ مَیں نے تھوڑا سا اور پیا لیکن آپ بار بار یہی فرما رہے تھے کہ اور پیو۔ آخر کار مجبور ہو کر مجھے عرض کرنا پڑا۔ حضور! قسم ہے اُس ذات کی جس نے حق کے ساتھ

آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اب مجھے اپنے پیٹ میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر پیالہ مجھ سے لے لیا اور باقی دُودھ خود نوش کر لیا۔

خالد بن عبدالعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کی حالانکہ خود کثیر العیال اس درجہ تھے کہ ایک بکری کے گوشت میں سے ان کے گھر کے ہر فرد کے حصے میں ایک ہڈی بھی نہیں آتی تھی۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت میں سے خود تناول فرمایا اور باقی گوشت حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ڈول میں ڈال کر برکت کی دعا فرما دی۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل وعیال نے خوب شکم سیر ہو کر اس میں سے گوشت کھا لیا اور باقی بھی بچ رہا۔ اِس حدیث کی اُن سے دولابی علیہ الرحمۃ نے روایت کی۔

آجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث میں ہے کہ جب فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں دیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پرات منگوائی اور ایک اونٹ کا بچہ ذبح کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ قصعہ تیار کر کے اس میں لے آؤ۔ جب انہوں نے تیار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا تو آپ نے اس کے اُوپر دستِ مبارک پھیرا اور حکم دیا کہ ایک ایک جماعت آتی جائے اور کھاتی جائے چنانچہ جتنے آدمی مل سکے، سب کھا کر چلے گئے اور کھانا باقی بچ رہا آپ نے اسے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پاس بھیجتے ہوئے حکم فرمایا کہ وہ خود کھائیں اور جو اُن کے پاس آئے اسے بھی کھلائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے جب آپ نے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کیا تو میری والدہ محترمہ حضرت اُمِّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک پرات حیسہ تیار کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بُلا لاؤ اور ان کے علاوہ جو بھی ملے اُسے

بھی بُلا لینا۔ وہ فرماتی ہیں کہ جو بھی ملا۔ میں نے اسے دعوت دی۔ ان کا بیان ہے کہ آنے والے تقریباً تین سو حضرات تھے جن کے ساتھ کاشانۂ اقدس اور اصحاب صفہ کا چبوترہ بھرا ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنالیں۔ پھر اس کھانے پر حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ رحمت پھیرا اور جو کچھ خدا نے چاہا وہ پڑھا۔ اس کے بعد لوگوں نے کھانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سب شکم سیر ہو گئے۔ اب آقا نے مجھے برتن اٹھانے کا حکم دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کھانا جب رکھا گیا اس وقت زیادہ تھا یا اب ——

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

اَكْثَرُ اَحَادِيثِ هٰذِهِ الْفُصُولِ الثَّلَاثَةِ فِي الصَّحِيحِ وَقَدِ اجْتَمَعَ عَلٰى مَعْنٰى حَدِيثِ هٰذَا الْفَصْلِ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ رَوَاهُ عَنْهُمْ اَضْعَافُهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ ثُمَّ مَنْ لَا يُعَدُّ بَعْدَهُمْ وَاَكْثَرُهَا فِي قِصَصٍ مَشْهُورَةٍ وَمَجَامِعَ مَشْهُودَةٍ وَلَا يُمْكِنُ التَّحَدُّثُ عَنْهَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَسْكُتُ الْحَاضِرُ لَهَا عَلٰى مَا اَنْكَرَ مِنْهَا۔ (ص ۲۵۲)

ان تینوں فصلوں کی اکثر احادیث صحیح ہیں اور اس فصل کی احادیث کے مفہوم پر تو دس سے زیادہ صحابۂ کرام متفق ہیں اور کئی گنا تابعینِ عظام نے اِن احادیث کی اُن حضرات سے روایت کی ہے اور اُن کے بعد روایت کرنے والوں کا تو شمار ہی نہیں اور ان میں سے اکثر مشہور واقعات ہیں اور مجمع عام میں بیان ہوئے پس ایسے مواقع پر حق کے سوا بن نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ وہ حاضرین غلط باتوں پر خاموش رہنے والے نہ تھے

فصل - ۱۵

درختوں کا کلام کرنا، گواہی دینا اور حکم بجا لانا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمد بن غلبون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (المتوفی ۷۳ھ/۶۹۲ء) سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اچانک ایک اعرابی آگیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ اے اعرابی! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اعرابی نے جواب دیا کہ اہل وعیال کے پاس جا رہا ہوں۔ پوچھا۔ کیا تجھے اپنی بھلائی درکار ہے؟ اس نے کہا، وہ کیسی بھلائی ہے؟ فرمایا: تیری بھلائی اس میں ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دینے کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس نے کہا کہ آپ کی ان باتوں کی گواہی دینے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میدان کے اس کنارے پر جو کیکر کا درخت کھڑا ہے۔ یہ بھی میری گواہی دیتا ہے چنانچہ بلانے پر وہ درخت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اس کی تین مرتبہ اس نے تصدیق کی اور پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درخت سے جاکر کہہ دو کہ تجھے اللہ کا رسول بلاتا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ درخت یہ حکم سنتے ہی آگے پیچھے اور دائیں بائیں کو جھکا جس سے اس کی جڑ اکھڑ گئی۔ پھر وہ زمین کو چیرتا اپنی جڑیں گھسیٹتا اور مٹی اڑاتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا اور عرض گزار ہوا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ - اعرابی نے کہا کہ آپ اس درخت کو اپنی اصلی جگہ پر لوٹ جانے کا حکم دیجئے

چنانچہ درخت اپنی جگہ ٹوٹ گیا، جڑیں جم گئیں اور وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اعرابی عرض گزار ہوا کہ مجھے اپنے لئے سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے آپ نے فرمایا! کہ اگر مخلوق میں سے کسی کے لئے سجدہ کرنے کا میں حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کریں۔ اس کے بعد اعرابی نے التجا کی کہ مجھے اپنے دونوں ہاتھوں اور پیروں کو چومنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ چنانچہ اس امر کی اجازت دے دی گئی۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۷۴ھ/۶۹۷ء) سے ایک طویل حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن نزدیک کوئی درخت نہ تھا آپ نے دیکھا کہ ایک درخت میدان کے اس کنارے پر ہے اور دوسرا اس کنارے پر۔ آپ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی کو پکڑ کر فرمایا! اللہ کے رسول کا حکم مان۔ چنانچہ وہ درخت اس طرح آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنے لگا جس طرح اونٹ کو نکیل ڈال کر حکم ماننے پر مجبور کر لیا جاتا ہے۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اسے بھی اسی طرح لے آئے یہاں تک کہ دونوں درخت میدان کے وسط میں پہنچ گئے۔ اب آپ نے انہیں حکم دیا کہ خدا کے حکم سے مل جاؤ۔ پس وہ دونوں درخت باہم مل گئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ فلاں درخت سے جا کر کہہ دو کہ تم اس دوسرے درخت سے جا کر مل جاؤ تاکہ تمہاری آڑ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ سکیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشادِ عالی کی تعمیل کی۔ چنانچہ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا اور دوسرے درخت سے جا کر مل گیا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان درختوں کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور میں پرے چلا گیا اور بیٹھ کر شانِ رسالت کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ پس دونوں درخت

اپنے اپنے تنے پر سیدھے کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ذرا سے توقف کے بعد اپنے سرِ مبارک سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ فرمایا۔

اسی کے ہم معنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۵۴ھ ر ۶۷۳ء) سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہیں کوئی ایسی جگہ نظر آتی ہے جہاں اللہ کا رسول قضائے حاجت کے لئے بیٹھ سکے؟ میں عرض گزار ہُوا، یا رسول اللہ! ایسی تو کوئی جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ فرمایا، کیا کوئی درخت یا پتھر نظر آتا ہے؟ عرض کی، ہاں چند کھجوریں تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے جاکر یہ کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہیں اپنی قضائے حاجت کے لئے طلب کرتے ہیں اور اسی طرح جو پتھر نظر آئے اُس سے بھی کہہ دینا۔ راوی فرماتے ہیں کہ مَیں نے جاکر ایسا ہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مَیں نے ان درختوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے یہاں تک کہ آپس میں مل گئے اور پتھر بھی آپس میں اکٹھے ہونے لگے اور کھجوروں کے پیچھے ان کا ڈھیر لگ گیا۔ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو مجھے حکم دیا کہ ان سے اپنی اپنی جگہ چلے جانے کے لئے کہدو۔ قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مَیں نے کھجوروں کو دیکھا کہ ہر درخت ایک دوسرے سے جُدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پر چلا گیا اور اسی طرح سارے پتھر بھی۔

یعلی بن سبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مَیں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اس کے بعد مذکورہ دونوں حدیثوں جیسا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ نے کھجوروں کے دو درختوں کو حکم فرمایا تھا۔ پس وہ آپس میں آکر مل گئے ——— دوسری روایت میں کھجور کے دو بڑے درختوں کا ذکر ہے ——— غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت بھی ان کے مانند ہے اور اس میں بھی دو درختوں کا ذکر ہے ———

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی واقعہ مروی ہے اور یہ واقعہ غزوہ حنین کے وقت پیش آیا تھا۔

یعلیٰ بن مرہ یعنی ابن سبابہ کی روایت میں بہت سے معجزات دیکھنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ایک بڑا درخت یا ایک کیکر کا درخت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کیا اور پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ پہ سلام عرض کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت حاصل کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات جنات نے آپ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر قرآنِ کریم سننے کی اجازت حاصل کی تھی۔ اسی رات ایک درخت بھی حاضر بارگاہِ اقدس ہوا تھا ـــــــ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث جو امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریق سے ہے کہ جنات نے بارگاہِ رسالت میں یہ عرض کی تھی کہ یا رسول اللہ! آپ کی صداقت پہ کون گواہ ہے؟ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ درخت۔ پھر اس درخت کو حاضر ہونے کا اشارہ فرمایا۔ تو وہ اپنی جڑیں گھسیٹتا ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا اور اس کے اس طرح آنے وقت کافی آواز پیدا ہو رہی تھی پھر پہلی حدیث کی طرح بیان فرمایا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعے پہ حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت بریدہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت یعلیٰ بن مرہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت انس بن مالک، حضرت علی بن ابو طالب، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور دیگر کتنے ہی صحابہ کرام متفق ہیں اور ان سے کئی گنا تابعین حضرات (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) نے اس کی روایت کی ہے۔ پس یہ واقعہ اپنی شہرت اور عام مذکور ہونے کے باعث اتنا ہی قوی ہو گیا جتنا کہ پہلا واقعہ ہے۔

ابن فورک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی سنہ ۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء) نے ذکر کیا ہے کہ غزوہ طائف

ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک جانب غنودگی کی حالت میں تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں بیری کا ایک درخت آگیا۔ آپ کو دیکھ کر بیری کا درخت پھٹ گیا اور آپ اس کے درمیان سے گزر گئے اور ہمارے زمانے تک وہ اُسی حالت میں دو شاخہ ہے۔ دُور دُور تک اس درخت کی شہرت ہے۔ لوگ اس کی تعظیم اور زیارت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کو غمگین دیکھ کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! کیا آپ کوئی عجیب بات دیکھنا پسند کرتے ہیں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وادی کے کنارے پہ ایک درخت نظر آ رہا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اُس درخت کو بُلائیے۔ چنانچہ آپ کے بلانے پہ وہ درخت چل پڑا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا، اب اِسے لَوٹ جانے کے لئے فرمائیے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ پہ واپس لوٹ گیا۔

درخت حکم مانتے ہیں

اسی کے ہم معنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی تھی کہ اے پروردگار مجھے ایسی نشانی دکھا جس کے باعث مجھے جھٹلانے والوں کی پرواہ نہ رہے۔ اس کے بعد درخت کو بلانے اور لَوٹانے کا ذکر فرمایا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو اس وقت غمگین تھے تو یہ قوم کی جانب سے جھٹلانے کے باعث تھا اور نشانی اپنے لئے نہیں بلکہ قوم کو دِکھانے کے لئے طلب کی تھی۔

ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رکانہ پہلوان کو بھی ایسی ہی نشانی دکھائی تھی کہ ایک درخت کو بلایا تو آپ کی بارگاہِ عالی میں وہ حاضر ہو گیا اور جب لَوٹ جانے کا حکم دیا تو وہ اپنی جگہ لَوٹ گیا ——— امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ

رب العزت میں التجا کی کہ ایسی نشانی مرحمت فرمائی جائے جس سے قوم پر واضح ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں اور جو خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس روش پر یہ لوگ نظر ثانی کر سکیں۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ فلاں وادی میں ایک درخت ہے۔ اس کی ٹہنی پکڑ کر بلاؤ، وہ تمہارے پاس حاضر ہو جائے گا۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو وہ درخت زمین چیرتا ہوا آپ کے حضور آکر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ جتنی دیر خدا نے چاہا تو آپ نے اسے روکے رکھا اور اجازت ملنے پر وہ واپس لوٹ گیا۔ آپ عرض گزار ہوئے، اے پروردگار! اب واضح ہو گیا کہ درخت بھی جس کا حکم مانیں اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ایسا ہی مروی ہے کہ آپ نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ مجھے ایسی نشانی دکھائی جائے جس کے بعد جھٹلانے والوں کی پرواہ نہ رہے۔ راوی نے اس کے بعد پہلی روایت کی طرح واقعہ بیان کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا، اگر میں فلاں درخت کو اپنے پاس بلاؤں تو کیا تم مجھے سچا رسول مان لو گے؟ اس نے جواب دیا ضرور مان لونگا۔ آپ نے درخت کو بلایا تو وہ تیزی سے ساتھ آپ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ یہاں تک کہ انتہائی قرب کا شرف حاصل کیا۔ اور جب آپ نے واپس لوٹنے کی اجازت مرحمت فرمائی تو واپس لوٹ گیا اس حدیث کا ترمذی نے اخراج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

فصل - ۱۶

ستون کے رونے کا معجز نما واقعہ

گزشتہ فصل کی مذکورہ احادیث ستون کے رونے کی حدیث کو تقویت دیتی ہیں۔

(کیونکہ درخت آپ کا حکم مانتے تھے تو فراق میں لکڑی کا رونا بعید نہیں) اور یہ حدیث خود مشہور و معروف اور تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تخریج کی ہے اور دس سے زیادہ صحابہ کرام نے اسے روایت کیا ہے جن میں حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت بریدہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔ یہ تمام حضرات اس حدیث کو معناً روایت کرتے ہیں اور ترمذی نے کہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح ہے۔

مسجدِ نبوی کا ستون رونے لگا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسجدِ نبوی پہ کھجور کی لکڑیوں کی چھت ڈالی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک سوکھی لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ہم نے اس ستون کی اس طرح گریہ زاری سنی جیسے بچہ جننے والی اونٹنی واویلا کرتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم منبر شریف پہ جلوہ افروز ہوئے تو ستون بیل کی طرح چلّانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھی ــــــــــــ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ستون کے رونے کی آواز سن کر تمام حاضرین بھی رونے لگے۔

حضرت مطلب بن ابی وداعہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ ستون ایسا پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ پھٹ گیا اور جب نبی کریم صلی اللہ

ا۔ حضرت مولینا رومی کی طرح مولانا کفایت علی کافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے عاشق رسول نے ستون کے اس رونے کا یوں ذکر فرمایا ہے،

ستون کی دیکھ کر حالت صحابہ سر بسر روئے! تمامی حاضرانِ مجلسِ خیر البشر روئے!
رُلادے جب کہ چوبِ خشک کو حضرت کی مہجوری کہو پھر عین غیرت سے نہ کیونکر سربسر روئے
سُنی جب اس ستونِ عاشقِ بے تاب کی زاری رسول اللہ کے اصحاب کہیئے کس طرح روئے
کوئی ایسا نہ تھا اس بزم میں جس پر نہ تھی رقت بہت روئے نپٹ روئے، تمامی بیشتر روئے
پھر آجاتا ہے آنکھوں میں وہ عالم ان کے رونے کا کہ کس کس طرح سے اصحاب باسوزِ جگر روئے
اِدھر گرمِ فغاں تھا وہ ستوں صدمے سے فرقت کے اِدھر یہ شدتِ رقت سے باصد چشم تر روئے
ستوں خاموش ہوتا تھا نہ یہ رونے سے چپ تھے وہ آہیں مار چلایا، یہ دل کو کھول کر روئے
ستوں نے یہ کیئے نالے کہ چشم حال سے اُس دم شجر روئے، حجر روئے، سبھی دیوار و در روئے
رسُول اللہ کی الفت محبو! عین ایماں ہے فراقِ مُصطفےٰ میں اہلِ ایماں عمر بھر روئے
تصور آگیا رونے میں جب لمعانِ دنداں کا تو مشتاقانِ دندانِ نبی، سلکِ گہر روئے
لبِ لعلِ مُبارک کے جو مشتاقِ زیارت تھے بجائے اشک عینِ شوق سے لختِ جگر روئے

بشکلِ ابر اے کافی یہ مہجوروں کا عالم ہے
یہاں روئے، وہاں روئے، اِدھر روئے، اُدھر روئے

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ شفقت اس پہ رکھا تو خاموش ہوا ۔۔۔۔۔۔

دیگر حضرات کی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ فقدانِ ذکر کے باعث رو رہا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر حبیبِ پروردگار اسے سینے سے نہ لگاتے تو آپ کی جدائی میں وہ قیامت تک برابر روتا رہتا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس ستون کو منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ، حضرت سہل بن سعد کی روایتوں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس روایت میں ہے جو اسحاق علیہ الرحمۃ کے طریق سے ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ منبر رسول کے نیچے دفن کیا گیا اور بعض طرق میں یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کی چھت میں لگا دیا گیا ۔۔۔۔۔۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر اس ستون کے نزدیک نماز ادا کیا کرتے اور جب مسجدِ نبوی شہید کی گئی تو وہ لکڑی حضرت ابی بن کعب کو مرحمت فرما دی گئی اور وہ ان کے پاس ہی رہی یہاں تک کہ اسے دیمک کھا گئی اور ریزہ ریزہ ہو گئی۔

امام اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے روتے ہوئے ستون کو بلایا تو وہ لپک کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد اسے واپس لوٹنے کا حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا ۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ستون کو تڑپتے اور بلکتے ہوئے دیکھ کر اس سے فرمایا:۔

اِنْ شِئْتَ اَرُدُّکَ اِلٰی — اگر تو چاہے تو میں تجھے اسی بلوغ

الحائطِ الذی کنتَ فیہِ	میں لوٹا دوں جس میں تو پہلے تھا۔ وہاں
تُنبُتُ لکَ عُرُوقکَ وَ	تجھ میں شاخیں نکل آئیں اور مکمل درخت
یکمُلُ خلقکَ وَ تجدّد لکَ	بن جائے اور تیرے اوپر پھل پھول
خُوصٌ وَ ثمرۃٌ وانْ شئتَ	آئیں اور اگر تو چاہے تو میں جنت میں
اَغرِسکَ فی الجنۃِ فیاکلُ	تجھے لگادوں اور اولیاء اللہ تیرے
اَوْلیاء اللہِ مِنْ ثمرِکَ	پھل کھائیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
ثُمّ اَصْغٰی لہٗ النبی صلی اللہ علیہِ	علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی جانب کان
وَسلّمَ یستمعُ مایقولُ فقالَ بلْ	لگائے کہ جواب کیا دیتا ہے۔ جواب دیا
تغرسُنی فی الجنۃِ فیاکلُ مِنّی	مجھے جنت میں لگا دیجیے تاکہ اولیاء اللہ
اَوْلیاء اللہِ واکونُ فی مکانٍ لا	میرے پھل کھائیں اور پرانا ہونے سے
اَبلٰی فیہِ فسمعہٗ من یلیہِ	بچ جاؤں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
فقالَ النبیّ صلی اللہ علیہِ وسلمَ	نے فرمایا۔ میں نے یہ کام کر دیا۔ پھر فرمایا
قدْ فعلتُ ثُمّ قالَ اختارَ	تو نے فانی گھر کو چھوڑ کر باقی رہنے والے
دارَ البقاءِ علٰی دارِ الفناءِ۔ ص ۲۵	گھر کو پسند کیا ہے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو زار و قطار رونے لگتے اور کہتے، خدا کے بندو! جب خشک لکڑی تو منصب رسالت کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے فراق میں روئی تو ہمیں آپ کی زیارت کا اشتیاق بدرجہا زیادہ ہونا چاہیے۔

اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے حفص بن عبید اللہ نے اور کہا کہا گیا ہے کہ عبد اللہ بن حفص، ایمن، ابو نضرہ، ابن المسیب، سعید بن ابی کرب، کُریب اور ابو صالح رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے ——— اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام حسن بصری، ثابت، اسحاق اور ابو طلحہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس کی روایت کی

ہے ——— اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے نافع اور ابو حبیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی ——— اور ابو نضرہ اور ابوالوداک رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی ہے ——— عمار بن ابی عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ——— ابو حازم اور عباس بن سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ——— کثیر بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ——— اور حضرت عبداللہ بن بریدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے والدِ محترم حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسا آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس حدیث کی کتنے محدثین نے تخریج کی ہے۔ کتنے صحابہ کرام سے یہ حدیث مروی ہے اور اُن سے بھی دوچند تابعینِ عظام نے اُن سے اس کی روایت کی ہے جن کا ذکر ہو چکا اور کتنے ہی وہ ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ اہلِ علم پر یہ مخفی نہیں کہ علم الیقین اس سے بھی کم رواۃ پر حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ جلّ مجدہٗ ہی راہِ صواب پہ ثابت قدم رکھنے والا ہے۔

فصل - ۱۷

جمادات میں معجزانہ تصرف

جس طرح دیگر اشیاء کے بارے میں مذکور ہو چکا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام جمادات میں بھی تصرف فرماتے تھے ——— قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جب کھانا تناول فرماتے تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے ——— اسی طرح

اس کے علاوہ دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔

کنکریاں کلمہ پڑھتی ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ کون ومکاں نے ایک مٹھی بھر کنکریاں اپنے دستِ اقدس میں لیں تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں میں تسبیح پڑھنا شروع کر دی اور ہم نے خود اپنے کانوں سے اُن کا تسبیح پڑھنا سُنا۔ پھر آپ نے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑا دیں تو تب بھی وہ تسبیح پڑھتی رہیں پھر ہمارے ہاتھوں میں دے دیں تب بھی وہ تسبیح پڑھتی رہیں

اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں ہے کہ اسی طرح کنکریوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں میں بھی تسبیح پڑھی

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كُنَّا بِمَكَّةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ اِلٰى بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ شَجَرَةٌ وَّ لَا جَبَلٌ اِلَّا قَالَ لَهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (ص ۲۶۰)

ہم مکّہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ تھے تو آپ اس کے ایک جانب تشریف لے گئے۔ پس جو درخت اور پہاڑ آپ کے سامنے آتا وہ سلام عرض کرتا کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ پہ سلام عرض کیا کرتا تھا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ وہ حجرِ اسود ہے۔ حضرت ام المومنین، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

لَمَّا اسْتَقْبَلَنِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ — جب جبریل علیہ السلام میرے پاس

اَلسَّلَامُ بِالرِّسَالَةِ لَا اَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّ لَا شَجَرٍ اِلَّا قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	پیغامِ رسالت لائے۔ اسی وقت سے یہ حالت ہے کہ میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا ہوں وہی یوں سلام عرض کرتا ہے۔ السلام علیک یارسول
وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمْ يَكُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَّ لَا شَجَرٍ اِلَّا سَجَدَ لَهٗ۔ (ص ۲۶۰)	اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہی آپ کے لئے سجدہ کرتا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ / ۶۵۲ء) سے روایت ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اور میری اولاد کو ایک چادر میں چھپایا اور بارگاہ خداوندی میں التجا کی اے اللہ! انہیں دوزخ کی آگ سے اس طرح چھپا لینا جیسے میں نے انہیں کپڑے میں چھپا لیا ہے۔ اس پر گھر کے درو دیوار سے آمین۔ آمین کی صدائیں بلند ہونے لگیں ـــــــ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والدِ ماجد، امام محمد باقر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اناروں اور انگوروں سے بھرا ہوا ایک طشت لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان میں سے تھوڑے سے کھائے اور وہ انار اور انگور تسبیح بیان کر رہے تھے۔

پہاڑ کانپنے لگا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب پروردگار، احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُحد پہاڑ پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ پہاڑ مارے ہیبت کے تھرتھرانے لگا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، اے پہاڑ! قرار پکڑ کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق، اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی ایسا ہی مروی ہے لیکن اُن کی روایات میں یہ زیادہ ہے کہ آپ کے ہمراہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے اور فرمایا تھا کہ تجھ پہ ایک نبی، ایک صدیق اور باقی شہید ہیں ——— ذکرِ حرا، میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمراہ دس اصحابہ کرام تھے جن میں سے ایک میں بھی تھا نیز انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی حضار میں شامل کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دو حضرات کے نام میں بھول گیا ہوں ———

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی یہی مروی ہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو بھی ان حضرات میں گنایا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تلاش میں قریش سرگرداں تھے تو کوہِ ثبیر عرض گزار ہوا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم! آپ میرے اوپر سے اُتر کر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا کفار آپ کو میری پشت پہ شہید کر دیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پہ عذاب نازل فرمائے گا۔ اُس وقت حرا پہاڑ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ میری جانب تشریف لے آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منبر شریف پہ آیۂ کریمہ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ پڑھی یعنی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہ پہچانی جیسی کہ پہچاننے کا حق تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان فرماتا ہے کہ میں جبار ہوں، میں جبار ہوں۔ میں بہت اُونچی شان والا ہوں۔ یہ سُن کر منبر مبارک تھر تھر کانپنے لگا اور ہمیں خدشہ ہوا کہ کہیں آپ گر نہ پڑیں

تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھر تھرا کر گر گیا	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ خانۂ

کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے اور ان کے پیر رانگ کے ساتھ پتھروں میں جمائے تھے۔ جس سال مکّہ مکرمہ فتح ہُوا اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے اندر داخل ہوئے تو آپ ایک چھڑی کے ساتھ اشارہ فرماتے جاتے تھے جو آپ کے دستِ اقدس میں تھی اور کسی بُت کو مطلقاً ہاتھ نہ لگایا اور اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرماتے جاتے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ؎

حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

تو جس بُت کے آپ چہرے کی جانب اشارہ فرماتے وہ پیچھے کی جانب گر جاتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل زمین پر آگرتا، یہاں تک کہ ایک بُت بھی اپنی جگہ کھڑا نہ رہ سکا ——— اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ بتوں کو ٹھوکا مارتے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اب حق آگیا ہے لہٰذا نہ باطل ظاہر ہوگا اور نہ لوٹ کر آئے گا۔

حضور سفرِ شام پر اسی طرح کا واقعہ آپ کو لڑکپن میں بحیرہ راہب کیسا تھ پیش آیا۔ جب آپ اپنے چچا جناب اَبُو طالب کے ہمراہ شام کی جانب بغرضِ تجارت جا رہے تھے وہ راہب کسی شخص سے نہیں ملتا تھا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر باہر نکلا، قافلے میں پھرتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دستِ اقدس پکڑ کر کہنے لگے۔ یہ کائنات کے سردار ہیں، انہیں رحمتِ دوعالم بنا کر مبعوث فرمایا جائے گا۔ سردارانِ قریش نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے جواب دیا۔ کہ کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا نہیں جو ان کے لئے سجدہ نہ کرتا ہو اور نبی کے سوا کسی دوسرے کی اس درجہ تعظیم نہیں کی جاتی۔

حضورؐ کی مُہرِ نبوّت

اسس کے بعد راوی نے باقی واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں انہیں مہرِ نبوّت کے باعث پہچانتا ہوں جو ان کے دونوں شانوں کے درمیان سیب کی طرح ہے۔ پھر وہ لوٹ گیا اور کھانا لے کر دوبارہ حاضر ہوا تو آپ اونٹ چرانے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اس نے آپ کو بُلوانے کے لئے کہا۔ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو بادلوں نے آپ کے اوپر سایہ کیا ہوا تھا جب آپ قریب آگئے تو دیکھا کہ تمام قافلے والے درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن آپ کو دیکھ کر درخت کا سایہ آپ کی طرف ہو گیا۔

فصل-۱۸

حیوانات پر معجز نما تصرّف

یہاں ان معجزات کا ذکر ہے جو حیوانات میں جاری ہوئے — قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سراج بن عبد الملک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ ہم نے ایک بکری پال رکھی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف فرما ہوتے تو آپ کی تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے بکری چپ چاپ کھڑی رہتی اور اتنی دیر اِدھر اُدھر حرکت نہیں کرتی تھی۔ جب آپ تشریف لے جاتے تب کوئی حرکت کرتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے کہ ایک اعرابی آگیا جس نے گوہ پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے (شمعِ محفل) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اس نے کہا۔ لات و عزّیٰ کی قسم میں ان پر ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لے آئے۔ یہ کہہ کر اس

نے گوہ آپ کے سامنے پھینک دی۔ آپ نے گوہ کو مخاطب کیا تو اس نے فصیح زبان میں جواب دیا۔ اے قیامت کی جانب جانے والوں کی زیب و زینت! میں حاضر ہوں میں فرمانبردار ہوں۔ تمام حاضرین یہ سن رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ تو کس کو پوجتی ہے؟ گوہ نے جواب دیا۔ میں اس ذات کو پوجتی ہوں جس کا عرش آسمان میں ہے جس کی سلطنت زمین میں ہے جس کا راستہ سمندر میں ہے جس کی رحمت جنت میں ہے اور جس کا عذاب دوزخ میں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بتائیں کون ہوں۔ گوہ نے جواب دیا کہ آپ پروردگارِ عالم کے رسول اور سب میں آخری نبی ہیں۔ یقیناً وہ فائدے میں ہے۔ جس نے آپ کی تصدیق کی اور وہ ضرور خسارے میں ہے جس نے آپ کی تکذیب کی۔ اعرابی یہ گفتگو سن کر مسلمان ہو گیا۔

بھیڑیا گفتگو کرتا ہے

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ بھیڑیئے نے آپ سے کلام کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا کہ بھیڑیئے نے ایک بکری آ دبوچی۔ چرواہے نے اس سے بکری چھڑالی تو بھیڑیا ذرا پرے ہٹ گیا اور سامنے بیٹھ کر چرواہے سے کہنے لگا کہ خدا سے ڈریئے۔ آپ میری روزی اور میرے درمیان حائل ہوئے ہیں۔ چرواہے نے حیرت سے کہا کہ بھیڑیا بھی انسانوں کی طرح گفتگو کرتا ہے۔ یہ سن کر بھیڑیئے نے جواب دیا۔

اَلَا اُخْبِرُكَ بِاَعْجَبَ مِنْ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَيْنَ الْحَرَّتَيْنِ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِاَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ۔ (ص ۲۶۳)	کیا میں تجھے اس سے بھی عجیب بات نہ بتاؤں کہ اللہ کا رسول، جو دو پہاڑیوں کے درمیان رہتا ہے، وہ لوگوں کو ماضی کی ساری باتیں بتا رہا ہے۔

یہ سن کر وہ چرواہا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا اور پورا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ

نے فرمایا کہ کھڑا ہو کر یہ سارا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بھیڑیے نے سچ کہا ہے۔ حدیث پاک میں یہ واقعہ بہت طویل مذکور ہے، جس سے بعض حصے طوالت کے باعث پیش نہیں کیے۔

بھیڑیے کے کلام کرنے کا واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی مروی ہے اس کے بعض طرق میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے منقول ہے کہ بھیڑیے نے چرواہے سے کہا کہ کتنے تعجب کی بات ہے جو آپ بکریوں میں تو کھڑے ہیں لیکن اس نبی کو چھوڑ رکھا ہے جن سے اعلیٰ مرتبے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا حالانکہ اس نبی کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنتی لوگ اس کے اصحاب کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور معرکہ آرائی کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کے اور آپ کے درمیان صرف یہی گھاٹی حائل ہے چاہیئے تو یہی کہ آپ بھی اللہ اور اس کے رسول کی فوج میں شامل ہو جائیں۔ چرواہا کہنے لگا اگر میں چلا جاؤں تو میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا۔ بھیڑیے نے جواب دیا۔ آپ کے واپس لوٹنے تک بکریوں کو میں چراؤں گا۔ چرواہا اپنی بکریاں بھیڑیے کے سپرد کر کے رحمت دو عالم کی جانب روانہ ہو گیا۔ آگے روایت میں اس کا سارا واقعہ ہے کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے لشکرِ اسلام کو مصروف جہاد پایا تھا۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ جب تو واپس لوٹے گا تو اپنی بکریوں میں سے ایک بھی کم نہیں پائیگا۔ واپس لوٹنے پر جب اس نے واقعی یہی کچھ دیکھا تو ایک بکری ذبح کر کے کھانے کے لئے بھیڑیے کو پیش کر دی۔

رہبان بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور بھیڑیے نے ان کے ساتھ بھی گفتگو کی تھی ——— نیز سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی بھیڑیے کے کلام کرنے کی حدیث مروی ہے کیونکہ ان کے ساتھ بھی بھیڑیے نے گفتگو کی تھی اور ان کے مسلمان ہونے کا سبب یہی واقعہ ہوا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے

مروی ہے۔

اسی طرح ابنِ وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن اُمیہ کے ساتھ بھی بھیڑیے نے کلام کیا تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ہرن کے پیچھے ایک بھیڑیا دوڑ رہا تھا۔ آخر کار ہرن حرم کی حدود میں داخل ہو گیا اور بھیڑیا واپس آنے لگا۔ ان دونوں نے بھیڑیے کی اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تو بھیڑیا کہنے لگا کہ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ میں بیٹھ کر تمہیں جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم انہیں جہنم کی جانب بلانے میں کوشاں رہتے ہو۔ یہ سن کر ابو سفیان نے کہا۔ قسم ہے لات و عزّیٰ کی۔ اگر تم نے یہ بات اہلِ مکہ کے سامنے کی ہوتی تو وہ اپنے شہر کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے ہوتے۔ ایسا ہی واقعہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو پیش آیا تھا۔

بُت بول اُٹھے

عباس بن مرداس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب انہوں نے اپنے ضماد نامی بُت کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔ اس بُت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں اشعار پڑھے تھے۔ غیب سے آواز آئی کہ عباس! تم بت کے کلام کرنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہو۔ لیکن اس بات پر تمہیں کوئی تعجب نہیں کہ اللہ کا رسول تمہیں اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے اور خود کو جہنم کا ایندھن بنا رہے ہو۔ چنانچہ یہی واقعہ ان کے دائرہ اسلام میں آنے کا سبب بنا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خیبر کے ایک قلعہ میں تشریف فرما تھے تو ایک آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور آپ پر ایمان لے آیا۔ وہ شخص اہلِ خیبر کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوا۔ یارسول اللہ! جو بکریاں میرے سپرد ہیں اور جنگل میں چر رہی ہیں ان کا کیا بنے گا آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کر، ان کے منہ پر دھول ڈال۔ اللہ تعالیٰ انہیں خود واپس لوٹا دے گا۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا اور تمام بکریاں اپنے اپنے مالکوں کے پاس خود بخود چلی گئیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں رونق افروز ہوئے اور آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ باغ میں ایک بکری بھی تھی جس نے سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ کے لئے سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عرض گزار ہوئے کہ بکری کی نسبت سجدہ کرنے کے ہم زیادہ مستحق ہیں (الیٰ آخرہ)

اونٹ سجدہ کرتا ہے

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے۔ سامنے ایک اونٹ نظر آیا۔ اس نے دیکھتے ہی آپ کو سجدہ کیا۔ آگے روایت حسب سابق بیان فرمائی ——— اسی طرح اونٹ کے سجدہ کرنے کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن مالک حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت یعلیٰ بن مرّہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے ان میں سے ہر ایک نے بیان کیا ہے کہ ایک باغ کے اندر ایسا اونٹ تھا کہ جو اس باغ میں داخل ہوتا اونٹ اس پر حملہ آور ہو جاتا تھا جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس باغ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کو پچکارا۔ اس نے اپنا منہ آپ کے سامنے زمین پر رکھ دیا اور آپ کے حضور چپ چاپ بیٹھ گیا سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی ناک میں نکیل ڈال دی اور زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا:

مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ شَيْئٌ اِلَّا يَعْلَمُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا عَاصِیَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ (ص۔ ۲۶۵)	زمین و آسمان کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سوائے نافرمان جنوں اور انسانوں کے۔

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ———
اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اونٹ سے اُس کا

حال پوچھا تو اونٹ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اس کے مالک اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں
ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اُونٹ کے مالکوں سے کہا کہ یہ زیادہ کام لینے اور کم خوراک دینے کی شکایت کرتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اونٹ تمہاری یہ شکایت کرتا ہے کہ تم اس کے بچپن سے اب تک اس سے خوب کام لیتے رہے ہو اور اب اسے ذبح کرنا چاہتے ہو اور مالکوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ واقعی انہوں نے یہی ارادہ کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عضباء نامی ناقہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ آپ سے کلام کیا کرتی تھی اور جب وہ جنگل میں چرنے کے لئے جاتی تو چارہ اس کی جانب خود دوڑ کر آتا تھا۔ جنگل کے درندے اس سے دُور دُور رہتے تھے اور ایک دوسرے کو خبردار کرتے تھے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ہے۔ مروی ہے کہ جب سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو اس اونٹنی نے آپ کے فراق میں کھانا پینا مطلقاً ترک کر دیا تھا اور اسی حالت میں اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس امر کا ذکر امام ابو حامد اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے۔ !

ابن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تو کبوتروں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیا تھا اور آپ نے انہیں برکت کی دعا دی تھی

حضرت انس، حضرت زید بن ارقم اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ جب ہجرت کے دوران آپ غار میں جلوہ افروز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو حکم دیا جو ابھی سے چل کر غار کے منہ پہ آ کھڑا ہوا اور اس نے آپ کو چھپا لیا اور کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے منہ پہ آ کر بیٹھ گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ غار کے منہ پہ مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور جب تلاش کرنے والے وہاں پہنچے

صورتِ حال دیکھی تو یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ اگر اس غار کے اندر کوئی گیا ہوتا تو دروازے پہ کبوتر نہ ہوتے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی باتیں سن رہے تھے۔

عبداللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے روز ذبح کرنے کے لئے پانچ سات اونٹ بارگاہِ رسالت میں پیش کئے گئے۔ اُن میں سے ہر اُونٹ ذبح ہونے کے لئے ایک دوسرے کے آگے بڑھ رہا تھا۔

ہرنی کی ضمانت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک روز جنگل میں تشریف فرما تھے کہ ایک ہرنی نے آپ کو مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے عرض کی کہ مجھے اس اعرابی نے شکار کر لیا ہے حالانکہ اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں اگر آپ مجھے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیں تو میں انہیں دودھ پلا کر واپس لوٹ آؤں گی۔ آپ نے فرمایا کیا تو ضرور ایسا ہی کرے گا؟ ہرنی نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے ہرنی کو چھوڑ دیا اور وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس لوٹ آئی اور آپ نے اُسے حسب سابق باندھ دیا۔ اتنے میں وہ اعرابی بیدار ہو گیا اور عرض گزار ہوا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کسی حاجت کے تحت یہاں جلوہ افروز ہیں۔ جواب دیا۔ ہاں۔ اس ہرنی کو چھوڑ دے۔ اعرابی نے ہرنی چھوڑ دی۔ وہ میدان میں دوڑتی جا رہی تھی اور بلند آواز سے کہہ رہی تھی، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللہِ۔ یعنی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں ہے اور میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ آپ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

شیر غلامانِ مصطفےٰ کا احترام کرتے ہیں

اسی طرح کا واقعہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے آزاد کردہ غلام تھے اور سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وآلم نے انہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن بھیجا تھا۔ شیر نے پہچان لیا کہ یہ رحمتِ دوعالم کا غلام ہے اور اس کے پاس اس سرکار کا صحیفۂ عالیہ ہے اس نے نرم سی آواز میں اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحیح راستے پر لگا دیا اور انہوں نے بیان فرمایا کہ واپسی پر بھی انہیں ایسا ہی پیش آیا۔

اِن کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ ایک کشتی میں سوار تھے کہ وہ ٹوٹ گئی اور انہیں لے کر ایک جزیرے سے جالگی۔ اچانک سامنے سے ایک شیر آگیا۔ انہوں نے کہا۔ اے شیر مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا غلام ہوں۔ شیر نے اظہارِ وفاداری کے لئے اپنے کندھے ہلائے گئے اور مجھے راستہ بتا دیا۔——— نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک بکری کا کان اپنی دو انگلیوں سے پکڑا۔ تو کان پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے اور یہ نشان اس بکری کی نسل میں باقی رہے۔

ابراہیم بن حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے گدھے نے بھی کلام کیا تھا۔ جو آپ کو غزوۂ خیبر کے دِنوں میں مِلا تھا۔ آپ نے اس سے نام دریافت فرمایا تو اس نے اپنا نام یزید بن شہاب بتایا۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کا نام یعفور رکھ دیا۔ جب آپ کسی صحابی کو بُلانا چاہتے تو اس گدھے کو بھیج دیتے۔ وہ جا کر اس صحابی کا دروازہ کھٹکھٹاتا اور انہیں بُلا کر لے آتا تھا۔ جب رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا وصال ہوا تو وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور ایک کنوئیں میں گر کر اپنی جان کو جانِ آفرین کے سپُرد کر دیا۔

اِسی طرح یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹنی نے اپنے مالک کے بارے میں بارگاہِ رسالت کے اندر گواہی دی تھی کہ واقعی اس کا مالک وہی ہے اور اس نے اسے چرایا نہیں ہے

اسی طرح ایک بکری کا واقعہ ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت میں ایسے وقت پیش ہوئی جب صحابۂ کرام شدتِ پیاس سے مضطرب تھے اور ایسی جگہ ٹھہرے تھے جہاں پانی نہ تھا اور لشکرِ اسلام کی تعداد تین سو تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس بکری کا دُودھ نکالا اور اپنے تمام ساتھیوں کو خوب پلایا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اِسے باندھ لو، لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ تم اسے رکھ سکو گے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو وہ بکری جا چکی تھی۔ اس کو ابن قانع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اِن کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "جو اُسے لے کر آیا تھا وہی لے گیا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سفر میں اپنے گھوڑے سے فرمایا کہ جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہو جائیں تم حرکت نہ کرنا چنانچہ آپ جب تک نماز ادا کرتے رہے گھوڑا بے حس و حرکت کھڑا رہا اور کان تک نہ ہلایا ——— ایسے ہی واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جس کو واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قاصدوں کو بادشاہوں کی جانب روانہ کیا تو اُن میں سے ہر ایک اس زبان میں بھی کلام کرنے لگا جس زبان والوں کی جانب اسے بھیجا جا رہا تھا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی حدیثیں اگرچہ بے شمار ہیں لیکن:

قَدْ جِئْنَا مِنْهُ بِالْمَشْهُوْرِ وَمَا وَقَعَ فِیْ كُتُبِ الْاَئِمَّةِ۔ (ص ۲۶۷)	ہم نے ان میں سے وہی احادیث پیش کی ہیں جو مشہور ہیں اور ائمہ دین کی کتابوں میں درج ہیں۔

فصل ۔ ۱۹

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مردے جلانا، اُن سے گفتگو کرنا اور شیر خوار بچوں کا کلام کرنا

مُردے زندہ کئے ہیں، مُردوں سے کلام کیا ہے نیز آپ کی برکت سے شیر خوار بچوں نے کلام کیا اور آپ کی نبوت کی گواہی دی ہے ــــــــ امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہم سے ابوالولید ہشام بن احمد، قاضی ابوالولید محمد بن رُشد اور قاضی ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی ہے کہ خیبر کے مقام پہ ایک یہودیہ نے بارگاہِ رسالت میں بکری کا بُھنا ہُوا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا جس میں زہر مِلا ہُوا تھا۔ آپ نے اُس میں سے تھوڑا سا کھایا اور آپ کے بعض اصحاب نے بھی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت اب کوئی نہ کھائے کیونکہ اس گوشت نے مجھے بتایا ہے کہ اس میں زہر مِلا ہُوا ہے چنانچہ حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا اسی کے باعث انتقال ہوگیا تھا۔ آپ نے اُس عورت سے دریافت فرمایا کہ تُو نے ایسا کام کیوں کیا؟ اُس نے جواب دیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو یہ گوشت آپ کو نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ صرف بادشاہ ہیں تو دنیا والوں کو آپ سے نجات مِل جائے گی چنانچہ آپ کے حکم سے اس عورت کو قتل کردیا گیا۔

یہ واقعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں ہے کہ یہودیہ نے کہا، میں آپ کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس بات پہ قدرت نہیں دیگا۔ صحابۂ کرام نے اُس عورت کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انکار فرما دیا۔

ــــــــ روایتِ وہب کے سوا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت کے دیگر طرق میں یہی ہے کہ اس عورت کو قتل کو نہیں کیا گیا ــــــــ حضرت جابر بن عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت میں ہے کہ مجھے خبردار کر دیا گیا ہے اور اس عورت کو سزا نہیں دی گئی ——— امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ بکری کی اس ران نے مجھے خبر دی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے ——— اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت میں ہے کہ بکری (کے گوشت) نے مجھے بتایا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے ——— اسی طرح ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور اس میں کہا ہے کہ آپ نے اس عورت کو معاف فرما دیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ میں اس زہر کے اثر کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اندر محسوس کرتا رہا۔ ——— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت میں ہے کہ مرضِ وصال میں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خیبر کے لقمے کا ہمیشہ مجھے دورہ پڑتا رہا لیکن اب اس نے میری رگِ جاں کو قطع کر کے رکھ دیا ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایت کی ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت بھی پائی ہے اگرچہ آپ نبوت و رسالت کے عظیم الشان شرف سے بھی مشرف ہیں ——— ابن سحنون علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس عورت نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو زہر کھلایا تھا اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ہم نے مختلف روایتیں پیش کر دی ہیں جو حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں ——— ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی اس گوشت کے کھانے سے شہادت واقع ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عورت اس کے ورثا کے سپرد کر دی تھی اور انہوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔

اسی طرح اس شخص کے قتل کر دینے میں بھی اختلاف ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہ جادو کیا تھا۔ واقدی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ موقف زیادہ مضبوط ہے کہ آپ نے درگزر سے کام لیا تھا جبکہ اس کا قتل کر دینا بھی منقول ہے اور حدیث مذکورہ کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے اور ایسا ہی بیان فرمایا لیکن آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک (گوشت کی جانب) بڑھایا اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھالو ہم نے اللہ کا نام لے کر کھایا اور ہم میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بکری کے زہر آلودہ گوشت کے واقعے کو امام بخاری و امام مسلم اور دیگر آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ پس یہ حدیث مشہور و معروف ہے۔ اہلِ نظر محققین کا کلام اجسام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ مردہ بکری نے اسی طرح کلام کیا جیسے اللہ تعالیٰ درختوں اور پتھروں میں بولنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے یعنی حروف اور آواز کی قوت ان میں پیدا کر دیتا ہے جو ہیبت اور شکل تبدیل ہونے کے بغیر ان سے سُنی جاتی ہے۔ یہ مذہب شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء) اور قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۴۰۳ھ / ۱۰۱۲ء) کا ہے۔ دوسرے علماء اس جانب گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے ان میں زندگی پیدا کرتا ہے اور اس کے بعد کلام کی قوت دیتا ہے۔ یہ ہمارے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی نقل کیا گیا ہے اور ان دونوں اقوال کے اندر احتمال پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف اور آواز کے لئے زندگی شرط نہیں ہے کیونکہ بغیر زندگی کے حروف اور آواز کا صدور محال نہیں۔ اگر حروف اور آواز سے مراد کلامِ نفسی ہو تو اس وقت حیات کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کلامِ نفسی کا صدور اُسی سے ہو سکتا ہے جو زندہ ہو۔ لیکن تمام متکلمین کے خلاف صرف ابوعلی جبائی (رئیسِ معتزلہ) کا یہ

مذہب ہے کہ حروف و اصوات یعنی کلام لفظی کا صدور بھی ہر اس چیز سے ممتنع و محال ہے جو حیات نہ رکھے اور اس ترکیب سے مرکب نہ ہو جائے جس سے حروف اور آواز کا صدور ہوتا ہے۔ جبائی نے سنگریزوں، حنانہ ستون اور زہر آلود گوشت پر بھی اس تعریف کا التزام کیا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان چیزوں کو زندگی بخشی۔ اس کے بعد انہیں بولنے کے آلات مرحمت فرمائے۔ تب ان سے کلام کا صدور ہوا تھا۔

اگر صورتِ حال یہی ہوتی جیسا کہ جبائی نے کہا ہے تو جس طرح سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور حنانہ کا اگریہ زاری کرنا نقل ہوا ہے تو حیات و آلاتِ کلام کا نقل کرنا اس سے زیادہ ضروری ہے لیکن مؤرخین و محدثین سے ایسی کوئی بات منقول نہیں۔ ان حالات میں دعویٰ پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں عقلی لحاظ سے بھی دیکھیں تو اس کی چنداں ضرورت نظر نہیں آتی اور توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

امام وکیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فہد بن عطیہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے مرفوعًا روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا پیش کیا گیا جو کافی بڑا ہو گیا تھا لیکن بول نہیں سکتا تھا۔ آپ نے اس لڑکے سے دریافت فرمایا، میں کون ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں ——— اسی طرح معرض بن معیقب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ تعجب خیز بات دیکھی کہ آپ کی خدمت میں ایک ایسا بچہ پیش کیا گیا جو اسی روز پیدا ہوا تھا۔ آگے اسی طرح واقعہ بیان کیا جیسا کہ پچھلی حدیث میں ہے۔

یہ مبارک الیمامہ کی حدیث ہے جو حدیثِ شاصونہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ اس کے راوی کا نام ہے جب اس لڑکے نے آپ کی رسالت کی گواہی دی تو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، تو نے سچ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے۔ پھر اس کے بعد وہ بچہ بڑے ہونے تک کسی سے نہ بولا اور اسی کا نام مبارک یمامہ رکھا گیا تھا اور

یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیش آیا تھا۔

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ حضور! زمانۂ جاہلیت میں اپنی ایک لڑکی کو میں نے فلاں جنگل کے اندر زندہ در گور کر دیا تھا۔ آپ اس شخص کے ساتھ جنگل میں مطلوبہ جگہ تشریف لے گئے۔ نام لے کر آپ نے اس لڑکی کو آواز دی اور فرمایا کہ اے لڑکی! تو رسولِ خدا کے بلانے کو قبول کر وہ لڑکی لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ کہتی ہوئی گڑھے سے نکل کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئی آپ نے فرمایا، بیٹی! تیرے والدین مسلمان ہو گئے ہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے ان کے پاس زندہ لوٹا دوں؟ لڑکی عرض گزار ہوئی، حضور! مجھے اس چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ان سے بہتر پایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سے ایک نوجوان کا انتقال ہو گیا۔ اس کی والدہ عمر رسیدہ اور آنکھوں سے نابینا تھی۔ ہم نے اس نوجوان پہ کپڑا ڈال دیا اور اس کی والدہ کو تسلی دینے لگے۔ اس محترمہ نے دریافت فرمایا کہ واقعی کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ جب ہم نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے دستِ دعا دراز کر دیئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئی۔ اے اللہ! اگر میں تیری طرف اور تیرے رسول کی جانب اس لئے رجوع ہوئی تھی کہ مصیبت کے وقت تو میری مدد کرے گا تو مجھ ناتوان پہ یہ مصیبت نہ ڈال۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابھی وہاں سے ملنے بھی نہیں پائے تھے کہ اس نوجوان نے کپڑا ہٹا دیا اور ایک مدت تک ہمارے ساتھ حیاتِ نو کے باقی ایام گزارتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن عبیداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا تھا۔ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ جب ہم نے انہیں قبر میں رکھا تو وہ فرما رہے تھے، سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق

میں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ احسان کرنیوالے اور مہربان ہیں ـــــــ حالانکہ دیکھتے ہیں وہ مردہ نظر آتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مذکور ہے کہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جاں بحق ہو کر گر پڑے انہیں مدینہ طیبہ کے اس کوچے سے اٹھا کر لایا گیا اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان جب ان کے گرداگرد عورتیں رو رہی تھیں اس وقت کسی کی یہ آواز سنی گئی: خاموش رہو، خاموش رہو۔ اُن کے منہ سے کپڑا ہٹایا گیا تو وہ فرما رہے تھے۔ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول، اُمی نبی اور گروہ انبیاء میں سب سے آخری ہیں۔ یہ بات لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئے ہے۔ پھر آواز آئی، یہ سچ کہا، سچ کہا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان بیان کی۔ بعدہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُہٗ کہنے کے بعد مُردوں کی طرح خاموش ہو گئے۔

فصل ۔ ۲۰

دفع بلیات و امراض

بیماروں کو تندرستی دینے اور مصیبت زدہ لوگوں کو مصیبت سے نجات دلانے کے سلسلے میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ابو الحسن علی بن مشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوہ اُحد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے تیر دیتے تاکہ اُن کی بھال نکالوں اور پھر تیر اندازی کروں چنانچہ وہی تیر پورا کام کرتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس روز خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اتنے تیر برسائے کہ آپ کی کمان ٹوٹ گئی۔ اس روز قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ پر ایک تیر آ لگا اور رخسار پر آ لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھ کو اُسی کی

جگہ پر رکھ دیا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی زیادہ کام کرنے لگی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کو عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن عمر بن قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی روایت کیا ہے۔

غزوہ ذی قرد کے موقع پر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر تیر کا زخم آ گیا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس زخم پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا تو نہ درد کی شکایت رہی اور نہ اس میں پیپ پڑی ——— سنن نسائی میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوا۔ یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور فارغ ہونے کے بعد یوں دعا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ اَنْ يَكْشِفَ عَنْ بَصَرِيْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تیری جانب متوجہ ہوتا ہوں جو نبی رحمت ہیں۔ یا محمد! میں آپ کی جانب متوجہ ہوتا ہوں کہ مجھے بینائی مرحمت فرما دی جائے۔ اے اللہ! اس بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما) راوی فرماتے ہیں کہ جب وہ لوٹا تو اسے بینائی مل چکی تھی۔

ابن ملاعب اسنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ انہیں استسقار کی بیماری ہو گئی تھی۔ وہ اس غرض سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی بھر مٹی لی اور اس میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر انہیں مرحمت فرما دی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مٹی تو لے لی لیکن حیران تھے کہ شاید ان کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔ بہر حال وہ اس مٹی کو لے کر چلے گئے لیکن جب اسے پانی میں ڈال کر پیا تو انہیں شفا مل گئی۔

امام عقیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حبیب بن فُدَیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ فُدَیک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے والدِ محترم کی دونوں آنکھوں میں سفیدی چھا گئی جس کے باعث کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تو انہیں نظر آنے لگا اور بینائی اتنی تیز ہو گئی کہ میں نے انہیں سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے دیکھا حالانکہ اُن کی عمر اسّی سال تھی۔

غزوۂ اُحد کے روز حضرت کلثوم بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں ایک تیر آ لگا۔ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ نے زخم پہ اپنا لعاب دہن لگا دیا جس کے باعث وہ فوراً درست ہو گئے ——— حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر میں زخم آ گیا تھا۔ آپ نے وہاں لعابِ دہن لگا دیا تو اس میں پیپ نہ پڑی ——— خیبر کے روز آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُکھتی ہوئی آنکھوں پر لعابِ دہن لگایا تو آشوبِ چشم کی تکلیف دور ہو گئی ——— حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران پہ لعابِ دہن لگایا تو وہ درست ہو گئی ——— اسی طرح حضرت زید بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پیر پہ لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا ——— یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے گئے تھے۔ واپس لوٹتے وقت ان کے پیر میں تلوار لگ گئی تھی ——— خندق کے روز حضرت علی بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ آپ نے اس پہ اپنا لعابِ دہن لگا دیا تو وہ اسی وقت درست ہو گئی حالانکہ وہ گھوڑے سے اُتر نہیں سکتے تھے۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی:۔ اَللّٰھُمَّ اشْفِعْہُ وَعَافِہٖ (اے اللہ! اسے صحت و عافیت عطا فرما) اس کے بعد اپنا پائے اقدس ان کے جسم سے لگایا تو وہ فوراً تندرست ہو گئے۔ اور

اِس کے بعد کبھی اِس بیماری میں مُبتلا نہیں ہُوئے۔

جنگِ بدر میں ابوجہل نے حضرت معوّذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو کاٹ دیا تھا یہ اسے لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کا ہاتھ اصلی جگہ پہ لگا کر اس پہ اپنا لعاب دہن لگا دیا تو حسبِ سابق جڑ گیا یہ ابن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھیوں میں سے حضرت حبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر روزِ بدر زخم آگیا اور وہ ایک جانب لٹک گیا۔ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُسے صحیح حالت میں کر کے اس پہ اپنا لعابِ دہن لگا دیا تو وہ بالکل درست ہو گیا۔

بارگاہِ رسالت میں قبیلہ خثعم کی کوئی عورت اپنے ساتھ ایک بچے کو لے کر حاضر ہوئی جو کسی بیماری کے باعث بول نہیں سکتا تھا۔ آپ نے پانی منگا کر کلّی کی اور ہاتھ پیر دھو کر استعمال شدہ پانی اس عورت کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ پانی اس بچے کو پلاؤ اور اس کے جسم پہ ملو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ بچہ فوراً درست ہو گیا اور بولنے لگا اور ایسا عقلمند بنا کہ لوگوں میں صاحبِ عقل و دانش شمار ہونے لگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کوئی عورت ایک لڑکے کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی لڑکے کو جنون کی بیماری تھی۔ آپ نے اس کے منہ پہ اپنا دستِ اقدس پھیرا تو لڑکے کو فوراً قے آئی اور اس میں پلّے کے مانند کوئی چیز اندر سے نکلی۔ اس کے بعد اسی وقت وہ لڑکا تندرست ہو گیا۔

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو پہ ہانڈی الٹ گئی تو نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس پہ اپنا دستِ اقدس پھیر دیا، دعا فرمائی اور لعاب دہن لگایا۔ چنانچہ بازو بالکل درست کر دیا۔ —— حضرت شرجیل جعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک لڑکی نے کھانا مانگا اور آپ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنے سامنے سے کچھ کھانا اٹھا کر اسے مرحمت فرما دیا۔ لڑکی ذرا بے جھجک تھی۔ بارگاہِ رحمتِ دو عالم میں عرض گزار ہوئی حضور! مجھے وہ لقمہ مرحمت فرمائیے کہ جو آپ کے دہن مبارک کے اندر ہے جبکہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ سائل جس چیز کا سوال کرتا آپ وہی چیز مرحمت فرما دیتے تھے۔ آپ نے وہ لقمہ اسے عطا فرما دیا اور جب وہ لقمہ اس لڑکی کے پیٹ میں گیا تو اس لڑکی میں اتنی حیا آ گئی کہ خواتینِ مدینہ منورہ کے اندر وہ حیا میں ممتاز ہو گئی۔

فصل ۔ ۲۱

دُعاؤں کی قبولیت

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں کے قبول ہونے کا باب بڑا وسیع ہے۔ آپ کی دعا کے ذریعے لوگوں کا نفع اور نقصان ہونے کے واقعات متواترہ اور یقینی طور پر معلوم ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کے حق میں دعا فرماتے تو اس کے اثرات سے اس کی اولاد تک بہرہ یاب ہوتی رہتی تھی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد عتابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میری والدہ محترمہ نے دعا کے لئے بارگاہِ رسالت میں التجا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں اضافہ فرما اور جو کچھ اسے عطا فرمائے اس میں برکت ڈال دینا۔ ——— حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت مال دیا ہے اور میری اولاد نیز اولاد در اولاد کی گنتی اس وقت سو کے لگ بھگ ہے ———

ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ غنیاً فارغ البال ہوں، یہ چیز کسی دوسرے کو بھی میسر آئی ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے سَو بچوں کو دفن بھی کر چکا ہوں اور جو حمل ساقط ہوئے یا میری اولاد کی اولاد تھے ان کا ذکر نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی ہی دعاؤں میں سے ایک وہ دُعا ہے جو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں زمین سے پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے نیچے بھی مجھے سونا مل جائے گا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو اتنا سونا انہوں نے پیچھے چھوڑا تھا۔ جسے کسیوں اور کدالوں سے کھود کر نکالا گیا تھا اور کھودنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ ان کی چار بیویاں تھیں اور ہر ایک کے حصے میں اسّی اسّی ہزار دینار آئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ایک لاکھ دینار انہیں ملے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ایک بیوی نے اسی ہزار دینار سے کچھ اوپر دینار لیکر علیحدگی اختیار کر لی تھی جسے آپ نے بیماری کے دوران طلاق دے دی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچاس ہزار دینار کی وصیت فرمائی تھی۔ ان کی سخاوت اور بخشش کا یہ عالم تھا کہ ایک روز انہوں نے تیس غلام آزاد کر دیئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مالِ تجارت سے لدا ہوا سات سَو اُونٹوں کا سامان خیرات کر دیا۔ جس میں ہر قسم کا مال تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اونٹوں کے کجاوے اور اُوپر ڈالنے والے کپڑے بھی خیرات کر دیئے تھے

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۶۰ھ / سنہ ۶۷۹ء) کو بادشاہی کی دُعا دی تھی تو انہیں خلافت حاصل ہو گئی تھی ——— حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مستجاب الدعوات کرے۔ یہ جس کے لئے بھی دعا کرتے وہ بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل کر لیتی تھی۔

——— نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی تھی کہ عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا جائے۔ آپ کی یہ دعا حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے حق میں قبول ہوئی ——— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے تھے کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسلام کے دائرے میں آئے ہیں مسلمانوں کی عزت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک غزوہ میں مسلمانوں پہ پیاس کا غلبہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت سے طالبِ دُعا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو ایک بادل آیا اور لشکر کی ضرورت کے مطابق بارش برسا کر کھل گیا۔ ایک مرتبہ آپ نے استسقار کی دعا فرمائی تو فوراً بارش شروع ہوگئی۔ اگلے جمعۃ المبارک کو انہوں نے کثرتِ بارش کی شکایت کی۔ آپ نے دُعا فرمائی تو فوراً بادل کھل گیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لئے دُعا فرمائی تھی ——— اے اللہ! اس کے بالوں اور جسم میں برکت دے۔ اگرچہ ستر سال کی عمر میں ان وصال ہوا لیکن لڑکے معلوم ہوتے تھے جیسے پندرہ سالہ ——— نابغہ شاعر کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ تیرے دانت نہ گرائے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے دانت سب لوگوں سے خوبصورت تھے اور جب کوئی دانت گرتا تو اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آتا تھا۔ وہ ایک سو بیس برس تک زندہ رہا، بلکہ بعض نے تو اس سے بھی زیادہ عمر بتائی ہے ———

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق آپ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما اور تاویل سکھا دے۔ چنانچہ وہ حبرِ امت اور مفسرِ قرآن کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے کاروبار کے لئے دُعا فرمائی تھی پس جب بھی وہ کسی چیز کو خریدتے تو اللہ تعالیٰ اس میں انہیں منافع عطا فرماتا تھا ——— حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو آپ نے برکت کی دعا دی تو ان کے پاس بے حساب مال ہوگیا تھا۔

اسی طرح آپ نے حضرت عروہ بن ابوالجعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دُعا دی تھی۔ اُن کا بیان ہے

کہ میں بازار میں جاتا ہوں تو اس وقت تک واپس نہ آتا جب تک چالیس چالیس ہزار درہم نفع حاصل نہ کر لوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۵۶ھ / ۸۶۹ء) فرماتے ہیں کہ وہ مٹی بھی خریدتے تو اس سے بھی نفع حاصل ہو جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ روایت ہے کہ ان کی ایک اونٹنی بدک کر بھاگ گئی اور ملتی نہ تھی، تو ایک بگولا اسے واپس بھگا کر لے آیا اور لا کر سامنے کھڑی کر دی ——— آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے مسلمان ہونے کی دعا فرمائی تھی تو وہ دائرۂ اسلام میں آگئیں ——— حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تجھے گرمی اور سردی سے کفایت کرے گا تو وہ جاڑوں میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے کپڑے بھی پہن لیتے تب بھی انہیں گرمی یا سردی کا احساس نہیں ہوتا تھا ——— آپ نے اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفی ۱۱ھ / ۶۳۲ء) کو دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھوکی نہیں رکھے گا۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی بھوکی نہیں رہی۔

طفیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قوم میں امتیاز حاصل کرنے کی خاطر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کسی نشانی کا سوال کیا۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے نور عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور ظاہر فرما دیا۔ وہ عرض گزار ہوئے، اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ اس کی شکل بگڑ گئی ہے۔ آخر کار نور ان کے کوڑے کی جانب منتقل ہو گیا جو اندھیری رات میں روشن ہو جاتا تھا۔ اور اس کے باعث لوگ انہیں ذوالنور کہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلہ مضر کے لئے بددعا کی تو ان پر قحط نازل ہو گیا۔ آخر کار قریش بارگاہِ رسالت میں رحم کی اپیل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر کر دی اور ان پر بارش نازل ہو گئی ——— آپ نے کسریٰ شاہِ ایران

(پرویز بن ہرمز) کے لئے بددُعا فرمائی جس نے آپ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تو اس کی بادشاہی کا نام و نشان بھی مٹ گیا اور اہلِ فارس (ایرانیوں) کی کوئی ریاست دُنیا کے پردے پر باقی نہ رہی۔

آپ نے اس لڑکے کے لئے بددعا فرمائی جس نے آپ کو نماز توڑ دینے پر مجبور کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے نشانِ قدم مٹا دے۔ چنانچہ وہ لڑکا اپاہج ہو گیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو دائیں ہاتھ سے کھانے کے لئے فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ میں داہنے ہاتھ سے کھا نہیں سکتا آپ نے فرمایا۔ اب اس سے کھا بھی نہیں سکے گا۔ آئندہ یہ حالت ہو گئی کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ کو مُنہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔

سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عتبہ بن ابولہب کے لئے بددُعا کی اے اللہ! تو اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کر دے تو اُسے ایک شیر نے پھاڑ کھایا تھا۔ ..... قریش کے لئے بددُعا کرنے کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مشہور و معروف حدیث ہے کیونکہ ایک دفعہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سجدے میں تھے تو انہوں نے گوبر سمیت اُونٹ کی اوجھڑی آپ کی پشت مبارک پر لا کر رکھ دی تھی۔

آپ نے نام لے کر ان لوگوں کے لئے بددُعا کی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جن کے لئے بددعا فرمائی گئی تھی وہ سب کے سب جنگِ بدر میں مارے گئے تھے۔ (اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ غَضَبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ)

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم بن العاص کے لئے بددعا فرمائی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب تبلیغ فرماتے تو یہ بدبخت پیچھے کھڑا ہو کر آپ کا منہ چڑاتا رہتا اور اشارے سے کہا کرتا کہ اِن کی باتوں کا اعتبار نہ کرنا۔ آپ نے اس کی بے ہودہ نقلوں کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ تیرا منہ ایسا ہی ہو جائے۔ چنانچہ وہ منہ بناتا ہی مر گیا تھا۔

اِسی طرح مُحلّم بن جثامہ کے لئے آپ نے بد دعا کی تو وہ ساتویں روز مر گیا۔ جب اُسے زمین میں دفن کیا تو زمین اسے باہر نکال کر پھینک دیتی۔ چنانچہ اسے دو پہاڑیوں کے درمیان ڈال کر اوپر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے ہاتھوں گھوڑا بیچ کر سودے ہی سے انکار کر دیا تھا۔ یہ اُسی گھوڑے کا ذِکر ہے جس کے بارے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی تھی۔ آپ نے وہ گھوڑا اسے واپس دے دیا اور دُعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس گھوڑے میں اسے برکت نہ دینا۔ صبح ہوئی تو وہ پاؤں پسار گیا تھا۔ یہ باب بہت وسیع ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں۔

فصل ۔ ۲۲

قلبِ اعیان یعنی چیزوں کی حقیقت کا بدل جانا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے برکات ومعجزات سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جس چیز کو آپ ہاتھ لگاتے یا بوسہ دیتے اس کی حقیقت بدل جاتی تھی۔ ــــــ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت اہلِ مدینہ منورہ نے ایک خوفناک آواز سُنی۔ اُس کی جانب رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے گھوڑے پر سوار ہو کر لپکے۔ اس گھوڑے کے بارے میں مشہور تھا کہ گھوڑا بہت سست رفتار ہے۔ واپسی پر رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ہم نے تو اِس گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رفتار پایا ہے۔ اِس کے بعد وہ گھوڑا اتنا تیز رفتار ہو گیا۔ کہ کوئی گھوڑا اِس کے برابر دوڑ نہیں سکتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے ایک تھکے ہوئے اونٹ کو رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ہلکا سا کوڑا مار دیا۔ اس کے بعد وہ اتنا تازہ دم اور تیز ہو گیا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے اس کی باگ سنبھالی نہیں جاتی تھی —— اسی طرح آپ نے حضرت جُعیل اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھوڑے کو چابک مار دیا تھا جو اُن کے پاس تھی اور اسے برکت کی دُعا دی تھی، تو وہ اتنا سرور ونشاط میں آگیا کہ قابو میں نہیں آتا تھا اور اس کے ذریعے اتنے بچے پیدا ہوئے جو بارہ ہزار دینار کے فروخت ہوئے —— ایک دفعہ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے سُست رفتار گدھے پر سوار ہوئے۔ جب اسے واپس کیا تو اتنا تیز رفتار ہو چکا تھا کہ کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۲۱ھ/۶۴۲ء) نے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے چند موئے مُبارک ایک ٹوپی میں سی رکھے تھے۔ اس ٹوپی کو پہن کر جب بھی وہ میدانِ کارزار میں جاتے تو یقیناً فتح ونصرت ان کے قدم چُومتی تھی۔

صحیح مُسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنتِ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک طیالسی جُبّہ نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ اِس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے پہنا تھا۔ ہم اسے دھو کر، وہ پانی بیماروں کو پلاتے ہیں تو اس کی برکت سے فوراً آرام آجاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مُبارک سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی مقدس چھڑی لی، اُسے اپنے گھٹنے پر رکھا اور توڑ دینے کا ارادہ کیا لوگ اس کی بے ہودہ حرکت پہ چیخے چلائے آخر کار اس کے گھٹنے میں ناسور نکل آیا جس کے باعث وہ سال کے اندر اندر مر گیا۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے قبا کے کنوئیں میں اپنے وضو کا بچا ہُوا پانی ڈال دیا تھا تو اس کے بعد اس کنوئیں کا پانی کبھی ختم نہیں ہوا —— حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر کنواں تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میں لعابِ دہن ڈال دیا تو اُس کا پانی مدینہ منورہ کے تمام کنوؤں سے زیادہ شیریں ہو گیا تھا۔۔۔۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا گزر ایک چشمے پر ہوا۔ آپ نے لوگوں سے اس کا نام پوچھا اور پانی کی کیفیت دریافت کی۔ بتایا گیا کہ اس کا نام بیسان اور پانی کھاری ہے۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اِس کا نام نعمان اور پانی میٹھا ہے۔ آپ کے فرماتے ہی چشمے کا پانی فوراً شیریں ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آبِ زمزم پیش کیا گیا۔ آپ نے اُس میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا تو اُس پانی سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو آنے لگی۔

آپ دفعہ بچپن کے ایام میں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیاس کے سبب رو رہے تھے آپ نے باری باری اپنی زبان مبارک اُن کے منہ میں داخل کی جسے انہوں نے چوسا، پیاس جاتی رہی اور وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت اُمِّ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک کپّی تھی جس میں ڈال کر وہ بارگاہِ رسالت میں گھی پیش کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے نچوڑ نہ لینا۔ انہوں نے دیکھا تو کپّی گھی سے بھری ہوئی تھی۔ جب سالن نہ ہوتا اس وقت بھی اسی کپّی سے گھی نکال کر سالن کی طرح کھاتے اور اپنے بال بچوں کو بہلاتے رہتے۔ مدتوں اس سے گھی کھاتے رہتے لیکن ایک دفعہ کپّی کو نچوڑ لیا اور بات ختم ہو گئی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی شیر خوار بچے کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیتے تو ایک دن رات کے لئے یہ بھوک سے کفایت کرتا تھا۔۔۔۔ آپ کے دستِ مبارک کی برکتوں میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آپ نے جو درخت لگائے تھے۔ ان کے مالک نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اگر وہ تین سو

کھجور کے درخت اگا دیں، وہ پھل لے آئیں اور پھل کھانے کے قابل ہو جائیں نیز
بہا لیس اوقیہ سونا ادا کریں تو اس وقت انہیں آزاد کر دیا جائیگا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہٖ وسلم ان کے ہمراہ خود تشریف لے گئے اور ایک پودے کے سوا باقی تمام (دو سو نناویں)
پودے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمائے۔ چنانچہ اسی ایک پودے کے
سوا باقی سارے جڑ پکڑ گئے اور پھل لے آئے۔ اس کے بعد آپ نے اس پودے
کو اکھاڑ کر دوبارہ وہ بھی اپنے دستِ اقدس سے لگا دیا تو وہ بھی دوسرے درختوں کیطرح
پھل لے آیا۔ بزاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب میں ہے کہ اُس ایک کے علاوہ سارے درخت
اسی سال کے اندر پھل لے آئے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے
اس کو اکھاڑ کر دوبارہ لگا دیا تو وہ بھی سال کے اندر پھل لے آیا۔ اس کے بعد آپ
نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کا ایک ڈھیلا مرحمت فرمایا جو مُرغی کے
انڈے کے برابر تھا اور اس پہ اپنی زبانِ مبارک پھیر کر فرمایا کہ جاؤ ادائیگی کرو۔ چنانچہ
انہوں نے چالیس اوقیہ سونا ادا کر دیا اور اتنا ہی باقی بچ رہا جتنا دے کر گئے تھے۔

قیس بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ
وسلم نے مجھے ایک مرتبہ ستو پلائے اور ان میں سے پہلے خود پی چکے تھے وہ فرماتے ہیں
کہ اس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ جب بھوک لگنی چاہیے اس وقت بھی مَیں یہی محسوس
کرتا کہ شکم سیر ہوں اور جب پیاس لگنی چاہیے تھی تو سیراب معلوم ہوتا تھا اور جب گرمی
محسوس ہونی چاہیے اس وقت بھی مجھے سردی محسوس (بَرْدًا وَّ سَلَامًا والی) ہوتی تھی۔

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھجور
کی ایک شاخ مرحمت فرمائی تھی جبکہ انہوں نے ایک اندھیری اور بارش والی رات میں آپ کے
ساتھ نمازِ عشاء ادا کی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اس شاخ کو لے جاؤ۔ اس کے باعث دس
دس ہاتھ تک تمہارے آگے پیچھے روشنی رہے گی اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو تمہیں

ایک سیاہ چیز اندر نظر آئے گی۔ اس کی خوب پٹائی کرنا کیونکہ وہ شیطان ہے۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور شاخ اسی وقت روشن ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو گئے۔ اندر انہوں نے ایک سیاہ چیز دیکھی تو اس کی خوب مرمت کی یہاں تک کہ اسے نکل کر بھاگنا پڑا (سبحان اللہ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برکات سے یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک لکڑی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کے ساتھ جہاد کرو یہ اس وقت کی بات ہے جب غزوہ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں ایسی تلوار بن گئی جو چمکدار، لمبی، مضبوط اور خوب کاٹ کرنے والی تھی۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور اس کے بعد باقی لڑائیاں بھی وہ اس تلوار کے ساتھ لڑتے رہے، یہاں تک مرتدین سے قتال کرتے ہوئے (خلافتِ صدیق اکبر میں) وہ خود شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام انہوں نے عون رکھا تھا (عون کا معنی مدد ہے یعنی یہ تلوار کیا بلکہ اس آقا کے صدقے غیبی مدد ہے) عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی آپ نے غزوہ احد میں ایک کھجور کی ٹہنی مرحمت فرمائی تھی جبکہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی تھی۔

آپ کی برکت سے دودھ بڑھ جاتا۔ دودھ نہ دینے والے جانور دودھ دینے لگتے جیسا کہ ام معبد اور معاویہ بن ثور کی بکریاں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکری، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بکریوں اور ان کی دُبلی اونٹنی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ بکری جس کے نزدیک کوئی بکرا نہیں گیا تھا۔ نیز حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکری کے واقعات سے ثابت ہے۔

آپ کی برکات سے یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام کو آپ نے ایک بھرا ہوا مشکیزہ مرحمت فرمایا جس کا آپ نے منہ باندھ رکھا تھا اور اس میں برکت کے لئے دعا فرمائی تھی جب نماز کا وقت آیا تو صحابہ کرام نے اسے (وضو کے لئے) کھولا۔ دیکھا تو مشکیزہ دودھ سے

بھرا ہوا ہے اور اس کے دہانے پر اس طرح جھاگ آئے ہوئے ہیں جیسے تازہ دودھ پر آتے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور انہیں برکت کی دعا دی۔ ان کا اسّی سال کی عمر میں وصال ہوا لیکن ان کے سر کے بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں جن میں سے حضرت سائب بن یزید اور حضرت مدلوک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعات بھی ہیں ——— حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسمِ اطہر سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ اس خوشبو پر بھی غالب آتی تھی جو عورتیں لگاتی ہیں کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دستِ اقدس ان کی پیٹھ اور پیٹ پر پھیرے تھے ——— حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کا خون نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے صاف کیا تھا جبکہ وہ جنگِ حنین میں زخمی ہو گئے تھے اور اُن کے لئے دعا فرمائی تھی تو اُن کا چہرہ اس طرح چمکنے لگا تھا جیسے گھوڑے کی سفید پیشانی چمکتی ہے اور خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔

نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت قیس بن زید الجذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر دعا فرمائی تو انہوں نے سو سال زندہ رہ کر وفات پائی تھی۔ ان کا سر اگرچہ سفید ہو گیا تھا لیکن جتنی جگہ پر رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دستِ کرم پھر گیا تھا اتنی جگہ کے بال آخری وقت تک سیاہ ہی رہے تھے۔ ان کا نام اغر (روشن) پڑ گیا تھا۔

مذکورہ واقعہ کی طرح حضرت عمرو بن ثعلبہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے ——— یونہی ایک اور شخص کے چہرے پر آپ نے ہاتھ پھیرا تو اس کا چہرہ ہمیشہ منور رہتا تھا ——— آپ نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ پر ہاتھ پھیرا تو اُن کا چہرے میں آئینے جیسی چمک آ گئی تھی اور اس میں دوسری چیزوں کا عکس نظر آ جاتا تھا۔

حضرت حنظلہ بن خدیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر آپ نے ہاتھ رکھا تھا اور انہیں برکت کی دعا دی تھی۔ ان کے پاس ایسے آدمی لائے جاتے تھے جن کے منہ پر ورم ہو اور ایسی بکری لائی جاتی تھی جس کے تھن متورم ہوں تو انہیں وہ اس جگہ کے ساتھ مس کرتے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دستِ شفقت رکھا تھا اور اس کی برکت سے ورم جاتا رہتا تھا۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے منہ پر آپ نے پانی کی کلی کر دی تھی۔ اس کی برکت سے ان کے چہرے پر اتنا جمال آگیا تھا کہ کوئی عورت ان سے حسینہ نظر نہیں آتی تھی ——— اسی طرح آپ نے ایک گنجے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تھا تو اس کا سر درست ہو گیا اور فوراً سارے بال اُگ آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے بچوں بیماروں اور دیوانوں پر دستِ کرم پھیرا تو سب بھلے چنگے ہو گئے ——— ایک دفعہ کوئی شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جس کے خصیے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان پر فلاں کنوئیں کا پانی ڈال۔ اس کنوئیں کے اندر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ڈالا تھا چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کی تو شکایت رفع ہو گئی۔

طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ جو بھی دیوانہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو آپ اس کے سینے پر ہاتھ مارتے اور جنون جاتا رہتا تھا ——— کنوئیں سے نکال کر ایک ڈول پانی بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا، تو آپ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور واپس کنوئیں میں ڈلوایا۔ چنانچہ اس کے بعد اس کنوئیں سے مشک جیسی خوشبو آیا کرتی تھی۔

غزوہ حنین کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی تھی اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (بگڑے منہ) تو سارے کفار آنکھوں کو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے تھے ---------
بارگاہِ رسالت میں اپنے نسیان کی شکایت کی آپ نے فرمایا اپنا کپڑا بچھاؤ۔ پھر اپنے
دستِ مبارک سے ایک مٹھی اس میں ڈالی۔ پھر فرمایا کہ اسے لپیٹ کر سینے سے لگا لو۔ انہوں
نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد کسی بات کو نہ بھولے۔

حضرت جریر بن اس سلسلے میں اتنی حکایات مروی ہیں جن کا شمار نہیں ---------
عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے سینے پہ آپ نے ہاتھ مارا اور ان کے لئے دعا فرمائی کیونکہ
انہوں نے شکایت کی تھی کہ وہ گھوڑے پر جم نہیں سکتے۔ اس کے بعد ان کا شمار عرب کے
شہسواروں اور گھوڑے پہ جمنے والوں میں ہونے لگا --------- رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور برکت
کی دعا دی۔ اس وقت یہ بچّہ تھے اور بدصورت، چنانچہ یہ خوبصورت اور بڑے ڈیل ڈول
کے آدمی بنے۔

فصل - ۲۳

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علمِ غیب پر مطلع ہونا

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
معجزات سے یہ امر بھی ہے کہ مخفی امور اور جو کچھ ہو گزرا ہے سب پر آپ کو مطلع فرمایا گیا
ہے۔ اس سلسلے میں اتنی احادیث وارد ہیں کہ جن کا شمار نہیں اور ان کا احاطہ کر لینا ناممکن ہے
اور نہ کوئی ان کا احاطہ کر سکتا ہے یہ آپ کا ایسا معجزہ ہے جو قطعی علم اور تواتر کے ساتھ ہم
تک پہنچا ہے۔ جملہ راوی اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غیب پر مطلع
فرمایا گیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوبکر بن محمد بن ولید

فہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ، کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور اپنے اس مقام میں آپ نے قیامت تک ہونے والی کسی چیز کا ذکر بیان کرنے سے باقی نہ اٹھا رکھا۔ پس جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا میرے یہ ساتھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں سے جب کسی بات کا وقوع ہوتا ہے تو میں اُسے جان لیتا ہوں اور فوراً مجھے اس طرح یاد آجاتی ہے جیسے کسی غائب آشنا کی صورت ذہن نشین ہوتی ہے اور جب وہ سامنے آتا ہے تو آدمی اسے فوراً پہچان لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی ایسے فتنہ پرداز کو نہ چھوڑا جس کے ساتھی تین سو یا اس سے زائد ہوں مگر اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام لے کر بتایا تھا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے ہیں یا بھلا دیئے گئے ہیں ——— نیز ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَآءِ اِلَّا ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا (ص ۲۸۳)

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ اگر آسمان میں کوئی پرندہ بھی پر مارتا ہے تو اس کے متعلق بھی ہمیں بتا دیا تھا۔

امام بخاری و امام مسلم اور دیگر آئمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم نے ایسے امور کا اخراج کیا ہے جن سے اپنے اصحاب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مطلع فرمایا تھا مثلاً آپ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ وہ دشمنوں پہ غالب آئیں گے نیز مکہ مکرمہ، بیت المقدس، یمن، شام اور عراق ان کے ہاتھوں پر فتح ہوں گے اور حیرہ سے مکہ معظمہ تک اگر کوئی عورت تنہا سفر کرے گی تو اسے خدا کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا ——— عنقریب مدینہ منورہ میں کشت و خون ہوگا ——— کل علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خیبر فتح ہو جائے گا۔

نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو ساری دنیا میں فتوحات سے نوازے گا۔ یہ قیصری و کسریٰ کے خزانے آپس میں تقسیم کریں گے۔ نیز آپ نے یہ بھی بتایا کہ میری امت کے درمیان نفسانی اغراض کے تحت فتنہ و فساد اور اختلاف ہو گا۔ یہ بھی بتایا کہ وہ اگلوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح فرقوں میں بٹ جائیں گے جن میں سے صرف ایک فرقہ نجات پانے والا ہو گا بتایا کہ میری امت کے پاس دولت کی فراوانی ہو جائے گی۔ فرش پہ لوگ قالین بچھانے لگیں گے صبح کو جوڑا پہن کر نکلیں گے اور شام کو دوسرا تبدیل کریں گے۔ قسم قسم کے کھانے کھائیں گے اور اپنے گھروں میں ایسے پردے لٹکائیں گے جیسے خانہ کعبہ پہ لٹکائے جاتے ہیں۔ حدیث کے آخر میں فرمایا کہ اس زمانے کی نسبت تم آج بہتر ہو وہ لوگ اکڑ کر چلنے لگیں گے، ایرانی اور رومی لڑکیاں ان کی خدمت گزاری میں ہوں گی، خدا کے خوف کی جگہ آپس میں ایک دوسرے کا ڈر اور جہاد کی جگہ باہمی قتل و قتال ان پہ مسلط کر دیا جائیگا، شریر لوگوں کو شرفا پہ غالب کر دیا جائیگا۔ وہ ترک، خزر اور رومیوں سے جنگ کریں گے کسریٰ کا ملک تباہ ہو جائے گا اور اس کے بعد کوئی قیصر و کسریٰ نہیں ہو گا اور آپ نے خبر دی کہ رومی آخر زمانہ تک باقی رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ اس زمانے میں نیک آدمی یکے بعد دیگرے اُٹھ جائیں گے اور شریروں کی کثرت ہوتی چلی جائے گی۔ زمانہ چھوٹا ہو جائیگا، علم گھٹ جائیگا فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کی گرم بازاری ہو گی۔ عرب پہ افسوس ہے کہ وہ شر نزدیک آپہنچا ہے ——— فرمایا کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے اور میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا ہے۔ قریب ہے کہ میری امت وہاں تک قابض ہو جائے گی۔ جہاں تک زمین میرے لئے لپیٹ دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ مشرق میں ہندوستان سے لے کہ مغرب میں طنجہ تک اس امت کی حکمرانی ہے جبکہ اتنے ممالک کی بادشاہت کسی اُمت کو مرحمت نہیں فرمائی گئی، ہاں شمال اور جنوب کی جانب یہ نہیں پھیلی (کیونکہ وہ سمندروں اور پہاڑوں پہ مشتمل ہیں) سکے ہیں ———

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہلِ غرب ہمیشہ غالب رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ابن مدینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ اہلِ غرب سے مراد اہلِ عرب ہیں کیونکہ غرب سے مراد چرس ہے جس کے ساتھ یہ لوگ پانی کھینچتے ہیں۔ غرب سے ڈول بھی مراد ہے۔ باقی علماء اس جانب گئے ہیں کہ اس سے مراد مغرب میں بسنے والے لوگ ہیں۔ ایک روایت میں غرب کی جگہ مغرب کا لفظ بھی آیا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث اس معنی کی تائید کرتی ہے ـــــــ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ قَاهِرِيْنَ لِعَدُوِّهِمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَالِكَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اَيْنَ هُمْ قَالَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ (۲۸)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور اپنے دشمنوں پہ غالب رہیگا یہانتک کہ قیامت آجائے گی اور وہ لوگ اُسی حالت پہ ہوں گے۔ دریافت کیا گیا، یا رسول اللہ! وہ لوگ کہاں ہیں۔ فرمایا بیت المقدس میں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنو اُمیہ کی بادشاہی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی کے بارے میں خبر دی اور انہوں وصیت فرمائی تھی۔ یہ بھی خبر دی کہ بعض سلاطین بنو امیہ اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنی دولت بنا بیٹھیں گے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ بنو عباس سیاہ نشان لے کر نکلیں گے اور ان کا ملک دوسروں سے دگنا ہوگا (یعنی دنیا کی سیر پا اور سلاطینِ بنو عباس ہوں گے) آپ نے امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خروج کی خبر دی اور یہ بھی بتایا کہ میرے اہلِ بیت پہ قتل و قتال کے مصائب نازل ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہادتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ سب سے بڑا بدبخت وہ ہے جو اس داڑھی کو خون آلود کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ تقسیم کرنے والے ہیں۔ یعنی اپنے دوستوں کو جنت میں اور دشمنوں کو جہنم میں بھیجیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے دشمن خارجی اور ناصبی ہوں گے۔ روافض کی اس جماعت کا نام بھی دشمنوں کی فہرست میں ہے جو آپ کی تکفیر کرتے ہیں۔

نیز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۵ھ / ۶۵۵ء) کے بارے میں خبر دی کہ یہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے شہید ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایک خلعت بخشے گا (خلافت دے گا) اور لوگ اسے چھیننا چاہیں گے نیز بتایا کہ ان کا خون اس آیۂ مبارکہ پر پڑے گا۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ؕ[1] — عنقریب اللہ تعالیٰ انکی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب تک زندہ رہیں گے اس وقت تک فتنے سر نہیں اٹھا سکیں گے۔ حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باہمی محاربے کی خبر بھی دی اور یہ بھی بتایا کہ میری ایک زوجہ مطہرہ پر حوئرب کے کتے بھونکیں گے اور اُن کے گرداگرد زبردست قتل و قتال ہوگا اور جب وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جائیں گے تب جاکر آرام سے بیٹھیں گے چنانچہ جب آپ نے بصرے کا قصد فرمایا تو بعض بدبختوں نے آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے تھے نیز حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے بارے میں آپ کی خبر دی تھی کہ باغی انہیں شہید کریں گے چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے انہیں شہید کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۷۳ھ / ۶۹۲ء) سے آپ نے فرمایا تھا کہ تیری جانب سے لوگوں پہ وائے اور لوگوں کی جانب سے تجھ پہ وائے۔

---

[1] پارہ ۱، سورۃ البقرہ آیت ۱۳۷

قزمان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے حالانکہ وہ مدت سے مسلمانوں کی جماعت میں تھا۔ وہ خودکشی کر کے مرا تھا ——— ایک جماعت کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا، جن میں حضرت ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے کہ ان میں سے ایک سب کے بعد میں وفات پانیوالا آگ کے ذریعے مرے گا۔ وہ حضرات ایک دوسرے کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے سب سے آخر میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے قطعی بڑھاپے کی حالت میں وفات پائی اور عقل بھی جاتی رہی تھی۔ یہ تاپ رہے تھے کہ آگ میں جل گئے۔

حضرت حنظلہ غسیل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی بیوی سے اس کی وجہ پوچھو۔ صحابہ کرام نے ان کی بیوی سے دریافت کروایا تو اس محترمہ نے بتایا کہ وہ جنابت کی حالت میں گھر سے نکل کر لشکرِ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور جلدی میں غسل نہیں کر سکے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے سر سے پانی ٹپکتا ہوا دیکھا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی، جب تک وہ دین پر قائم رہیں گے ——— آپ نے فرمایا کہ بنو ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ظالم ہوگا۔ بزرگوں کی رائے ہے کہ وہ مختار بن ابی عبید اور حجاج بن یوسف ہیں۔ آپ نے اطلاع دی کہ مسیلمہ کذاب کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا ——— فرمایا کہ میرے اہلِ بیت میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلے مجھ سے آملیں گی ———

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو فتنۂ ارتداد سے ڈرایا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی اس کے بعد بادشاہی آجائے گی چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (المتوفی

سنہ ۵ھ (سنہ ۶۶۱ء) پر خلافت ختم ہو گئی۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ امر نبوت و رحمت سے شروع ہوا ہے ——— اس کے بعد خلافت و رحمت ہے۔ پھر جبر و تشدد کی بادشاہی ہے۔ پھر سرکشی اور فتنہ سامانی ہے ——— آپ نے خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال کی بھی خبر دی ——— اُن اُمراء کے بارے میں بھی بتایا جو بیوقت نماز پڑھا کریں گے ——— خبر دی کہ اس امت میں چالیس کذاب ہوں گے جن میں چار عورتیں ہوں گی۔ دوسری حدیث میں تیس دجالوں کذابوں کا ذکر ہے جن میں کانا دجال بھی شامل ہے۔ بتایا کہ وہ سارے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں غیر عرب کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ وہ اہلِ عرب کا مال کھائیں گے اور ان کا خون کریں گے ——— بتایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک قحطان کا ایک آدمی اِن پر ڈنڈے کے ذریعے حکومت نہ کرلے۔ ——— فرمایا کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد جو اِن سے ملحق ہیں۔ پھر وہ جو اُن سے ملحق ہیں۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ انہیں گواہ نہ بنایا جائے تب بھی گواہی دیں گے۔ خیانت کرنا ان کا معمول ہو گا۔ کوئی انہیں امانت دار تسلیم نہیں کرے گا، وعدے کریں گے لیکن پورا کرنے کا نام بھی نہیں لیں گے۔ وہ جسم کی خوب پرورش کریں گے۔ اس وقت ہر آنے والا زمانہ پچھلے سے بدتر ہو گا۔

سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ذریعے ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو ان کے نام مع ولدیت بتا سکتا ہوں ——— آپ نے قدریہ اور روافض کے ظاہر ہونے کی خبر دی ——— یہ بھی بتایا کہ اس امت کے پچھلے لوگ اگلوں کو برا کہیں گے ——— بتایا کہ انصار گھٹتے جائیں گے، یہاں تک کہ اِن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہ جائے گی۔ یہ ہمیشہ گروہوں میں بٹتے اور بکھرتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کی ایک

جماعت بھی باقی نہیں رہے گی اِس کے بعد جلدی وہ اِس کا اثر پائیں گے۔

آپ نے خوارج کی خبر دی، ان کی نشانیاں بیان فرمائیں اور بتایا کہ ان میں ایک شخص ناقص الخلقت ہو گا۔ ان کی ایک علامت سر منڈانا ہو گی ——— آخر زمانے میں کمینے لوگ حاکم بننے لگیں گے۔ بھوکے ننگے لوگ عالیشان مکانات بنانے لگیں گے۔ ایسے لوگ حاکم بنیں گے جنہیں ذلیل عورتیں جنیں گی ——— اب (جنگِ خندق کے بعد) قریش اور ان کے حمائتی گروہ مجھ سے نہیں لڑیں گے (حملہ آور نہیں ہوں گے) ماسوائے اِس کے کہ مَیں ان سے خود لڑوں۔

آپ نے اس وبا کی خبر دی جو فتحِ بیت المقدس کے بعد پھیلی ——— اہلِ بصرہ کے حوادث کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ سمندروں میں جنگ کریں گے اور وہ دریاؤں میں اس طرح پھریں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے ——— فرمایا کہ دین اگر ثریا پر بھی ہوتا تو اہلِ فارس (ایرانیوں) سے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آتے ——— ایک غزوہ (تبوک) کے موقع پر تیز ہوا چلی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک منافق کے مر جانے کے باعث چلی ہے۔ جب آپ مدینہ منورہ واپس لوٹے تو واقع ایسا ہی ہوا تھا ——— ایک جماعتِ اصحاب کو بتایا کہ جہنم میں تم میں سے ایک کی داڑھ اُحد پہاڑ سے بڑھی ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دو کے سوا ان میں سے سارے وفات پا چکے ہیں۔ پس وہ دوسرا جنگِ یمامہ میں قتل ہوا جبکہ وہ مرتد ہو چکا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس شخص کی خبر دی جس نے ایک یہودی کی تھیلیاں چرالی تھیں اور وہ اس کے کجاوے سے دستیاب ہوئیں ——— آپ نے اس شخص کا پتہ بتایا جس نے مالِ غنیمت سے ایک کپڑا چرا لیا تھا کہ وہ کہاں رکھا ہوا ہے

آپ نے ایک گم شدہ اُونٹنی کی خبر دی کہ وہ فلاں جگہ ہے اور اس کی نکیل ایک درخت میں اٹک گئی ہے ——— آپ نے حاطب کے اُس خط کی خبر دی جو اُس نے

مکہ مکرمہ والوں کے لئے لکھا تھا ——— آپ نے عمیر کے اس واقعے کی خبر دی جب صفوان نے یہ خفیہ شرط رکھی تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دے چنانچہ عمیر جب قتل کے ارادے سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو خفیہ شرط اور اس کے دلی ارادے کے بارے میں بتا دیا۔ یہ سُن کر وہ مسلمان ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے اس مال کی خبر دی جو انہوں نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس چھپا رکھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں کے سوا اس کا علم کسی کو نہیں تھا چنانچہ وہ دائرۂ اسلام میں آ گئے۔

آپ نے ابی بن خلف کے قتل ہونے کی مدتوں پہلے خبر دی تھی ——— نیز عتبہ بن ابولہب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اسے اللہ کا ایک کتا کھا جائیگا ——— بدر کی لڑائی سے پہلے آپ نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ فلاں کافر یہاں گرے گا اور فلاں وہاں۔ چنانچہ جو آپ نے فرمایا تھا وہی ہوا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے ۲ دو گروہوں میں صلح کرا دے گا ——— آپ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے فرمایا تھا کہ غالباً تمہاری عمر دراز ہو گی اور کتنے ہی مسلمان تم سے فائدہ اٹھائیں گے اور کفار کو تم سے نقصان پہنچے گا ——— آپ نے موتہ میں شہید ہونے والوں کی اسی روز خبر دے دی تھی حالانکہ درمیان میں ایک ماہ کی مسافت حائل تھی ——— آپ نے نجاشی کے وفات کی خبر دی حالانکہ اس کا انتقال اپنے ملک میں ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فیروز کو خبر دی جو کسریٰ کا ایلچی بن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا۔ کہ آج تمہارا بادشاہ مر گیا ہے۔ جب تحقیق کرنے سے یہ بات درست ثابت ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا ——— آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے نکالے

جانے کی خبر دی تھی، ہوا یوں کہ ان کو مسجد میں سوتے ہوئے دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا کہ اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تمہیں اس مسجد سے نکال دیا جائے گا۔ وہ عرض گزار ہوئے، حضور! میں مسجدِ حرام میں رہنے لگوں گا۔ فرمایا، وہاں سے بھی نکال دیئے جاؤ گے اور حدیث کے آخر میں آپ کی تنہائی کی زندگی اور تنہائی کی وفات کے بارے میں بتایا۔

آپ نے اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان میں سے وہ مجھ سے سب سے پہلے آکر ملے گی جس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، چنانچہ وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفی ۲۰ھ / ۶۴۱ء) ہیں جن کو بہت زیادہ خیرات کرنے کے باعث لمبے ہاتھوں والی فرمایا ہے ——— آپ نے شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر دی اور اپنے پاس سے ایک مٹی نکال کر دی کہ اس جگہ انہیں شہید کیا جائیگا ——— آپ نے زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بتایا کہ ان کا ایک عضو اُن سے بھی پہلے جنت میں جائے گا۔ چنانچہ ایک جہاد میں ان کا بازو شہید ہوگیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بعض ساتھیوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا جب وہ آپ کے ساتھ کوہِ حرا پر تھے کہ اے پہاڑ! ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی، صدیق اور شہید ہیں، چنانچہ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو شہادت پائی اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جہاد میں مجروح ہوئے اور ان زخموں کے باعث ہی جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے چنانچہ عہدِ فاروقِ اعظم میں جب کسریٰ کے کنگن بارگاہِ فاروقِ اعظم میں پیش ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنائے اور پھر فرمایا تھا کہ خدا کا شکر ہے جس نے یہ کنگن کسریٰ سے چھین کر سراقہ کو پہنا دیئے۔ (سبحان اللہ)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے خبر دی کہ دجلہ، دجیل، قطربل اور صرات کے درمیان ایک شہر آباد ہوگا جس کی جانب زمین کے خزانے کھینچ کر لائے جائیں گے اور وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اس شہر سے مراد بغداد ہے —— آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ولید نامی ہوگا۔ وہ اس امت کے لئے فرعون سے بدتر ہوگا —— یہ بھی فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو ایسی جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں جن کا دعویٰ ایک ہوگا۔

سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے سہیل بن عمر کے بارے میں فرمایا تھا کہ شاید یہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ تم خوش ہو جاؤ۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے وصال کی خبر مکہ مکرمہ میں پہنچی تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے بجائے کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اُسی طرح خطبہ دیا۔ جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا۔ انہوں نے اپنی کمال خطابت اور فراست سے لوگوں کو اسلام پر قائم رکھا اور اُن کی بصیرت کو تیز کر دیا —— اسی طرح جب آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو اکیدر کی جانب اسے قتل کرنے کے لئے بھیجا تو فرمایا تھا کہ اُسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے چنانچہ وہی مشاہدے میں آیا جو آپ نے فرمایا تھا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکور امور اُسی طرح واقع ہوئے جیسے آپ نے خبر دی تھی۔ بعض واقعات کا وقوع آپ کی موجودگی میں ہوا اور بعض کا بعد وصال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے غیب پر مطلع ہونے کی کیفیت یہ تھی کہ:

اَخْبَرَ بِهٖ جُلَسَاءَهٗ مِنْ اَسْرَارِهِمْ وَبَوَاطِنِهِمْ وَاطَّلَعَ عَلَيْهِ مِنْ اَسْرَارِ الْمُنَافِقِيْنَ	آپ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو ان کے چھپے راز اور دلی خیالات تک بتائے اور انہیں منافقین کے راز

وَكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ فِيهِ
وَفِي الْمُؤْمِنِينَ حَتّٰى إِنْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لَيَقُولُ لِصَاحِبِهِ
اسْكُتْ فَوَاللّٰهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ
عِنْدَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ لَأَخْبَرَتْهُ
حِجَارَةُ الْبَطْحَاءِ وَإِعْلَامُهُ
بِصِفَةِ السِّحْرِ الَّذِي سَحَرَهُ
بِهِ لَبِيدُ ابْنُ الْأَعْصَمِ وَ
كَوْنِهِ حَتّٰى مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ
فِي جُفِّ طَلْعِ نَخْلَةٍ ذَكَرٍ وَ
أَنَّهُ أُلْقِيَ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ
فَكَانَ كَمَا قَالَ وَوُجِدَ عَلٰى
تِلْكَ الصِّفَةِ وَإِعْلَامُهُ
قُرَيْشًا بِأَكْلِ الْأَرَضَةِ مَا
فِي صَحِيفَتِهِمُ الَّتِي تَظَاهَرُوا
بِهَا عَلٰى بَنِي هَاشِمٍ وَقَطَعُوا
بِهَا رَحِمَهُمْ وَأَنَّهَا
أَبْقَتْ بِهَا كُلَّ اسْمِ اللّٰهِ
فَوَجَدُوهَا كَمَا قَالَ
وَوَصْفُهُ لِكُفَّارِ قُرَيْشٍ
بَيْتَ الْمَقْدِسِ حِينَ كَذَّبُوهُ

اُن کے کفریات اور اہلِ ایمان کے بارے
میں اُن کے اقوال کی اطلاع دی۔ یہاں
تک کہ منافقین میں سے جب کوئی بات
کرتا تو دوسرا اپنے ساتھی سے کہتا ،
خاموش رہو کیونکہ خدا کی قسم اگر اس
(فخرِ دو عالم) کے پاس کوئی خبر دینے والا
نہ ہوا تو بطحا کے پتھر بھی اُسے بتا دینگے
اور آپ نے اس جادو کے متعلق بتایا
جو لبید بن اعصم نے کیا تھا کہ کنگھی کے
دندانے اور ٹوٹے ہوئے بال نر کھجور
کے گابھ میں رکھ کر ذروان کنوئیں میں ڈالے
گئے ہیں تو آپ کے فرمانے کے مطابق
ہوا تھا اور وہ چیزیں اُسی طرح پائی
گئی تھیں اور آپ نے قریش کو ان کے
ستم نامے کے بارے میں بتایا کہ اسے دیمک
کھا گئی ہے جس کے ذریعے انہوں نے
بنی ہاشم پہ زیادتی کی اور قطع رحمی سے
کام لیا تھا اور بتایا کہ اس ظالمانہ تحریر
کا صرف اتنا حصہ باقی رہا ہے جس پر اللہ
کا نام لکھا ہوا ہے۔ پس انہوں نے اسے
آپ کے بتانے کے مطابق ہی پایا اور

فِی خَبَرِ الْاَسْرَارِ وَ نَعْتُہٗ اِیَّاہُ نَعْتَ مَنْ عَرَفَہٗ وَ اِعْلَامُھُمْ بِعِیْرِھِمُ الَّتِیْ مَرَّ عَلَیْھَا فِیْ طَرِیْقِہٖ وَ اِنْذَارُھُمْ بِوَقْتِ وُصُوْلِھَا فَکَانَ کُلُّہٗ کَمَا قَالَ اِلٰی مَا اَخْبَرَ بِہٖ مِنَ الْحَوَادِثِ الَّتِیْ تَکُوْنُ وَ لَمْ تَأْتِ بَعْدُ مِنْھَا مَا ظَھَرَتْ مُقَدِّمَاتُہٗ کَقَوْلِہٖ عُمْرَانُ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ خَرَابُ یَثْرِبَ وَ خَرَابُ یَثْرِبَ خُرُوْجُ الْمَلْحَمَۃِ وَ خُرُوْجُ الْمَلْحَمَۃِ فَتْحُ الْقُسْطَنْطُنِیَّۃِ وَمِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ وَاٰیَاتِ حُلُوْلِھَا وَ ذِکْرِ النَّشْرِ وَ الْحَشْرِ وَ اَخْبَارِ الْاَبْرَارِ وَ الْفُجَّارِ وَ الْجَنَّۃِ وَ النَّارِ وَ عَرَصَاتِ الْقِیَامَۃِ[۱] وَبِحَسْبِ ھٰذَا الْفَصْلِ اَنْ یَّکُوْنَ دِیْوَانًا مُفْرَدًا یَشْتَمِلُ عَلٰی اَجْزَاءٍ

آپ کے قریش کے کفار بیت المقدس کا حال بتایا جبکہ انہوں نے معراج کی تکذیب کی تھی اور آپ نے اس کی نشانیاں اسی طرح بیان کیں جس طرح کوئی بخوبی جاننے والا بیان کر سکتا ہے اور آپ نے انہیں اس قافلے کی خبر دی جس کے پاس سے آپ گزرے تھے اور اس کے پہنچنے کا وقت بتایا۔ یہ سب کچھ آپ کے بتلانے کے مطابق ہوا۔ آپ نے ہونیوالے حادثات کی خبریں بھی دیں جن کی کوئی نشانی بھی ظاہر نہیں ہوئی تھی جیسا کہ آپ نے بیت المقدس کے آباد ہونے اور یثرب کے برباد ہونے کی خبر دی۔ یثرب (مدینہ منورہ) کی خرابی ملحمہ کا نکلنا ہے اور ملحمہ کا نکلنا قسطنطنیہ (استنبول) کی فتح ہے۔ نیز آپ نے قیامت کی نشانیاں بتائیں اور اس کے حلول و آثار بتلائے اور حشر و نشر کا ذکر اور ابرار و فجار، جنت و دوزخ اور واقعاتِ قیامت کی خبریں دیں۔ اگر اس فصل کے مطابق تحریر کیا جائے تو اس موضوع پہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی، تب جا کر اس بیان

[۱] وہابیہ کو چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات ایک آنکھ نہیں بھاتے اور ان

وَحْدَهٗ وَفِيْمَا اَشَرْنَا اِلَيْهِ مِنْ نُكَتِ الْاَحَادِيْثِ الَّتِىْ ذَكَرْنَاهَا كِفَايَةٌ وَاَكْثَرُهَا فِى الصَّحِيْحِ وَعِنْدَ الْاَئِمَّةِ۔ (ص-۲۸۹)	کے ہر جزو پر مشتمل ہو سکتی ہے اور ہم نے ان میں سے صرف بعض احادیث کے نکتے بیان کر دیئے ہیں اور ہمارے نزدیک ان کا ذکر ہی کفایت کرتا ہے اور ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک ان میں سے اکثر احادیث درجہ صحت پر فائز ہیں۔

فصل - ۲۴

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت وکفایت

اللہ جلّ مجدہٗ نے اپنے حبیب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو لوگوں کے شر اور فساد سے محفوظ و مامون رکھا تھا۔ چنانچہ اسی امر کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا گیا تھا:۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ ؎۱	اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اس سلسلے میں یہ بھی وعدہ خداوندی ہے:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ ؎۲	اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ان کی خانہ ساز توحید کا بیڑا ان کے ہندو بھائیوں کی گنگا میں غرق ہو جاتا ہے اس لئے بڑی دیدہ دلیری سے وہ آپ کے غیوب پر مطلع ہونے کے عظیم الشان معجزے سے انکار کر کے اپنے دلوں کی لگی بجھاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

؎۱ پارہ ۶، سورہ المائدہ، آیت ۶۷ ؎۲ پارہ ۲۷، سورہ الطور، آیت ۴۸

نیز یہ مژدۂ جانفزا بھی سنایا ہوا ہے:۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ؕ[1] | کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کے دشمنوں کے بارے میں کفایت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ حفاظتِ مصطفےٰ کے بارے میں یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۔[2] | بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝[3] | اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کرتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی شہید ابو علی صدفی اور حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المغافری رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ صحابۂ کرام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے جب آیۂ کریمہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

---

[1] پارہ ۲۴، سورۂ الزمر، آیت ۳۶ - [2] پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۹۵

[3] پارہ ۹، سورۂ الانفال، آیت ۳۰۔

نازل ہوئی تو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کاشانۂ اقدس سے سرِ مبارک باہر نکال کر فرمایا کہ لوگو! تم اپنے گھروں کو چلے جاؤ کیونکہ میرے پروردگار نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (دورانِ سفر) جب کسی جگہ قیام فرماتے تو صحابۂ کرام آپ کے قیلولہ فرمانے کے لئے کسی مناسب درخت کا انتخاب کر دیتے۔ (ایک مرتبہ قیلولہ کی حالت میں) اچانک ایک اعرابی آپ کے پاس آ نکلا اور آپ کی تلوار لے کر کہنے لگا: بتاؤ اب تمہیں کون بچائے گا؟ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، اللہ عزوجل یہ سن کر اعرابی تھر تھر کانپنے لگا۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور اس نے درخت میں ٹکر ماری جس کے باعث اس کا بھیجا نکل گیا۔ اِس پر مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہوا ہے اور صاحبِ قصہ کا نام غوث بن حارث تھا۔ یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا تھا اور جب وہ اپنی قوم میں داخل ہوا تو کہنے لگا کہ میں اس شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو تمام انسانوں سے بہتر ہے اسی طرح کا واقعہ غزوۂ بدر کے دوران پیش آیا تھا۔ آپ قضائے حاجت کے پیشِ نظر اپنے اصحاب سے دور چلے گئے تھے کہ ایک منافق چھپ چھپا کر آپ کے نزدیک جا نکلا۔ آگے واقعہ اسی طرح ہے جیسا مذکور ہوا۔ ——— روایت ہے کہ ایسا ہی واقعہ غزوۂ غطفان کے وقت ذی امر کے مقام پر پیش آیا تھا وہاں جس آدمی نے یہ واردات کی وہ دعثور بن حارث تھا۔ وہ دولتِ اسلام سے مشرف ہو کر واپس لوٹا تھا۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچا تو جن لوگوں نے اسے اس کام کے لئے اکسایا تھا وہ کہنے لگے کہ آپ ہمارے سردار اور ہم میں بہادر شمار ہوتے ہیں اس کے باوجود جب آپ نے مخالف پر قابو بھی پا لیا تھا تو زیر کرنے کے بجائے خود ہمیشہ کے لئے کس طرح زیر ہو گئے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے عین وقت پر ایک دراز قد اور سفید ریش آدمی کو اپنے نزدیک دیکھا جس نے میرے سینے پر اس زور کا مکا رسید

کیا تھا کہ مَیں پیٹھ کے بل گر پڑا تھا اور تلوار میری گرفت سے نکل کر دُور جا پڑی تھی. مجھے یقین آگیا کہ یہ (مارنے والا) فرشتہ ہے. چنانچہ مَیں مسلمان ہو گیا. یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِس واقعہ کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ - مائدہ	اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اُوپر یاد کرو، جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے اُن کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیئے۔

خطابی کی روایت میں ہے کہ غورث بن حارث محاربی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دینے کا ارادہ کیا تھا. آپ کو اس کے ارادے کا علم اس وقت ہُوا جب وہ تلوار سونت کر آپ کے نزدیک کھڑا ہُوا تھا. آپ نے دُعا فرمائی، بارِ الٰہا! جس طرح تُو چاہے مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ اچانک اس کی کمر میں سخت تکلیف ہوئی (درد یا چنکے کی صورت میں) اور وہ اُوندھے منہ جا پڑا. تلوار بھی اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر دُور جا پڑی تھی. اِس واقعے کو اور بھی کئی طرح بیان کیا گیا ہے. یہ بھی کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیۂ کریمہ اِس واقعے کے بعد نازل ہوئی تھی۔

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کی جانب سے ہر وقت اندیشہ رہتا تھا. جب مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو آپ بالکل مطمئن ہو گئے اور فرمایا کہ اب کوئی مجھے ذلیل نہیں کر سکتا ——— عبد بن حمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مذکور ہے کہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی عورت (ابولہب کی بیوی) آپ کے راستے میں کانٹے دار لکڑیاں بکھیر دیا کرتی تھی. کانٹے بھی گھنے اور خوب تیز ہوتے تھے لیکن آپ اُسی طرح ان پر قدم مُبارک رکھتے

چلے جاتے تھے جیسے کوئی ریت پہ چلتا ہے ——— ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے یوں روایت کرتے ہیں کہ نزولِ سورۂ لہب کے بعد جب اس عورت کو معلوم ہوا کہ اس کے خاوند کی اور اس کی مذمت کی جارہی ہے تو وہ آپ کے قریب پہنچی جبکہ آپ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کے پاس تھے۔ وہ کم بختی کی ماری ایک بڑا سا پتھر لے کر آئی تھی لیکن یہاں اسے اکیلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہی نظر آرہے تھے اور فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ کے یارِ غار سے پوچھنے لگی کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری برائی کرتے ہیں۔ اگر میں انہیں دیکھ پاؤں تو اس پتھر سے ان کا منہ کچل دوں۔

حکم بن ابی العاص سے مروی ہے کہ ہم نے آپس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دینے کا عہد کیا تھا۔ جب ہم نے اس ارادے کے تحت آپ کو دیکھا تو اپنے پیچھے ایک ایسی زوردار آواز سنی کہ ہمیں یہ امید نہ رہی کہ وادیٔ تہامہ کا کوئی شخص زندہ بچا ہو۔ ہم خود بیہوش ہو کر گر پڑے تھے جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ آپ نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ اقدس کی جانب تشریف لے جاچکے تھے۔ حسبِ وعدہ دوسرے روز بھی ہم اسی ارادے سے نکلے جب آپ کو پا لیا تو صفا اور مروہ کی دونوں پہاڑیاں ہمارے اور آپ کے درمیان آکر حائل ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا ہے کہ میں نے اور ابوجہم بن حذیفہ نے ایک رات یہ عہد کیا کہ آج ہم آپ کو شہید کر کے چھوڑیں گے چنانچہ ہم آپ کے درِ دولت پر پہنچے۔ ہمارے کانوں میں آواز آئی کہ آپ قرآن کریم کی یہ آیتیں پڑھ رہے ہیں:۔ اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ جب آپ آیۂ کریمہ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ پر پہنچے تو ابوجہم نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا کہ دوڑ کر جان بچالو۔ چنانچہ ہم دونوں

وہاں سے راہِ فرار اختیار کر گئے۔ یہ واقعہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کا ایک پیش خیمہ ہے۔

عبرت دلانے اور مکمل کفالت کو ظاہر کرنے کے واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ جب قریش نے آپ کو قتل کی دھمکی دی بلکہ ایک رات انہوں نے مل جل کر آپ کے درِ دولت کو گھیر لیا آپ ان کی موجودگی میں کمال اطمینان کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور ان کے نزدیک سے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی آنکھوں کو آپ کے دیکھنے سے عاجز کر دیا اور ان کے سروں میں ذلت و رسوائی کی خاک ڈال دی۔ پس فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس مقام سے زندہ سلامت نکل گئے۔

چنانچہ ایسے کتنے ہی معجزات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا اور اس طرح آپ کی حفاظت فرمائی۔ ایسے ہی واقعات میں سے غار کا واقعہ ہے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تان دیا تھا۔ جب کافروں نے غار میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو اُمیہ بن خلف کہنے لگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اور میرے خیال میں یہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے۔ لہٰذا داخل ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ لوگ بھی کہنے لگے واقعی بات بھی درست ہے۔ اگر اندر کوئی شخص گیا ہوتا تو غار کے منہ پر دو کبوتر بیٹھے ہوئے نہ ہوتے۔

اسی طرح کا واقعہ ہجرت کے وقت سراقہ بن مالک بن جعشم کا ہے۔ قریش نے آپ کے ہجرت کر جانے کے وقت آپ کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر لانے کے لئے کے لئے سو اونٹ انعام دینے کا اعلان مشتہر کر دیا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ فلاں راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔ لہٰذا انعام کے لالچ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے پیچھے دوڑا جب وہ آپ کے نزدیک پہنچا تو حبیبِ پروردگار کی دعا سے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس کے بعد اس نے تیراندازی کر کے فال نکالی۔ فال اس کی مرضی کے خلاف نکلی۔

اس کے باوجود دوبارہ آپ کے نزدیک آپہنچا۔ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت میں ہمہ تن مصروف تھے اور کسی دوسری جانب توجہ نہیں فرماتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھ کر بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئے، حضور! دشمن پھر ہمارے قریب آپہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا، غم نہ کھا، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ دوسری دفعہ بھی اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور وہ گر پڑا۔ اس نے گھوڑے کو خوب ڈانٹا ڈپٹا لیکن اس کی ٹانگوں کے پاس سے دھواں سا نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ مجبوراً وہ بارگاہِ رسالت سے امان کا طلبگار ہوا آپ نے اسے تحریری امان نامہ مرحمت فرما دیا۔

اس امان نامے کو ابن فہیرہ نے تحریر کیا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر کیا تھا۔ سراقہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے حالات بتائے اور آپ نے اسے تاکید فرمائی کہ اپنے ساتھیوں کو اس جانب نہ آنے دے۔ چنانچہ واپس ہوتے وقت اِدھر آنے والوں کو وہ یہ کہہ کر لوٹا دیتا کہ اِدھر جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اِدھر تو دُور دُور تک میں خود تلاش کر آیا ہوں۔ —— یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُس نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی کہ آپ دونوں نے میرے لئے بد دُعا کی ہے۔ اب میرے لئے دُعا فرمایئے۔ آپ نے دُعا فرمائی (اور زمین نے اُسے چھوڑ دیا) اس سے سُراقہ کے دل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت جاگزیں ہو گئی تھی۔

دوسری خبر میں ہے کہ ایک چرواہے نے آپ دونوں کو دیکھ لیا تھا چنانچہ وہ قریش کو اطلاع دینے کی غرض سے مکہ مکرمہ کی جانب دوڑا۔ جب شہر میں داخل ہوا تو اس کے دل کی کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ کیوں یہاں آیا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیئے چنانچہ اسی طرح اپنے ریوڑ کی طرف لوٹ گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوجہل ایک بڑا سا پتھر لے کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا جب اس نے آپ کو پتھر مارنے کا ارادہ کیا تو قریش

کے بعض دیگر افراد بھی دیکھ رہے تھے اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اس وقت مصروفِ نماز تھے۔ پتھر ابوجہل کے ہاتھوں سے چپک گیا اور اس کے بازو شل ہو گئے۔ مجبوراً وہ اُلٹے پاؤں لوٹنے لگا اور جاتے ہوئے عرض گزار ہوا کہ میرے حق میں دُعا فرمائیے آپ نے (اس دشمن کے لیے بھی) دعا فرمائی اور اس کے بازو درست ہو گئے

ابوجہل نے قسم کھا کر قریش سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اگر اس نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کو دیکھا تو ان کا سر پھوڑ دیگا۔ لوگوں نے ابوجہل سے ناکام و نامراد لوٹنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان ایک ایسا اونٹ آ کھڑا ہوا تھا کہ میں نے اتنا بڑا اونٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور وہ (منہ پھاڑ کر) مجھے کھانا چاہتا تھا سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے بتایا کہ (اونٹ کی شکل میں) خود حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر وہ میرے نزدیک آنے کی کوشش کرتا تو یہ پکڑ لیتے۔

امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا ہے کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو شہید کر دینے کے ارادے سے بنی مغیرہ کا ایک شخص آپ کے نزدیک پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کر لی۔ اور آپ مطلقاً اسے نظر نہیں آئے آخر کار وہ کلامِ الٰہی سن کر اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا، لیکن وہ بھی اسے نظر نہیں آتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اُسے آواز دے کر اپنی جانب بلایا۔ کہا گیا ہے کہ ان دونوں واقعات کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ ؎	ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا

؎ پارہ ۲۲، سورۂ یٰسٓ، آیت ۸، ۹

ایسے ہی ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعض دیگر حضرات نے بیان کیا ہے کہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بعض اصحاب کو ہمراہ لے کر ایک دفعہ بنی قریظہ کی جانب تشریف لے گئے۔ اسی دوران احباب سمیت آپ ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ عمرو بن حجاش نے ایک شخص کو تیار کیا کہ وہ دوسری جانب سے اچانک جاکر چکی کا پاٹ آپ کے سر پہ دے مارے۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمراہیوں سمیت مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے۔ آپ نے صحابۂ کرام کو اُن لوگوں کا ارادہ بتا دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی واقعہ کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۔ ؎	اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اُوپر یاد کرو۔ جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پہ دست درازی کریں، تو اس نے اُن کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بنی کلاب کے ان دو شخصوں کی دیت کے بارے میں گفتگو کرنے کی غرض سے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے جنہیں عمرو بن اُمیہ نے قتل کر دیا تھا۔ حیی بن اخطب نے کہا، اے ابوالقاسم تشریف رکھیے، میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں اور جو آپ چاہتے ہیں وہ بھی پیش کر دیا جائیگا آپ اپنے دونوں ہمراہیوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت وہاں جلوہ افروز رہے۔ حیی بن اخطب نے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر آپ کے قتل کر دینے کی سازش تیار کر لی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ کو دشمنوں کے اس ارادے سے مطلع کر دیا۔ آپ وہاں سے اس طرح اٹھ کر چلے آئے جیسے اچانک کوئی ضرورت آلاحق ہوتی

؎ پارہ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۱۱

ہے اور مدینہ منورہ میں واپس آ پہنچے۔

مفسرین کرام نے مذکورہ حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں بیان کیا ہے کہ قریش سے ابو جہل نے یہ وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ پاؤں تو ان کی مبارک گردن کو (نعوذ باللہ) اپنے ناپاک قدموں سے پامال کر کے رکھ دوں گا ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ کفار نے ابو جہل کو مطلع کر دیا تو وہ (بُرے ارادے سے) آپ کے قریب جا پہنچا، لیکن فوراً بدحواس ہو کر الٹے پاؤں بھاگنے پہ مجبور ہو گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے اس سے ناکام و نامراد واپس لوٹنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میرے نزدیک اچانک ایک آگ سے بھری ہوئی خندق آگئی اور قریب تھا کہ بس اس میں گر پڑتا نیز میں نے اتنے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنی جن سے زمین بھری ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ وہ فرشتے تھے۔ اگر وہ مجھ تک پہنچنے سے باز نہ آتا تو فرشتے اس کا ہر اک جوڑ توڑ کر رکھ دیتے اس کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ

ہاں ہاں بیشک آدمی سرکشی کرتا ہے، اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔ بیشک تمہارے رب ہی کی طرف پھرنا ہے۔ بھلا دیکھو تو، جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھو تو، اگر وہ ہدایت پہ ہوتا یا پرہیزگاری بتاتا تو کیا خوب تھا۔ بھلا دیکھو تو، اگر جھٹلایا اور منہ پھیرا تو کیا حال ہو گا۔ کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ہاں ہاں اگر باز نہ آیا تو ضرور ہم پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے

كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ٥ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ٥ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ٥ ۩	کیسی پیشانی، جھوٹی، خطاکار، اب پکارے اپنی مجلس کو۔ ابھی ہم سپاہیوں (فرشتوں) کو بلاتے ہیں۔ ہاں ہاں اس کی نہ سنو اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ

روایت ہے کہ شیبہ بن عثمان حجبی نے غزوۂ حنین کے روز آپ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ میں اپنے باپ کے خون کا بدلہ آپ سے لُوں گا۔ اس کے باپ کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے قتل کیا تھا۔ جب میدانِ کارزار گرم ہوا اور لوگ اپنی اپنی جگہ مصروف ہو گئے تو وہ پیچھے کی جانب سے آپ کے قریب آ پہنچا۔ اور وار کرنے کی غرض سے تلوار سونت لی۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ اچانک میری جانب آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا اور بجلی کی طرح میری طرف لپکا۔ میں واپس دوڑنے لگا۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے دیکھ لیا اور اپنے پاس بلایا۔ جب میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا تو آپ نے میرے سینے پہ اپنا دستِ اقدس رکھ دیا۔ اس سے پہلے کوئی شخص مجھے آپ سے بڑھ کر ناپسند نہیں تھا لیکن دستِ اقدس ہٹانے سے پہلے یہ کیفیت ہو گئی کہ ساری مخلوق میں آپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی محبوب نہ رہا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ میرے قریب ہو کر جہاد کرتے رہو۔ چنانچہ میں برابر تلوار کے جوہر دکھاتا اور آپ کی خاطر جان کی بازی لگاتا رہا۔ اس وقت میری حالت یہ ہو گئی تھی کہ اگر میرا باپ بھی آپ کے مقابلے پہ آیا ہوتا تو میں اسے بھی تہ تیغ کر دیتا۔

حضرت فضالہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز حالتِ کفر میں میرا ارادہ ہوا کہ آپ کو قتل کر دوں۔ آپ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور میں اسی ارادے سے آپ کے نزدیک جا پہنچا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ کیا فضالہ ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا تو دل میں کیسی باتیں لیے پھرتا ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں یہ سن کر

آپ مسکرائے اور میرے حق میں دعا کی۔ اس کے بعد اپنا دستِ اقدس میرے سینے پہ رکھ دیا جس سے میرے مضطرب دل کو قرار آگیا۔ خدا کی قسم، ہاتھ ہٹانے سے پہلے مجھے آپ ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے تھے۔

ایسے ہی مشہور واقعات میں سے عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کا واقعہ ہے۔ یہ دونوں بھی ایسا ہی ارادہ لے کر آپ کے پاس آ پہنچے تھے۔ عامر نے اربد سے طے کر رکھا تھا۔ کہ مدعی نبوت کو میں باتوں میں لگا کر اپنی جانب متوجہ کر دوں گا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر تم اُسے قتل کر دینا۔ عین وقت پہ جب اربد نے کچھ بھی نہیں کیا تو عامر نے اس سے وجہ دریافت کی تو اربد نے جواب دیا کہ جب میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دینے کا ارادہ کرتا تھا تو سامنے تم نظر آتے تھے۔ پس میں تمہیں کس طرح قتل کر سکتا تھا۔ سبحان اللہ)

عصمتِ الٰہی سے یہ بھی ہے کہ کتنے ہی یہودیوں اور کاہنوں نے آپ کے ظہور کی خبریں دیں۔ قریش کے سامنے اس امر کا تعین کیا اور انہیں آپ کے غلبہ کی خبر دیتے ہوئے آپ کو قتل کر دینے پہ ابھارا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور سارا کام اپنے انجام کو پہنچا۔ اسی فضیلت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب مرحمت فرمایا ہوا تھا جو ایک ماہ کی مسافت تک بسنے والے لوگوں پہ چھایا رہتا تھا جیسا کہ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

فصل-۲۵

وَمِنْ مُعْجِزَاتِهِ الْبَاهِرَةِ اوران روشن معجزات میں سے جو اللہ

مَا جَمَعَهُ اللّٰهُ لَهٗ مِنَ الْمَعَارِفِ
وَالْعُلُوْمِ وَخَصَّهٗ بِهٖ مِنَ
الْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ
الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَمَعْرِفَتِهٖ
بِاُمُوْرِ شَرَائِعِهٖ وَقَوَانِيْنِ
دِيْنِهٖ وَسِيَاسَةِ عِبَادِهٖ
وَمَصَالِحِ اُمَّتِهٖ وَمَا كَانَ
فِي الْاُمَمِ قَبْلَهٗ وَقِصَصِ
الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْجَبَابِرَةِ
وَالْقُرُوْنِ الْمَاضِيَةِ مِنْ
لَدُنْ اٰدَمَ اِلٰى زَمَنِهٖ وَحِفْظِ
شَرَائِعِهِمْ وَكُتُبِهِمْ وَ
وَعْيِ سِيَرِهِمْ وَسَرْدِ
اَنْبَاءِهِمْ وَاَيَّامِ اللّٰهِ فِيْهِمْ
وَصِفَاتِهٖ اَعْيَانِهِمْ وَاخْتِلَافِ
اٰرَائِهِمْ وَمَعْرِفَةِ بِمُدَدِهِمْ
وَاَعْمَارِهِمْ وَحِكَمِ حُكَمَائِهِمْ
وَمُحَاجَّةِ كُلِّ اُمَّةٍ مِنَ
الْكَفَرَةِ وَمُعَارَضَةِ كُلِّ
فِرْقَةٍ مِنَ الْكِتَابِيِّيْنَ
بِمَا فِيْ كُتُبِهِمْ وَاَعْلَامِهِمْ

تعالیٰ نے آپ کی ذات میں جمع فرمائے وہ معارف
اور علوم بھی ہیں جو صرف آپ کو مرحمت فرمائے
گئے یعنی دنیا اور دین کی تمام مصلحتیں،
امورِ شرائع کی معرفت، اپنے دین کے قوانین
اپنے بندوں کی سیاست اور امت کے ،
مصالح کی اطلاع بخشی نیز جو کچھ
پہلی امتوں میں ہو گزرا اور انبیاء و
مرسلین اور ظالم بادشاہوں کے
واقعات جو زمانۂ ماضی میں ہوئے ،
وہ آدم علیہ السلام سے آپ کے
زمانے تک سارے بتائے۔ ان حضرات
کی شریعتوں، کتابوں، سیرتوں اور خبروں
کو آپ کے ذہن میں محفوظ فرمایا۔ ،
حتّٰی کہ ان کے خاص دنوں، اس زمانے
کے لوگوں کی عادتیں، ان کی آراء کا
اختلاف اُن کی امداد، ان کی عمریں
اُن کے حکماء کی دانائی، ہر اُمت کے
کافروں کی حجت بازی، اہلِ کتاب ،
(یہود و نصاریٰ) کے ہر فرقے سے
ان کا کتابوں کے ساتھ معارضہ کرنا
جو باتیں انہوں نے چھپا رکھی تھیں

بِاَسْرَارِهَا وَ مُخَبَّآتِ عُلُومِهَا وَ اَخْبَارِهِمْ بِمَا كَتَمُوْهُ مِنْ ذَالِكَ وَ غَيَّرُوْهُ اِلَى الْاِحْتِوَاءِ عَلٰى لُغَاتِ الْعَرَبِ وَ غَرِيْبِ اَلْفَاظِ فِرَقِهَا وَالْاِحَاطَةِ بِضُرُوْبِ فَصَاحَتِهَا وَالْحِفْظِ لِاَيَّامِهَا وَ اَمْثَالِهَا وَحِكَمِهَا وَ مَعَانِىْ اَشْعَارِهَا وَالتَّخْصِيْصِ بِجَوَامِعِ كَلِمِهَا اِلَى الْمَعْرِفَةِ بِضَرْبِ الْاَمْثَالِ الصَّحِيْحَةِ وَالْحِكَمِ الْبَيِّنَةِ لِتَقْرِيْبِ التَّفْهِيْمِ لِلْغَامِضِ وَالتَّبْيِيْنِ لِلْمُشْكِلِ اِلٰى تَمْهِيْدِ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ الَّذِىْ لَا تَنَاقُضَ فِيْهَا وَلَا تَخَاذُلَ مَعَ اشْتِمَالِ شَرِيْعَتِهٖ عَلٰى مَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَامِدِ الْاٰدَابِ وَ كُلِّ شَيْءٍ مُسْتَحْسَنٍ مُفَصَّلٍ لَمْ يُنْكِرْهُ مِنْهُ مُلْحِدٌ ذُوْ عَقْلٍ سَلِيْمٍ شَيْئًا اِلَّا مِنْ جِهَةِ الْخِذْلَانِ بَلْ كُلُّ جَاحِدٍ لَّهٗ وَ كَافِرٍ مِّنَ

ان کا ظاہر کرنا۔ ان علوم و اخبار کو ظاہر کرنا جو انہوں نے چھپا رکھے تھے یا بدل دیئے تھے۔ یہاں تک کہ جو انہوں نے لغات عرب میں تبدیلی کی تھی نیز ہر فرقے کے خاص الفاظ، اقسام فصاحت کا احاطہ ان کے خاص دنوں کا علم، ان کے ضرب الامثال، دانائی کے اقوال، اشعار کے معانی ان کے خاص جامع کلمات، جن سے ضرب الامثال کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی دانائی کی باتوں کو اس طرح بیان کرنا کہ آسانی سے سمجھ میں آ جائیں۔ مشکل باتوں کا آسان بیان۔ شرع کے قواعد کو اس طرح بیان کرنا کہ ان میں کوئی تناقض اور مخالفت نظر نہ آئے۔ جس کے باعث آپ کی شریعت اچھے اخلاق اور قابل تعریف آداب پر مشتمل ہے اور اس کی ہر بات لائق تحسین اور اس طرح کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ عقل سلیم والا ملحد بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ماسوائے رذالت کے باعث انکار کرنے کے۔ اس سے

اَلْجَاھِلِیَّۃِ بِہٖ اِذَا سَمِعَ مَا یَدْعُوْا اِلَیْہِ صِحَّتَہٗ وَ اسْتَحْسَنَہٗ مِنْ غَیْرِ طَلَبِ اِقَامَۃِ بُرْھَانٍ عَلَیْہِ۔ (ص-۲۹۶)

جھگڑا کرنا یا انکار کرنا جہالت کے سبب ہے، ورنہ جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں سننے والا اسے درست کہیگا اور بغیر دلیل طلب کئے اُسے نظرِ استحسان سے دیکھیگا

پس شریعتِ محمدیہ میں وہی چیز حلال فرمائی گئی ہیں جو پاک ہیں اور جنہیں حرام ٹھہرایا گیا ہے ان میں خباثت موجود ہے اور ایسا کر کے لوگوں کی جانوں۔ ننگ و ناموس اور مال و دولت کو محفوظ فرما دیا اور حدود جاری کر کے انہیں جہنم کا ایندھن بننے سے بچا دیا ہے۔ اِس بات کا علم کتنے ہی علوم میں مہارت حاصل کرنے اور کئی ایک فنون کی معرفت سے معلوم ہو سکتی ہے جیسے کہ علمِ طب، علمِ تعبیر رؤیا، علمِ فرائض، علمِ ہندسہ (ریاضی) اور علمِ انساب وغیرہ۔ یہ ایسے علوم ہیں کہ اِن کے ماہرین نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ کو اپنے لئے رہنما اصول تسلیم کیا ہے اور ان علوم و فنون کی بنیاد قرار دیا ہے۔

مثلاً فخرِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خواب، کا اثر سب سے پہلے تعبیر بتانے والے کے مطابق ہوگا اور وہ واقع ہونے والی چیز ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ خوابوں کی ایک قسم برحق ہے دوسری قسم کے خواب ایسے ہیں جو انسان کے اپنے ہی خیالات ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے خواب ایسے ہیں جو اِنسان کو غمگین کرنے کے لئے شیطان دکھاتا ہے۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے نزدیک مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔

فرمانِ رسالت ہے کہ (دربارۂ طب) پیٹ کی خرابی تمام بیماریوں کی جڑ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت میں ہے کہ معدہ جسم کا حوض ہے اور رگیں اس کی نالیاں ہیں۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ خواہ یہ ضعیف ہو یا موضوع۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اِس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عمدہ علاج نسوار،

پچھنے لگوانا (فصد کھلوانا) اور مُسہل لینا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ فصد کھلوانے کے لئے سترھواں اُنیسواں اور اکیسواں دِن بہتر ہے۔ عُودِ ہندی (کلونجی) کے بارے میں فرمایا کہ اس میں سات بیماریوں کے لئے شفا ہے جن میں سے ایک ذات الجنب (نمونیہ) بھی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ انسان پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ اگر اس کا بھرنا ضروری ہے تو تہائی کھانے سے بھرے ایک تہائی پانی سے اور ایک تہائی ہوا کے لئے خالی چھوڑ دے۔

بارگاہِ رسالت میں (متعلقہ علمِ انساب) عرض کی گئی کہ سبا مرد تھا یا عورت، یا کسی جگہ کا نام ہے؟ فرمایا، وہ مرد تھا، جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ ان میں سے یمن میں آباد ہوئے اور چار شام کی سرزمین میں۔ یہ حدیث بڑی طویل ہے ——— اسی طرح تھامہ وغیرہ کے نسب کے بارے میں آپ سے دریافت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اہلِ عرب ان کے نسب میں مضطرب تھے اور ان میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ نیز فرمایا کہ حِمیر عرب کا سردار اور مورثِ اعلیٰ تھا۔ مذحج اس کا سر اور گردن ہیں۔ ازد اس کے کاکُل اور کھوپڑی ہیں اور ہمدان اُس کا غارب اور چوٹی ہیں۔

نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمانہ اپنی پیدائش کے وقت سے اسی طرح گردش میں ہے۔ ——— حوضِ کوثر کے بارے میں فرمایا کہ اس کے زاویے برابر (زاویہ قائمہ) ہیں ——— حدیثِ ذکر میں فرمایا کہ بیشک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ پس یہ گنتی کے لحاظ سے ڈیڑھ سو ہوئے لیکن میزان پر پورے ڈیڑھ ہزار ہوں گے ——— ایک جگہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ حمام کے لئے اچھی ہیں ——— یہ بھی فرمایا کہ قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے ——— عُیینہ یا اقرع سے آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے تمہاری نسبت گھوڑوں کی پہچان زیادہ ہے یا میں تمہاری نسبت بہتر گھڑسوار ہوں۔ ——— اپنے ایک کاتب سے آپ نے کہا تھا کہ قلم کان پر رکھ لو۔ کیونکہ اس طرح یہ خوب یاد دِلاتا ہے۔

مَعَ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَكْتُبُ وَلٰكِنَّهٗ اُوْتِيَ عِلْمَ كُلِّ شَيْئٍ حَتّٰى قَدْ وَرَدَتْ اٰثَارٌ بِمَعْرِفَتِهٖ حُرُوْفَ الْخَطِّ وَحُسْنَ تَصْوِيْرِهَا كَقَوْلِهٖ لَا تَمُدُّوْا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ (ص۔ ۲۹۸)

اگرچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھتے نہ تھے لیکن آپ کو ہر چیز کا علم مرحمت فرمایا گیا تھا، حتیٰ کہ احادیث میں آیا ہے کہ آپ حروف کی بناوٹ اور اُن کے حُسنِ کتابت کو جانتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو لمبا کر کے لکھا کرو۔

اِس حدیث کو ابن شعبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریقے سے روایت ہے اور دوسری حدیث میں اِن کا قول حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہے کہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور لکھنے بیٹھے تو آپ نے فرمایا کہ دوات کو درست کر لو۔ قلم کو قط لگاؤ۔ بار کو کھڑا کرو، سین کے دندانوں کو جدا جدا رکھو۔ میم کا سَر بند نہ کرو۔ لفظ اللہ کو خوبصورت کر کے لکھو، الرحمٰن کو لمبا کرو اور الرحیم کو نفیس طریقے سے لکھو۔

وَاِنْ لَمْ تَصِحَّ الرِّوَايَةُ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَتَبَ فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يُّرْزَقَ عِلْمَ هٰذَا وَيُمْنَعُ الْكِتَابَةَ وَالْقِرَاءَةَ وَاَمَّا عِلْمُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِلُغَاتِ الْعَرَبِ وَحِفْظُهٗ

اگرچہ ایسی کوئی صحیح روایت نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے لکھتے ہوں لیکن یہ بعید نہیں ہے کہ آپ کو یہ علم مرحمت فرمایا گیا ہو لیکن لکھنے پڑھنے سے منع فرما دیا گیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لغاتِ عرب کو جاننا اور ان کے اشعار کے مفہوم

مَعَانِيَّ اَشْعَارِهَا فَاَمْرُ مَشْهُوْرٌ قَدْ نَبَّهْنَا عَلٰى بَعْضِهٖ فِيْ اَوَّلِ الْكِتَابِ وَكَذَالِكَ حِفْظُهٗ لِكَثِيْرٍ مِّنْ لُّغَاتِ الْاُمَمِ۔ (ص-۲۹۹)	سے آگاہ ہونا مشہور بات ہے ہم نے ایسی بعض باتوں کا ذکر کتاب کے شروع میں کر دیا ہے اور اسی طرح آپ کو اُمم سابقہ کی اکثر بولیاں آتی تھیں۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے سَنَہ سَنَہ فرمایا ہے جو اہلِ حبشہ لفظ حسنہ (نیکی) کی جگہ بولتے تھے ——— ایک مرتبہ آپ نے یَکْثُرُ الْھَرْجُ فرمایا جس کا مطلب قتل و قتال ہے ——— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں اَشْکَنْبَ دَرْدَمْ بھی آیا ہے: فارسی میں دردِ شکم کو کہتے ہیں اس کے علاوہ بہت سی باتیں اور علوم و معارف ایسے ہیں جن کو کلیؔ یا جزوی طور پر وہی جان سکتا ہے جس نے باقاعدہ ان کا تحصیل کی ہو یا کتب بینی میں مشغول رہا ہو یا اہلِ علم کی عمر بھر صحبت اختیار کی ہو۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اُمّی کا لقب عطا فرمایا ہے اس لیے کہ آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے اور نہ اِن خوبیوں والے لوگوں کی آپ نے صحبت اختیار کی اور نہ آپ نے پڑھے لکھے لوگوں میں نشو و نما پائی اور نہ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ اِن میں سے کسی چیز کے ساتھ معروف ہوئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ [1]	اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

---

[1] پارہ ۲۱، سورۂ العنکبوت، آیت ۴۸،

بلکہ اہلِ عرب کے معارف میں علمِ انساب کو سرِ فہرست شمار کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اگلے لوگوں کی خبریں، شعر و شاعری اور علمِ بیان وغیرہ تھے جنہیں وہ لوگ مدتوں انہماک کے بعد اور برسوں طلبِ علم میں مشغول رہ کر اور اہلِ علم سے مباحثے کر کے حاصل کرتے تھے لیکن،

هٰذَا الْفَنُّ نُقْطَةٌ مِّنْ بَحْرِ عِلْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا سَبِيْلَ اِلٰى جَحْدِ الْمُلْحِدِ لِشَيْئٍ مِّمَّا ذَكَرْنَاهُ وَ لَا وَجَدَ الْكَفَرَةُ حِيْلَةً فِيْ دَفْعِ مَا قَصَصْنَاهُ۔ (ص-۲۹۹)

ان کا یہ سارا فن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بحرِ علم کا ایک نقطہ (قطرہ) ہے اور جو باتیں ہم نے بیان کی ہیں، ان سے منکر ہوتے کا نہ کسی ملحد کے لئے کوئی راستہ ہے اور نہ کسی کافر نے کوئی حیلہ بہانہ پایا ہے۔

اس کے باوجود مخالفین (اپنے دل کی لگی بجھانے کے لیئے) کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں کبھی کہتے کہ انہیں کوئی آدمی ایسی باتیں سکھاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے الزامات کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔ [۱]

جس کی طرف ڈھالتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ روشن عربی زبان

طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ منکرین کے یہ اعتراضات بھی مشاہدے کے خلاف ہیں کیونکہ وہ لوگ قرآنِ کریم کی تعلیم کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ایک رومی غلام کی جانب منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ کیفیت تو یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے کے بعد دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تھے اور اس وقت تک قرآنِ کریم کا کتنا ہی حصہ نازل ہو چکا تھا اور کتنے ہی معجزات آپ سے صادر ہو چکے تھے۔ رہا رومی غلام کا معاملہ تو وہ بھی مسلمان ہو چکے تھے اور وہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قرآنِ کریم پڑھا کرتے

ان کے نام میں علماء کا اختلاف ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس مروہ پہاڑی کے قریب بیٹھا کرتے تھے حالانکہ یہ دونوں حضرات عجمی (غیر عربی) تھے اور مخالفین حضرات تو بڑے فصیح، کلام پر قادر، جھگڑالو، فنِ خطابت کے ماہر اور زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے تھے اس کے باوجود وہ اس قرآن کی مثل لانے سے کیوں عاجز رہے جو ان کے نزدیک کلامِ الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا سکھایا ہوا ہے بلکہ معارضہ تو دور کی بات ہے وہ اس کے ... بیان، حسنِ تالیف اور نظمِ بدیع کو سمجھنے سے بھی عاجز رہ گئے۔ بھلا ایسا کلام آپ کو کوئی انسان سکھا سکتا تھا اور وہ بھی عجمی۔

علاوہ بریں جن حضرات یعنی حضرت سلمان فارسی اور رُومی غلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کا نام بلعام رُومی یا یعیش یا جبر یا یسار تھا جیسا کہ اس میں اختلاف ہے تو یہ دونوں حضرات بھی مدتوں ان مخالفین کے درمیان موجود رہے، ان سے گفتگو کرتے رہے، کیا ان کی گفتگو اور قرآنِ کریم کی زبان میں کسی قسم کی مطابقت پائی گئی؟ نیز قرآنِ کریم میں جو علوم و معارف ہیں۔ کیا ان سے اُن حضرات کو مالا مال دیکھا گیا؟ اس حقیقت کے باوجود بھی جب منکرین تعداد میں بہت زیادہ تھے اور ان سے معارضے کا سخت تقاضا ہو رہا تھا تو حسد کی آگ میں جلنے والوں کے لئے تو یہ نادر موقع تھا کہ ان لوگوں سے وہ بھی ایسا ہی کلام سیکھ کر بڑی آسانی سے کلامِ الٰہی سے معارضہ کرتے اور نضر بن حارث کی طرح کچھ تو کر دکھاتے۔ جیسا کہ وہ کتابوں سے من گھڑت خبریں سنایا کرتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی وقت بھی اپنی قوم سے علیحدہ نہیں رہے نہ اہلِ کتاب کے شہروں میں آپ کی آمد و رفت رہی، جس کے باعث یہ کہا جا سکے کہ آپ نے کسی انسان سے اس کلام میں مدد لی ہوگی، بلکہ آپ اپنے شہر ہی میں اقامت پذیر رہے دوسرے لڑکوں کی طرح آپ نے بھی بکریاں چرائیں۔ صرف ایک دو سفر کئے لیکن ان میں بھی زیادہ عرصہ باہر نہیں رہے کہ تھوڑا سا علم بھی حاصل کر لیتے، زیادہ کا تو ذکر ہی کیا۔

اور سفر میں بھی جتنے دِن رہے تو اپنے رفیقوں کی صحبت میں رہے کبھی ان سے غائب نہیں ہوئے۔ قیامِ مکہ مکرمہ کے دوران بھی آپ کی یہی حالت رہی کہ تعلیم نہیں پائی اور کسی پادری، راہب، نجومی، کاہن وغیرہ کی صحبت نہیں اٹھائی۔ اگر آپ نے ایسا کیا بھی ہوتا تب بھی قرآنِ کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو اُن کے ہر باطل عُذر کو قطع کرنے والا ان کی ہر دلیل کا توڑنے والا ہے اور ہر معاملے کو صاف کرنے والا ہے۔

فصل - ۲۶

ملائکہ وجنّات کا آپ کی مدد کرنا

سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خصائص، آپ کی بزرگی اور منجملہ روشن معجزات کے یہ بھی ہے کہ ملائکہ وجنّات نے آپ کا ساتھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ آپ کی مدد فرمائی اور جنّات نے آپ کی غلامی کا شرف حاصِل کیا، جیسا کہ آپ کے بعض صحابہ نے بھی انہیں دیکھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ [1]	اور اگر اِن پر زور باندھو تو بیشک اللہ اِن کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ [2]	جب اے محبوب! تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مُسلمانوں کو ثابت رکھو۔

[1] پارہ ۲۸، سورۃ التحریم، آیت ۴   [2] پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت ۱۲،

فرشتوں کے ذریعے مدد فرمانے کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ؎۱	جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سُن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے۔

جنات کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ ؎۲	اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے ہی جن پھیرے، کان لگا کر قرآن سُنتے۔ پھر جب وہاں حاضر ہوئے، آپس میں بولے خاموش رہو، پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کیطرف ڈر سناتے پلٹے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے فقیہ سُفیان بن العاص رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشادِ باری تعالیٰ: وَلَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى کی تفسیر میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صُورت میں دیکھا اور اُن کے چھ سو پَر تھے۔

احادیثِ مطہرہ میں آپ کے حضرت جبرئیل، حضرت اسرافیل اور دیگر فرشتوں سے باتیں کرنے کی خبریں ہیں نیز یہ مشہور ہے کہ معراج میں آپ نے کثرت سے ملائکہ کو دیکھا اور بڑی بڑی صُورتوں میں ان کا معائنہ فرمایا۔ نیز آپ کی مختلف مجالس میں بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرشتوں کو دیکھا تھا ــــــ صحابۂ کرام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک آدمی کی شکل میں دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے

اسلام اور ایمان کی حقیقت دریافت کر رہے تھے ——— حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بارگاہِ رسالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دحیہ کلبی کی شکل میں دیکھا تھا ——— حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی آخرالزّمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دائیں اور بائیں جانب حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل علیہ السلام کو آدمی کی صورت میں دیکھا جنھوں نے سفید کپڑے زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ ایسی روایات اور بھی ہیں۔

بدر کے روز بعض صحابۂ کرام نے سُنا کہ فرشتے اپنے گھوڑوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہیں بعض اصحاب نے کافروں کے سر قلم ہوتے تو دیکھے لیکن مارنے والا کوئی نظر نہیں آیا۔ اُس روز ابوسفیان بن الحارث نے بعض ایسے سفید پوش (ملائکہ کے فوجی دستے) بھی دیکھے جو ابلق گھوڑوں پہ سوار ہو کر زمین و آسمان کے درمیان فضا میں ٹھہرے ہوئے تھے، حالانکہ وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر وہ ٹھہرتے ——— حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے فرشتے مُصافحہ کیا کرتے تھے ——— ایک روز فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خانۂ کعبہ میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام دکھائے تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

جب رات کے وقت جنّات بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے انہیں دیکھا۔ ان کی باتیں سُنیں اور انہیں زط کے لوگوں سے تشبیہ دی تھی ——— ابنِ سعد علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو شہید کر دیا گیا۔ تو فرشتے نے ان کی شکل میں آکر اسلام کا جھنڈا اٹھا لیا تھا۔ ایک موقع پہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے، ان سے فرمایا۔ اے مصعب! آگے بڑھو۔ فرشتے نے عرض کی، آقا! یہ غلام مصعب تو نہیں ہے۔ تب آپ پر منکشف ہوا کہ یہ تو فرشتہ ہے۔

متعدد مصنفین نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ کتنے ہی پروانے شمعِ رسالت کے گرد جمع تھے۔ کہ ایک بوڑھا آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اس نے سلام عرض کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کا لہجہ جنات جیسا دیکھ کر فرمایا۔ تو کون ہے؟ وہ عرض گزار ہوا کہ میں ہامہ بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس ہوں۔ اس نے بتایا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام اور فلاں فلاں کی بارگاہ میں حاضری دے چکا ہوں۔ حدیث میں یہ بیان طویل ہے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے قرآن کریم کی چند سورتیں تعلیم فرمائیں۔

مورخ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے عزیٰ کو گرایا تو اس میں سے ایک کالے رنگ کی عورت برآمد ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ نے تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جب فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ عزیٰ یہی تھی۔

ایک روز سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات ایک شیطان مجھے نماز توڑ دینے پر مجبور کرنے لگا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ قدرت کے ساتھ اُسے پکڑ لیا۔ میں نے چاہا کہ اُسے مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو، لیکن مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا یاد آگئی کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں یہ التجا کی تھی:۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ	اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے
مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ	ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو
بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [1]	لائق نہ ہو، بیشک تو ہی ہے بڑی دین والا۔

---

[1] پارہ ۲۳، سورہ صٓ، آیت ۳۵،

تو مَیں نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گیا۔ یہ بات بھی اگر اس کی جُزئیات بیان کی جائیں تو بہت وسیع ہے۔

فصل ۔ ۲۷

نبوّت و رسالت کے دلائل اور علامات

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت و رسالت کے دلائل و علامات میں سے وہ اخبار و آثار بھی ہیں جو نبیٔ آخر الزّمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور امّت مرحومہ کے بارے میں مروی ہیں جن میں آپ کے اسمائے گرامی، نشانیاں اور مہرِ نبوّت کا ذکر ہے جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور ایسے اخبار و آثار احبار و رہبان اور علمائے اہلِ کتاب سے منقول ہوئے اور پہلے زمانے کے موحّدین کے اشعار میں وارد ہوئے ہیں جیسا کہ تُبّع، اوس بن حارثہ، کعب بن لوی، سفیان بن مجاشع اور قیس بن ساعدہ کے اشعار میں ہے اور سیف بن ذی یزن وغیرہ کے بارے میں مذکور ہے۔

اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثکلان حمیری اور علمائے یہود نے جن میں تبّع کا مصاحب شامول بھی ہے۔ انہوں نے آپ کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جو توریت اور انجیل میں بھی مرقوم تھے اور علمائے کرام نے ایسے تمام اقوال کو جمع کیا ہے ایسے اقوال کو مذکورہ دونوں کتابوں سے اُن ثقہ حضرات نے نقل کیا ہے جو اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، بنی سعیہ، ابن یامین، مخریق کعب احبار اور ان جیسے دوسرے حضرات جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔

اسی طرح نصاریٰ میں سے بحیرہ راہب، نصطور حبشہ والا، صاحب بُصریٰ، ضغاطر اسقف شامی، جارود، سلمان فارسی، تمیم، نجاشی بادشاہِ حبشہ، حبشہ کے نصاریٰ اور نجران کے پادریوں وغیرہ نے اپنے علم کے باعث آپ کی منقولہ صفات کا اعتراف کیا

اسی طرح ہرقل اور حاکمِ روم نے آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جو نصاریٰ کے صاحب علم سردار تھے، نیز مقوقس حاکمِ مصر، اس کے مصاحب سے شیخ ابن صوریا اور ابن اخطب نے اور اس کی برادری سے کعب بن اسد اور زبیر بن باطیا وغیرہ یہود نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا ہے لیکن یہ لوگ حسد اور نفسانیت کے باعث ابدی شقاوت میں پڑے رہے۔

غرضیکہ اس سلسلے میں اتنے اخبار و اقوال وارد ہیں جن کا جمع کر لینا ممکن نہیں ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود و نصاریٰ کو وہ صفات سنا کر جو ان کی کتابوں میں مذکور تھیں۔ اُن کے خوب کان کھولے اور اس کرتوت پہ اُن کی مذمت فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی اور آپ کے اصحاب کی توصیف کو ان کتابوں سے نکال دینے، بدلنے اور چھپانے کی کوشش کی ہے۔ نیز یہودی آپ کے تعریف و توصیف کے بارے میں زبانی ہیر پھیر سے کام لیتے تھے۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود کو مباہلہ کی دعوت دی کہ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میدان میں آؤ تاکہ مل جل کر جھوٹ بولنے والوں پہ لعنت کریں۔ یہودی معارضے سے منہ موڑ گئے اور ان میں سے ایک بھی تیار نہ ہوا۔ حالانکہ وہ صفات اگر ان کی کتابوں میں موجود نہ تھیں تو ان کا میدان میں نکل کر آپ کے دعاوی کو غلط ثابت کر دکھانا اس کی نسبت بہت آسان بات تھی جو انہیں اسی مخالفت کے باعث جان و مال کی بازی لگانا پڑ رہی تھی۔ گھروں سے باہر ہو رہے تھے اور آئے دن جنگ و جدل کی بھٹی میں جلنا پڑ رہا تھا۔ حالانکہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرما بھی دیا تھا۔

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ [1] — تم فرماؤ، توریت لا کر پڑھو، اگر سچے ہو۔

---

[1] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۹۳۔

اسی طرح شافع بن کلیب، شق، سطیح، سواد بن قارب، خنافر، افعی نجران، جذل بن جذل الکندی، ابن خلصہ الدوسی، سعد بن بنت کریز اور فاطمہ بنت النعمان وغیرہ بیشمار کاہنوں نے آپ کی خبر دیتے ہوئے لوگوں کو ڈرایا تھا۔ نیز بتوں نے آپ کی نبوت کے متعلق گواہی دی اور زبان حال سے آپ کے دورِ رسالت کی خبر دی۔ ذبیحہ کے تھانوں اور تصویروں کے اندر سے آپ کا نام نامی سنا گیا اور انہوں نے آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ آپ کی رسالت کی گواہی پتھروں اور قبروں سے قدیم خط میں لکھی ہوئی پائی گئی۔ ایسے واقعات کثرت کے ساتھ مشہور ہیں اور ایسے واقعات کے سبب کتنے ہی خوش نصیب دولتِ اسلام سے مشرف ہو گئے۔ یہ بھی کتابوں میں مذکور اور عام مشہور ہے۔

فصل-۲۸

وقتِ ولادت وغیرہ کے معجزات

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روشن معجزات سے وہ عجائبات اور نشانیاں بھی ہیں جن کا ظہور آپ کی اس عالمِ آب و گل میں تشریف آوری کے وقت ہوا ان عجیب وغریب واقعات کو آپ کی والدہ محترمہ (سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور حاضرین نے بیان کیا ہے۔

ایسے ہی واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب آپ کی تشریف آوری ہوئی تو سرِ مبارک اوپر اٹھایا ہوا تھا اور آنکھیں آسمان کی جانب کھول رکھی تھیں اور پیدائش کے وقت ایک نور بھی آپ کے ساتھ خارج ہوا تھا۔ اس وقت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ نے دیکھا تھا کہ ستارے آپ کے نزدیک ہو گئے اور ایک ایسا روشن نور ظاہر ہوا کہ اس نور کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ، حضرت شفا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے۔

لَمَّا سَقَطَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	جب نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم
عَلٰى يَدِيْ وَاسْتَهَلَّ سَمِعْتُ	کی میرے ہاتھوں پہ ولادت باسعادت
قَائِلاً يَّقُوْلُ رَحِمَكَ اللّٰهُ	ہوئی تو آپ کو چھینک آئی، اس وقت
وَاَضَاءَ لِيْ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ	میں نے کسی کو کہتے سُنا، اللہ نے تم پہ رحم کیا
الْمَغْرِبِ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى	اور میرے لیے مشرق و مغرب کے درمیان سب کچھ
قُصُوْرِ الرُّوْمِ۔ (ص ۲۰۵)	روشن ہو گیا، یہانتک کہ میں نے روم (اٹلی) کے محلات دیکھ لیے۔

آپ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُن کے خاوند نے بھی ایسے واقعات دیکھے کہ نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی برکت سے اُن کی اونٹنی کا دُودھ بڑھ گیا، اُن کی بکریاں چراگاہ سے شکم سیر ہو کر آنے لگیں اور آپ نسبتاً بہت جلدی نشوو نما پاتے جا رہے تھے۔

اس کے علاوہ وہ عجائب وغرائب بھی ہیں جو آپ کی پیدائش والی رات ظہور میں آئے جیسے ایوان کسریٰ پہ زلزلہ طاری ہو جانا۔ اس کے کنگروں کا گر جانا۔ بحیرۂ طبریہ کا خشک ہو جانا اور فارس (ایران) کی اس آگ کا بجھ جانا جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی۔

ایسے ہی عجیب وغریب اُمور سے یہ ہے کہ زمانۂ طفولیت میں جب ابوطالب اور اُن کی اولاد آپ کے ساتھ کھانا کھاتی تو سب شکم سیر ہو جاتے لیکن آپ کی عدم موجودگی میں اگر وہ کھانا کھاتے تو سیر نہیں ہوتے تھے۔ علاوہ بریں ابوطالب کے بچے جب صبح کو بیدار ہوتے تو حال پراگندہ ہوتا لیکن حبیبِ پروردگار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم جب بیدار ہوتے تو یہی دیکھا جاتا کہ آپ کے گیسوئے مبارک شانۂ قدرت نے سنوارے ہوئے ہوتے اور چشمانِ مبارک میں سُرمہ لگا ہوا ہوتا تھا۔

آپ کی دایہ، اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ بچپن میں کبھی آپ نے بھوک پیاس

کی شکایت نہیں کی اور جوانی میں بھی یہی حالت رہی ـــــــ سرورِ کون و مکان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عجیب و غریب برکات میں سے یہ بھی ہے کہ ولادتِ مُصطفےٰ کے وقت سے ستاروں کے ساتھ آسمانوں کی حفاظت کی جانے لگی اور شیاطین و جنّات کا آسمانی خبروں کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھنا بند کر دیا گیا۔ اور ان کے چوری چھپے کسی آسمانی خبر کے سُن لینے کے مواقع ہی ختم کر دیئے گئے۔

پیدائشی طور پر آپ بتوں سے نفرت کرتے اور امورِ جاہلیت سے اجتناب فرماتے تھے اور خدائے ذوالمنن نے آپ کو ایسے اخلاقِ حمیدہ سے مزیّن فرمایا تھا جو صرف آپ ہی کا حصّہ ہیں۔ امورِ جاہلیت سے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکمل طور پر محفوظ و مامون رکھا وہاں آپ کی ستر پوشی کا اہتمام رکھا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ کا تہبند پتھر اٹھانے کے لئے آپ کے دوشِ مبارک پر رکھ دیا گیا (تاکہ پتھروں کی رگڑ نہ لگے) تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آنے پر آپ کے چچا (حضرت عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابو طالب) نے پوچھا، یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ حبیبِ پروردگار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حقیقت کے چہرے سے نقاب اُٹھاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ننگا ہونے سے منع فرمایا ہوا ہے۔

ایسے ہی عجائبات سے یہ ہے کہ جب رحمتِ دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سفر کے دوران ہوتے تو اللہ تعالیٰ بادلوں کے ذریعے آپ کے لئے سائے کا اہتمام فرما دیتا تھا ـــــــ جب آپ ایک سفر سے واپس آ رہے تھے تو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے ساتھ کئی دیگر عورتوں نے دیکھا کہ دو فرشتوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس امر کا تذکرہ اپنے غلام میسرہ سے کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا ہے ـــــــ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ بادل نے آپ پر سایہ کیا ہوا ہے اور

وہ بھی آپ کے ساتھ تھیں اور یہی بات آپ کے رضاعی بھائی سے بھی مروی ہے۔

ایسے ہی کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ بعثت سے پہلے ایک سفر کے دوران آپ ایک خشک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہوئے تو وہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ پتے اور پھول نکل آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھلوں سے لد گیا اور رحمتِ دو عالم کے اعجاز کی بہار دکھانے لگا اور حاضرین نے اُسے اِس حالت میں دیکھا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ ہرا بھرا ہو گیا اور اُس نے اپنا سایہ آپ پر نچھاور کر دیا۔ نیز

وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَنَّهٗ كَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِيْ شَمْسٍ وَّ لَا قَمَرٍ لِاَنَّهٗ كَانَ نُوْرًا وَّ اَنَّ الذُّبَابَ كَانَ لَا يَقَعُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَ لَا ثِيَابِهٖ (۲۶)

جو معجزات مذکور ہوئے اُن میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے جسمِ اقدس کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا تھا اور نہ چاندنی میں کیونکہ آپ نور تھے اور مکھی آپ کے جسمِ اطہر اور لباس پر نہیں بیٹھا کرتی تھی۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ خلوت کو آپ کے نزدیک محبوب کر دیا تھا یہاں تک کہ وحی آپ پر خلوت میں نازل ہوتی ــــــــ یہ امر بھی ہے کہ آپ کو وقتِ وصال سے آگاہ فرما دیا گیا تھا اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ آپ کی آخری آرام گاہ مدینۂ منورہ میں کاشانۂ اقدس کے اندر ہو گی۔ چنانچہ آپ کے درِ دولت اور آپ کے منبر کے درمیان والی جگہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ وقتِ وصال اللہ ربّ العزت نے آپ کو (دنیا میں رہنے یا اسے خیرباد کہنے کا) اختیار دیا تھا اور حدیثِ وصال آپ کے عزّ و وقار کی تشہیر پر مشتمل ہے اور فرشتوں نے آپ کے جسمِ اطہر پر صلوٰۃ و سلام کے پھول چڑھائے، جیسا کہ ہم نے بعض روایتیں پیش کی ہیں ــــــــ نیز ملک الموت نے آپ سے اجازت طلب

کی تھی حالانکہ اس نے آپ سے پہلے کسی سے اجازت طلب نہیں کی تھی
نیز جب آپ کو غسل دینے کی تیاری ہوئی تو فرشتوں کی آواز آرہی تھی کہ آپ کی قمیص مبارک
نہ اُتاری جائے۔

روایت ہے کہ آپ کے وصال کے بعد حضرت خضر علیہ السّلام اور فرشتوں نے
اہل بیت سے تعزیت کی —— اسی طرح وہ کرامات و برکات ہیں جن کا صحابہ
کرام نے آپ کی ظاہری حیات اور وصال کے بعد مشاہدہ کیا تھا جیسا کہ حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے محترم چچا (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے برکت حاصل
کرنا اور متعدد مرتبہ آپ کی اولادِ امجد کی جانب رجوع کرنا مروی ہے۔

فصل ۔ ۲۹

معجزاتِ مصطفےٰ کی دیگر انبیائے کرام کے معجزات پر ترجیح

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ
ہم سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روشن معجزات اور علاماتِ نبوّت کے بارے
میں احادیث مطہرہ کے متعلقہ جملے جمع نادر نکات کے بیان کئے ہیں جو اپنی جگہ دلالتِ مدّعا پر
کافی و وافی ہیں۔ یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جو نکات بیان کئے گئے ہیں ان کی نسبت وہ نکات
بہت زیادہ ہیں جنہیں ہم نے ترک کر دیا ہے اور طول طویل احادیث سے صرف اتنا حصہ ہی
پیش کیا ہے جس سے اصل مقصود حاصل ہوتا ہے۔ ہم نے احادیث کے بحرِ زخار سے غریب
احادیث کو چھوڑ کر احادیث صحیحہ کے درّی موتی اکٹھے کرنے کی کوشش کی ہے جن سے
گوہرِ مقصود ہاتھ آتا ہے۔ احادیثِ غریبہ سے اگر کوئی حدیث لی ہے تو وہی جس کو مشاہیر
آئمہ نے نقل کیا ہے چونکہ اختصار مدّنظر ہے اس لئے احادیثِ مطہرہ کی اسناد کو بیان
نہیں کیا۔ اس باب کو اگر مضمون کے مطابق تفصیل سے لکھا جاتا تو کئی جلدیں اسی ایک

باب سے تیار ہو سکتی ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حبیبِ خدا، امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات دیگر انبیاءے کرام علیہم السلام کے معجزات کے مقابلے میں ۲ دو وجہ سے فائق ہیں۔ پہلی وجہ آپ کے معجزات کی کثرت ہے کیونکہ جو معجزہ کسی نبی کو مرحمت فرمایا گیا وہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی عطا فرمایا گیا بلکہ اس سے بھی اعلیٰ شکل میں مرحمت فرمایا گیا، چنانچہ علمائے کرام نے اس امر کو خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے اگر کوئی صاحبِ ذوق چاہے تو اِس باب کی مختلف فصلوں میں جن معجزات کا بیان کیا گیا ہے ان کا دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے موازنہ کر کے دیکھ لے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کی کثرت کو دیکھنا ہو تو ان میں سے ایک قرآنِ کریم ہی کو دیکھیے جو اوّل سے آخر تک معجزہ ہی معجزہ ہے۔ بعض محقق آئمہ نے فرمایا ہے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی معجز نما ہے خواہ وہ سورۂ کوثر ہی کیوں نہ ہو، یا اتنی بڑی کوئی آیت ہو۔ بعض علمائے کرام اِس جانب گئے ہیں کہ قرآنِ کریم کی ہر آیت ایک مستقل معجزہ ہے، خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ بعض علماء نے اِس پر اضافہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے کہ قرآنِ کریم کا ہر جملہ اپنی جگہ مستقل معجزہ ہے خواہ وہ ایک یا ۲ دو کلموں پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو لیکن تحقیقی بات وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ اعلان کرنے کے لیے فرمایا تھا:۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ	تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ اور
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ	اللہ کے سِوا اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔	اگر تم سچے ہو۔

پارہ ۱، سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۔

پس کم سے کم یہ چیز (ایک چھوٹی سورت) ہے جس کے ساتھ تحدّی کی گئی اور معارضہ طلب کیا گیا ہے جس کی شرح و بسط میں دقتِ نظر اور جوہرِ تحقیق معاونت کرتے ہیں۔ جب حقیقت نفس الامری یہ ہے تو قرآنِ کریم کے تقریباً ستتّر ہزار کلمات ہیں اور سورۃ الکوثر کے دس کلمے ہیں۔ پس اس حساب سے حصّے (دس کلموں کا ایک معجزہ) بتلاتے چلے جائیں تو اکیلے قرآنِ کریم ہی کے ساتؔ ہزار سے زائد معجزات ہو جاتے ہیں، جن میں سے ہر ایک مستقل مُعجزہ شمار ہو گا۔

علاوہ بریں قرآنِ کریم دوؔ طرح سے معجزہ ہے۔ ایک طریق بلاغت کے سبب اور دُوسرا نظمِ قرآنی کے لحاظ سے۔ اِس طرح مذکورہ معجزات کی تعداد دُگنی (چودہ ہزار سے زائد) ہو جائے گی۔ پھر قرآنِ کریم کے اندر اعجاز کی دیگر وجوہات بھی ہیں جیسے غیب کی خبریں دینا۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو ایک ایک سُورت میں کئی کئی غیبی خبریں موجود ہیں، جو اپنی اپنی جگہ پہ مستقل مُعجزہ ہیں۔ یُوں یہ مقدار کئی گُنا ہو جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ قرآنِ کریم کے اعجاز کی اور وجوہات بھی ہیں جن کا ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ یوں قرآنِ مجید کے معجزات کی تعداد اور کئی گنا ہو جاتی ہے۔ پس اِس طرح اگر تنہا قرآنِ کریم میں رکھے ہوئے معجزات کو گِنتے چلے جائیں تو گنتی ساتھ نہ دے سکے گی اور حصر مشکل ہو جائیگا حالانکہ اس کے علاوہ وہ احادیث و اخبار بھی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزات کے بارے میں وارد و صادر ہیں۔ وہ بھی کتنے ہی معجزات پہ دلالت کرتی ہیں جن کی جانب ہم اشارے کر آئے ہیں۔ غور فرمائیے کہ اِس طرح آپ کے معجزات کا شمار کہاں تک جا پہنچے گا۔

نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے معجزات کی ترجیح کی دوسری وجہ آپ کے معجزات کا زیادہ واضح ہونا ہے جبکہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السّلام کے معجزے ان کے اہلِ زمانہ کی ہمّت اور اُن کے علوم و فنون کے اعتبار سے مرحمت فرمائے گئے تھے یعنی جس علم یا فن میں

لوگ مہارت رکھتے ان کے نبی کو اُسی سے تعلق رکھنے والا معجزہ مرحمت فرمایا جاتا تھا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دَور میں جادو کا بہت زور تھا۔ تو انہیں ایسا معجزہ مرحمت فرمایا گیا جو ان کے کاموں سے مشابہت رکھتا تھا۔ وہ جن اُمور پہ قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے آپ کے معجزے نے اُن کے تمام دعاوی کو باطل کر دکھایا۔

اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں علمِ طب اپنے نقطۂ عروج کو چھُو رہا تھا۔ آپ ان کے پاس ایسا معجزہ لے کر تشریف فرما ہوئے جس پہ ان لوگوں کو ذرا بھی قدرت نہیں تھی۔ وہ یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مُردے کو زندہ کیا جا سکتا ہے یا ادویات کی مدد کے بغیر مادر زاد اندھوں کو بینائی اور کوڑھیوں کو تندرستی کی دَولت مِل سکتی ہے یہی حال باقی انبیائے کرام کے معجزات کا ہے۔

جس دَور میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے آخری پیغمبر سیّدنا محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مبعوث فرمایا تو سرزمینِ عرب میں چار علوم وفنون کا بہت شہرہ تھا۔ (۱) بلاغت (۲) شاعری، (۳) تاریخ، (۴) کہانت۔ —— اللہ تعالیٰ نے آپ پہ قرآنِ کریم ایسا نازل فرمایا جو مذکورہ چاروں علوم وفنون کا خارق ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور اعجاز کے ایسے کمالات پہ مشتمل ہے جن کا ان لوگوں کے مایۂ ناز کلام میں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کی تنظیم غریب اور اسلوب عجیب کو نہ وہ اپنے منظوم کلام میں پیش کر سکے اور نہ ایسے اوزان کا انہیں کوئی ڈھنگ آتا تھا۔

جہاں تک اخبار یعنی فنِّ تاریخ کا تعلق ہے تو قرآنِ کریم نے ایسے واقعات وحوادث اور اسرار ومخفیات کی خبریں دیں جو خبروں کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوئے جس کے باعث کسی بڑے سے بڑے معاند مخالف کے لیے بھی اُن کی صحت وصداقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی —— رہی کہانت، تو یہ ایک مرتبہ سچی اور دس مرتبہ جھوٹی ثابت ہوتی رہتی ہے، اِسے بھی قرآنِ کریم نے باطل کر دکھایا اور آسمانی خبروں کے

گھات لگانے والے شیاطین کو چنگاریاں پھینک کر اور شہابِ ثاقب کے ذریعے تواضع کر کے بھگا دیا جاتا ہے، جس کے باعث کہانت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود قرآن کریم نے گلے انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے حالات بیان کئے نیز قرونِ ماضیہ کے ایسے حوادث و واقعات بیان کئے ہیں جو ایسے شخص کو بھی عاجز کر کے رکھ دیتے ہیں جس نے ساری عمر ان علوم کی تحصیل میں گزاری ہو۔ اور اس میدان میں اُسے اپنے عجز کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا۔ چہ جائیکہ کوئی قرآن کریم کا اس کے جملہ وجوہِ اعجاز کے ساتھ معارضے کی جرأت کرے جن وجوہات کا ہم اعجازِ قرآن کے تحت گزشتہ فصلوں میں ذکر کر آئے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم ایسا معجزہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں بلکہ یہ قیامت تک اسی طرح قائم رہے گا۔ تاکہ ہر گروہ پر روشن حجت قائم کرتا رہے۔ بعد میں آنیوالا جو شخص بھی اس کے وجوہِ اعجاز میں غور کرے گا تو اُس پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ

إِلَى مَا أَخْبَرَ بِهِ مِنَ الْغُيُوْبِ عَلَى هٰذِهِ السَّبِيْلِ فَلَا يَمُرُّ عَصْرٌ وَلَا زَمَنٌ إِلَّا وَيَظْهَرُ فِيْهِ صِدْقُهُ بِظُهُوْرِ مُخْبَرِهِ عَلَى مَا أَخْبَرَ فَيَتَجَدَّدُ الْإِيْمَانُ وَيَتَظَاهَرُ الْبُرْهَانُ وَلَيْسَ الْخَبَرُ كَالْعِيَانِ وَلِلْمُشَاهَدَةِ زِيَادَةٌ فِي الْيَقِيْنِ وَالنَّفْسُ أَشَدُّ طُمَانِيَةً إِلَى عَيْنِ

کہ آپ نے جو معجزے کے طور پر غیب کی خبریں دی ہیں تو کوئی عہد اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ کی صداقت کا ظہور نہ ہو کیونکہ آپ نے جو خبر دی جب وہ اُسی طرح واقع ہوتی ہے تو اس سے ایمان کو تازگی اور دلیل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عینی مشاہدہ سے یقین بڑھتا ہے۔ اور نفس کو علم الیقین کی نسبت عین الیقین کے ذریعے سکون و اطمینان

اَلْیَقِیْنِ مِنْهَا اِلٰی عِلْمِ الْیَقِیْنِ وَ اِنْ کَانَ کُلٌّ عِنْدَهَا حَقٌّ ۔ ۲۹
حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے نزدیک سب کچھ برحق ہوتا ہے۔

دیگر انبیائے کرام جب دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کے معجزات بھی ختم ہو جاتے تھے لیکن ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے جو ختم یا منقطع ہونے والا نہیں ہے اور نہ مرورِ زمانہ اور گردشِ لیل و نہار کے باعث اس کے دلائل پرانے ہوتے ہیں بلکہ ہمیشہ تر و تازہ رہتے ہیں قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قاضی شہید ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو ان کے زمانے کے مطابق معجزہ مرحمت فرمایا گیا۔ جس کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے تھے لیکن میرا معجزہ وحی (قرآنِ کریم) ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیروکار باقی تمام انبیائے کرام کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث کا بعض حضرات نے یہی مفہوم بیان کیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر اور صحیح معنی یہی ہے۔

کئی علماء نے اس حدیث کے معنے میں تاویل کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے ظہور کا دوسرا مطلب بیان کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ وحی اور کلام ہونے کے باعث اس معجزہ میں تخییل، حیلہ اور مشابہت کا دخل ممکن نہیں ہے جبکہ دوسرے انبیائے کرام کے معجزات کے مقابلے میں ایسے امور کو لے آتے تھے جن کا دار و مدار فکری قوت پہ ہوتا ہے اور اس طرح کوتاہ فہم لوگوں کو ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے تھے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور چھڑیاں پھینک کر سانپوں کی تشکل میں دکھا دیں اور جادوگروں کی ایسی شعبدہ بازی شبہات میں مبتلا کر دیتی ہے یا معجزہ سے بظاہر مشابہت رکھتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے لیکن قرآنِ کریم ایسی چیز ہے جس کے مقابلے پہ کسی شعبدہ بازی یا حیلے کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ پس اس صورت میں

یہ دیگر تمام معجزات سے زیادہ روشن معجزہ ہے جیسے ایسا شخص جو شاعر یا خطیب نہ ہو وہ کبھی حیلے یا بناوٹ سے شاعر اور خطیب نہیں بن سکتا۔

اس حدیث کی پہلی تاویل زیادہ خالص اور پسندیدہ ہے۔ دوسری تاویل ایسی ہے جس سے چشم پوشی اور کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے۔ تیسری تاویل قائلینِ صرفہ کے مذہب پر ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اہلِ عرب کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے معارضہ سے روک دیا تھا ورنہ یہ چیز انسان کی قدرت میں داخل ہے جیسا کہ اہلسنّت و جماعت سے بھی بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ انسان کو ایسی قدرت حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو پہلے اس کی مثل لانے دی اور نہ آئندہ ایسا ہونے دے گا۔

مذکورہ دونوں مذاہب میں واضح فرق ہے لیکن اہلِ عرب کسی طرح بھی قرآنِ کریم کی مثل نہ لا سکے، خواہ اس امر پر انہیں قادر مانا جائے یا نہ مانا جائے حالانکہ معارضہ نہ کر سکنے کے باعث انہیں طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ جلاوطنی، اسیری اور جذیہ دینے کی ذلت برداشت کرنی پڑی۔ حال سے بے حال ہوئے۔ جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے، زجر و توبیخ، مجبوری و ناچاری اور وعید و تہدید وغیرہ سنتے رہے لیکن قرآنِ کریم کی مثل نہ لا سکے۔ یہ اُن کے عاجز رہنے کی واضح دلیل ہے کہ اس کا معارضہ نہ کر سکے یا تحتِ قدرت ہوتے ہوئے اس کے معارضے سے روک دیئے گئے تھے۔

امام ابو المعالی الجوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ اس جانب گئے ہیں کہ ہمارے نزدیک اُن کا یہ عجز، خرقِ عادت ہونے میں دیگر معجزات سے بہت بڑھ کر ہے مثلاً لاٹھی کو سانپ بنانے کے معجزے سے اور ایسے ہی دوسرے خوارق سے، کیونکہ بعض اوقات ان میں زیادہ غور و خوض نہ کرنے کے باعث انسان دھوکا کھا سکتا ہے کہ شاید وافر علم و فن کے باعث یہ امر اس کے ساتھ مخصوص ہو۔ اس کے برعکس سالہا سال تک ایک خلقت کو اس کلام کے ساتھ تحدّی کی جائے اور اس کا معارضہ طلب کیا جائے جو اُن کے

کلام کے مانند ہو۔ لیکن بار بار کے تقاضوں کے باوجود وہ اس کی مثل نہ لا سکے تو ان کا مجبور رہنا اسی لئے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے عاجز رکھا ہوا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے جیسے کوئی نبی دعویٰ کرے کہ میری نبوت کی دلیل کھڑا ہونا ہے پس لوگ اگرچہ کھڑے ہونے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سچا دکھانے کی خاطر دوسروں کو اس سے عاجز کر دے تو کھڑا ہونا اس نبی کے لئے صداقت کی دلیل ہو گی اور اس کا روشن معجزہ شمار ہوگا اور توفیق کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

بعض علمائے کرام پہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کا ظاہر و باہر ہونا پوشیدہ رہا ہے۔ اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے حقیقت میں اظہر و ابین ہیں۔ بایں وجہ انہوں نے اس ادراک کو اہل عرب کے فہم و ذکا اور وفورِ عقل پر محمول کیا ہے کہ انہوں نے اپنی ذکاوت طبع سے معلوم کر لیا کہ یہ معجزہ ہے کیونکہ یہ ان کے فہم و ادراک سے مناسبت رکھتا تھا لیکن قبطی اور بنی اسرائیل وغیرہ دوسری امتوں کے لوگ اپنی کم فہمی کے باعث اس کا ادراک نہ کر سکے جس کے سبب وہ فرعون کے خدائی دعویٰ اور سامری کے بچھڑے والے فریب کی حقیقت کو نہ جان سکے حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ ایمان لا چکے تھے اور وہ ان دونوں کے پجاری بن بیٹھے۔ اسی طرح ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی ہے، اس کے باوجود وہ آپ کے پرستار بن گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ	اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اُسے قتل کیا
وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔	اور نہ اُسے سولی دی بلکہ ان کے لئے اُن
[1]	کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔

---

[1] پارہ ۶، سورۃ النساء، آیت ۱۵۷

پس ان کے ناقص فہم کی مناسبت سے اُن کے پاس معجزے بھی ایسے ہی آئے جن کی حقانیت کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے اور ان میں شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی کم فہمی اور کوتاہ اندیشی کے باعث یہاں تک کہہ دیا تھا:۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ [۱] — ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے۔ جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں۔

وہ مَنّ و سَلْوٰی جیسی بہترین نعمت کی قدر بھی نہ کر سکے اور اس کے بدلے بدرجہا گھٹیا چیزوں کا مطالبہ کر بیٹھے ——— اس کے برعکس اہلِ عرب اپنے فہم کی تیزی کے باعث زمانۂ جاہلیت میں بھی صانع کی قدرت کے قائل تھے اور بتوں کی پوجا اس عقیدے کے تحت کرتے تھے کہ وہ انہیں خدا کے نزدیک کر دیں گے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اپنے ذہن کی صفائی کے باعث نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کتاب لے کر تشریف لانے سے پہلے بھی عقلی دلیل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے۔ اِسی لئے وہ فوراً حکمتِ الٰہیہ کو سمجھ گئے، فہم و ادراک کی زیادتی کے سبب پہلے ہی مرحلے میں معجزے کی حقیقت ان پر عیاں ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے، یہاں تک کہ اُن کا ایمان روز بروز ترقی کرتا گیا اور آپ کو پا کر انہوں نے دُنیا و ما فیہا سے ہاتھ اٹھا لیا اور آپ کے پیچھے اپنے گھروں اور مال و دولت کو بھی خیرباد کہہ دیا، یہاں تک کہ آپ کے مقابلے پر اگر ان کا باپ یا بیٹا بھی آیا تو انہوں نے اسے بھی قتل کرنے میں ذرا تامّل نہ کیا۔

مذکورہ نظریہ کے قائلین میں سے ایک نے اس مضمون کو ایسے نفیس اور عمدہ پیرائے

---

[۱] پارہ پہلا۔ سُورۃ البقرہ، آیت ۵۵

ہیں بیان کیا ہے جو سونے پہ سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو ہم اس جانب بھی میدانِ تحقیق میں قدم رکھتے لیکن ہم سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعجاز کے فائق اور ظاہر و باہر ہونے کو قبل ازیں مبرہن کر چکے ہیں جس کے باعث ہم اس کے ذکر سے مستغنی ہو چکے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلبگار ہوں کیونکہ میرے لئے وہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

تمت بالخیر



شفا شریف ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہوجاتا ہے اور دل و دماغ محبت رسول کی روشنی
سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ اس کتاب سے تمام اسلام کے نامور اہل علم و فضل نے استفادہ کیا۔
امام نووی، امام عینی، امام عسقلانی جیسے ائمہ احادیث شفا شریف کے حوالے نقل کرکے
اپنی تصانیف کو گرانقدر بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ کو اس کتاب کی وجہ
سے حضور کی مجالس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ دنیائے اسلام کے جید علمائے کرام
نے اس کتاب کی شرحیں لکھیں اور بیشمار تعلیقات لکھ کر نسبت محبت کی سند
حاصل کی۔ اس کتاب کے سینکڑوں ایڈیشن چھپ کر دنیائے اسلام میں پھیلے۔ اس کتاب کا
اردو ترجمہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری اور علامہ [illegible] نے کیا ہے۔

شفاء شریف

صاحبِ کتابُ الشفاء

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اہلِ قلم عشاق میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے آپ کی سیرتِ طیبہ پر نہایت بلند پایہ کتابیں لکھیں۔ آپ ۴۷۶ھ / ۱۰۸۳ء میں اُندلس میں پیدا ہوئے اور فاس کے ایک قصبہ سَتبہ میں پرورش پائی۔ آپ حافظ الحدیث قاضی ابوعلی غسانی صدفی کے شاگردِ خاص تھے مگر اُندلس کے بلند پایہ علماء سے استفادہ کیا۔ قرطبہ کی یونیورسٹی سے علمی اعزاز حاصل کیا۔ غرناطہ میں قاضی القضاہ (چیف جسٹس) کے منصب پر فائز رہے۔ ہزاروں شاگرد آپکے دسترخوان علم سے مستفیض ہوئے۔ اگرچہ دُنیائے علم میں آپ کی تصانیف ستاروں کی طرح روشن ہیں مگر آپ کی کتاب "الشفاء بہ تعریف حقوق المصطفٰے" دُنیائے اسلام میں بڑی مقبول و مطبوع ہوئی۔ آپ ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء میں فوت ہوئے۔ مزار پُرانوار مراکش میں ہے۔

مکتبہ نبویہ لاہور